دوسواہم موضوعات کی فہرست: اجمالی خاکہ

[۱] اس اعتراض کا جائزہ کہ مدارس عربیہ کے قیام کے ذریعے علماء نے ہند میں انگریزوں کے مقابلے میں نئی حکمت علی وضع کر کے اسلام کی علمیت و ماخذات کو مدرسہ ومسجد کی چار دیواری میں محفوظ کر کے حکومت سے اس بات کی ضمانت بھی حاصل کر لی کہ وہ مسجد و مدرسہ کی حدود میں مداخلت نہیں کریں گے۔ لیکن یہ حکمت عملی اسلام کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی اسی لیے انگریزوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور علماء سے وعدہ کیا کہ علماء کے گروہ مسجد و مدرسہ تک محدود و محصور ومقید ہو جائیں تو اسے ان کی سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں یہ بات درست ہے کہ مدرسوں کا قیام اسکولوں اور کالجوں کا اثر کم کرنے کی ایک کوشش تھا لیکن عملاً ہوا یہ کہ علماء مدارس ومساجد میں محصور ہو کر ایک مصنوعی دینی ماحول قائم کرنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن شہادت حق کے فریضے کو ادا کرنے کے قابل نہیں رہے وہ اقتدار سیاست طاقت حکومت اور ریاست کے دائروں سے خود بخوشی بے دخل ہو گئے اور ان تمام دائروں، معاملات، اور عنوانات کو انھوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کی سیکولر قیادت کے سپرد کر دیا اور اس قیادت پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آئے دیوبندی و بریلی کے جید علماء نے یہ کہا کہ سیاست علم شرعی سے نہیں ہو سکتی یہ علماء کے بس کی بات نہیں یہ تو گاندھی صاحب یا جناح صاحب ہی کر سکتے ہیں لہٰذا سیاسی قیادت امامت کبریٰؒ علماء نے رضا کارانہ طور پر غیر علماء کے سپرد کر دی اور خود امامت صغریٰؒ پر مطمئن ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب دین مسجد و مدرسہ میں بھی محفوظ نہیں ہے اسے وہاں سے بھی بے دخل کرنے کی تیاریاں عروج پر ہیں جامعہ حفصہ اور لال مسجد کو جلا کر خاکستر کر دینا اس نئی حکمت عملی کے شاخسانے ہیں جس کے ذریعے اہل دین کو بتا دیا گیا ہے کہ حکومت اس قدر طاقت ور ہے کہ جب چاہے کسی بھی مسجد اور مدرسے کو نہ صرف بند کر کے تہس نہس کر سکتی ہے بلکہ جلا کر خاکستر کر سکتی ہے لہٰذا علماء و مدارس ومساجد حکومت کی مخالفت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ اس پر تشدد کارروائی کا مقصد علماء مساجد و مدارس اور دینی ذہن رکھنے والوں کو آخری حد تک خوف زدہ کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں ایک اہم جائزہ۔ [۲] اس سوال کا جائزہ جو بعض متشدد گروہ بار بار اٹھاتے ہیں کہ اگر وہ جہاد یا خروج نہ کریں تو موجودہ حالات میں کیا کریں علماء کرام اس کا متبادل بتائیں ورنہ وہ اپنا کام کرتے رہیں گے المیہ یہ ہے کہ لال مسجد کے حامی دانشور ابھی تک یہ نہیں بتا سکے کہ وہ حکمرانوں کے خلاف خروج کر رہے تھے یا جہاد فرما رہے تھے ، لال مسجد کے رہنماؤں کی تحریریں بھی متضاد افکار کا ملغوبہ ہے کہیں وہ آئین ودستوریت کی عظمت کا گیت گاتی ہیں کبھی جہاد کا مژدہ سناتی ہیں کبھی خروج کی بات کرتی ہیں کبھی گاندھی کی طرح پر امن جدو جہد کا راستہ بتاتی ہیں اس گروہ کے حامی علماء سے سوال کرنے کے بجائے برقعہ پہن کر فرار ہونے والی قیادت سے کیوں نہیں پوچھتے کہ اس جہاد یا خروج کی علمیت کیا ہے اس کے ماخذات دین کے کن احکامات میں تلاش کیے جا سکتے ہیں ان کا ہدف منزل اور مقصود کیا ہے یہ سادہ لوح مخلص نادان محض ایک فرد کے خلاف خروج یا جہاد فرما رہے ہیں لیکن اس نظام کفر اس طاغوت کے قائم کردہ اداروں اس کی علمیت فلسفہ کے خلاف خروج اور جہاد کرنے کی ہمت نہیں رکھتے نہ احساس ساری جدو جہد ایک فرد کے خلاف ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں جو نظام سرمایہ داری کی ایک علامت ہے اور نظام سرمایہ داری کا نمائندہ اس نمائندے کو اگر ختم کر دیا جائے تو اس سے سرمایہ دارانہ نظام تو ختم نہیں ہوگا بلکہ اور مضبوط ہوگا جہادی گروہوں کو سرمایہ دارانہ علمیت سرمایہ دارانہ ریاست اور سرمایہ دارانہ اداروں کی طاقت اور عصر حاضر میں جدیدیت اور سرمایہ داری کے گھرے تانے بانے کا سرسری اندازہ بھی نہیں ہے لیکن

آ گہی کے بغیر وہ صرف نعرہ بازی کر کے امت کو اکسانے بہلانے اور مصروف رکھنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈتے رہتے ہیں۔عہد حاضر کی پرتشدد تحریکوں کا ایک جائزہ۔[۲الف] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ اسلامی تحریکیں حکومتی اقتدار اختیار کو خیر عظیم سمجھتی ہیں اور ریاستی سطح پر اقتدار سے زیادہ حکومتی اقتدار کو ترجیح دیتی ہیں حالانکہ حکومت کا قیام صرف نعمت ہی نہیں سخت ترین آزمائش بھی ہے جو حکومت میں ہو سب سے زیادہ آزمائش میں تو وہی ہوتا ہے اور اسلامی تحریکوں کو بغیر تیاری کے آزمائش میں مبتلا ہونے کا خبط ہے؟[۳] اس جاہلانہ نقطۂ نظر کا جائزہ کہ فقہ جہاد اور انقلاب برعظیم پاک و ہند میں مرتب نہیں ہوئی قدیم فقہ کے مباحث خروج و جہاد عہد جدید کی بدلتی ہوئی صورتحال میں کسی کام کے نہیں ان سے مجاہدین کے خلاف ہی استدلال ملتا ہے ان کے حق میں استدلال نہیں اس لیے علماء نے لال مسجد کی زبردست مخالفت کی کیونکہ ان کی فقہ اور اجماع لال مسجد کی علمی بنیادیں مہیا نہیں کرتی لہٰذا نئی فقہ اور نئی علمیت اور نئے اجماع کی ضرورت ہے۔اس وقت عالم اسلام کو بالکل نئی صورت حال درپیش ہے جو تاریخ میں کبھی پیش نہیں آئی اور ہماری فقہ اس صورت حال سے عہدہ برآء ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اصلاً انقلابیوں اور جعلی متشدد گروہوں کے اس اعتراض اور اس نقطۂ نظر کا ہدف جدیدیت نہیں اسلام ہی ہے اسلام کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ نئی صورت حال میں کارآمد نہیں صرف جدیدیت نہیں کفر ہے اور دین کے نام پر بدترین ضلالت کا ارتکاب ہے۔دین اسلام اور اس کی فقہ غلبہ و تمکن کا دین اور فقہ ہے دین دنیا میں صرف غلبے کے لئے آیا ہے لہٰذا اس دین اور فقہ میں غلبے کے تمام طریقے بتادیے گئے ہیں کفر اپنے رنگ بدلتا رہتا ہے لیکن دین کی حکمت عملی ازل سے ابد تک ایک ہے وہ انبیاء کے قصص میں مضمر ہے لیکن ان تحریکوں کو انبیاء کا طریقہ پسند نہیں جدید مغربی انقلابی طریقے پسند ہیں جس میں لہو کو ہر وقت گرم رکھنے کا بہانہ ملتا ہے اور شعر و شاعری مذہبی علمیت کا متبادل بن جاتی ہے اس لئے یہ اسلامی علمیت کو حقیر سمجھتے ہیں اور فضول سوال اٹھاتے ہیں۔اس وقت دنیا بھر میں خالص کافرانہ جمہوری سرمایہ دارانہ حکومتیں جو اسلام کو تہس نہس کرنے کے لیے کافی ہیں نہایت اخلاص سے خالص مسلمان چلا رہے ہیں بلکہ ترکی میں اسلام انقلابی اور صوبہ سرحد و بلوچستان میں پاکستان کی ام التحاریک کے تعاون سے حکومتیں چلائی گئی ہیں ایسا تاریخ میں کبھی نہیں ہوا کافرانہ قوانین کو چلانے والے مسلم مخلصوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ وہ ایک نظام کفر کے کارندے اور خدائے کفر کے بندے ہیں کفر کی بندگی اس خلوص کے ساتھ کی جارہی ہے کہ خود مغرب کو حیرت ہے اسلامی تحریکیں اردن، سوڈان، پاکستان، انڈونیشیاء، مصر، ترکی میں نظام کفر میں جزوی ترمیمات کر کے جزوی اسلام کاری کو عین اسلام کی فتح سمجھنے کے سراب میں مبتلا ہیں۔اس سراب کو سمجھے بغیر دین کا اصل چہرہ اور دین کی اصل روح بے نقاب نہیں ہوسکتی۔[۴] اس انقلابی نقطۂ نظر کا پہلا ناقدانہ جائزہ کہ مغرب مر رہا ہے جدیدیت کو پس جدیدیت [پوسٹ ماڈرن ازم] نے ختم کر دیا پوسٹ ماڈرن ازم، ماڈرن ازم کا متبادل تو مہیا کرنے سے قاصر رہا لیکن اس نے جدیدیت کی معنویت کو ختم کر دیا لہٰذا مغرب کے فلسفے میں اب معنویت تلاش کرنا ممکن نہیں رہا انیسویں صدی کے آخر تک مغرب اپنی جدیدیت کی عقلیت [Rational] علمیت [Epistomology] اور برتری کا قائل تھا لیکن اب اس کی علمیت کی تمام عقلی دلیلیں رد ہوچکی ہیں چونکہ مغرب اپنے فلسفہ انسان، کائنات اور خیر و شر کا کوئی علمی عقلی اور منطقی جواز پیش کرنے سے قاصر ہے لہٰذا اس کا غصہ بہت بڑھ گیا ہے اور اس کی جارحیت میں تازہ ترین اضافہ اس کی علمی شکست کا زبردست ردعمل ہے وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کو مغربی علمیت اور عقلیت کی بنیاد پر قائل نہیں کیا جاسکتا ادیان عالم کو علمی بنیاد پر شکست نہیں دی جاسکتی لہٰذا جو تہذیب، مذہب، ملک یا قوم، خطہ مغرب کے لیے خطرہ بنے یا مستقبل میں خطرہ بننے کی مخفی اہلیت یا صلاحیت رکھتا ہو اسے طاقت کے ذریعے تہس نہس کر دیا جائے اس کا غصہ اشتعال اور بات بات پر بھڑکنے کا رویہ بلا وجہ نہیں ہے ایک مرتے ہوئے مغرب کو مزید ہلاک کرنے کا فریضہ دنیا بھر کے انقلابی مجاہدین انجام دے رہے ہیں جن کی پشت پناہی امت مسلمہ کی عمومی اور علمائے کرام کی خصوصی ذمہ داری ہے انقلابی اور مجاہدین علمیت نہیں رکھتے وہ عمل کرتے ہیں علمیت مہیا کرنا علماء کا کام ہے۔یہ کام وہی کر سکتے ہیں مشتعل مغرب کے حملوں سے مجاہدین کے حوصلے پست ہونے کے بجائے بلند ہوتے ہیں۔ان کا مقابلہ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ ہے اگر مجاہدین خودکش حملے نہ کریں تو پھر کیا کریں علماء اپنے فتاویٰ کے ذریعے چیونٹیوں کے ڈنک توڑنا

چاہتے ہیں مجاہدین مغرب کو چیلنج نہ کریں تو پھر علماء بتائیں کہ مقاصد شرع کیسے حاصل ہوں علماء مجاہدین کو منظّم کر کے ان کی سر پرستی کرنے ان کے بحر کو بے پیدا کنار بننے سے روک سکتے ہیں انھیں منظّم حدود میں مقید کر سکتے ہیں لیکن علماء تو مجاہدین کے حوصلے اپنے فتاویٰ سے پست کرتے ہیں یہ اعتراض کرنے والے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیتے کہ خودکش حملے صرف مسلم ممالک اور غیر مغربی ممالک مثلاً روس وغیرہ میں کیوں ہوتے ہیں ان حملوں کی ذمہ داری قبول کرنے والے یہ حملے ان جگہوں پر کیوں نہیں کرتے جن کے خلاف یہ دن رات زہر اگلتے ہیں یہ حملے منظّم و مربوط انارکی [controlled Anarchy] کا حصہ تو نہیں ہیں مثلاً سوات میں دکھایا گیا کہ حکومت بے بس ہے ایک مدرسہ پوری وادی پر قابض ہے لیکن وادی سوات میں انتخابات ہوئے تو کسی پولنگ اسٹیشن پر ایک پتھر بھی نہیں پھینکا گیا جبکہ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں ضمنی انتخابات ہوئے تو سینکڑوں پولنگ اسٹیشن جلا دیے گئے آخر یہ انقلابی کہاں چلے گئے؟ یہ سوال بھی اہم ہے کہ یہ حملے مجاہدین کر رہے ہیں یا مجاہدین کے نام پر کوئی اور کر رہا ہے کیوں کہ حملوں کا جو طریقہ کار ہے اور جو اس کے ہدف ہیں وہ کچھ اور کہانی سناتے ہیں اس لئے صرف یہ کہہ دینا کہ اگر علماء نے متبادل راستوں کی حمایت نہ کی تب بھی عشاق تو فدا ہوتے رہیں گے۔ شمع ہر رنگ میں سحر تک جلتی رہے گی پروانے گریں گے جلیں گے مریں گے مناسب بات نہیں۔ یہ بھی سوال اہم ہے کہ خودکش حملوں کی خبر ہم تک پہنچانے والے کون ہیں عالمی ذرائع ابلاغ یا استعماری طاقتوں کے حمایتی ہمیں کیا معلوم کہ یہ حملے خودکش تھے یا ریموٹ سے کرائے گئے ہم کیوں یقین کر لیں کہ استعماری ایجنٹ سچ بول رہے ہیں؟ [۱۰] اسلامی احیائی اصلاحی انقلابی تحریکوں کی اس غلط فہمی کا جائزہ کہ عوام شدت سے دل کی گہرائیوں سے باطن کے اعماق سے روح کی پہنائی سے اسلام چاہتے ہیں لیکن انھیں اسلام سے اپنی چاہت کے اظہار کے مواقع نہیں دیے جارہے ایک مرتبہ مغرب دنیا بھر سے آمروں کی سرپرستی کرنا چھوڑ دے اور جبر و استبداد کی حمایت نہ کرے تو پورا عالم اسلام اسلام کے حق میں ووٹ ڈالنے جوق در جوق اور شوق در شوق نکل آئے گا اس مغالطے کی کوئی تاریخی علمی حقیقی بنیاد نہیں ہے یہ محض مفروضہ ہے اور اسلامی تحریکیں گزشتہ سو برس سے اس مفروضے کی عبادت اور پرستش میں مصروف ہیں خرم جاہ مراد نے تو عیسائیت پر ایک مضمون میں مغرب کو دعوت دی تھی کہ ایک مرتبہ ہمیں آزادی دے دی جائے پھر ہم توہین رسالت کے قانون سے لے کر تمام مغربی اعتراضات پر بات چیت کر سکتے ہیں [اس موقف کی تفصیل کے لئے خرم جاہ مراد کی کتاب مغرب اور عالم اسلام ایک مطالعہ کا صفحہ ۲۲۲، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱ دیکھیے] خرم جاہ مراد ص ۲۳۲ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ ”مجھے یقین ہے کہ ایک دفع مسلمان آزاد ہو جائیں اور اہل افراد اس کام کو کریں تو مسلمان کفر و ارتداد، توہین رسالت حدود، اقلیتوں کے حقوق اور انسانی حقوق جیسے امور پر دوبارہ غور میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے اس وقت بھی بحث جاری ہے لیکن مذکورہ شرائط پوری نہ ہوں تو یہ بحث اور مشق نتیجہ خیز نہیں ہوگی“ گویا آزادی اس قدر بڑی نعمت ہے کہ قانون توہین رسالت میں نصوص صریحہ، حدود و ارتداد کی سزا میں اس آزادی کے بدلے ترمیم و تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ اس وقت خواص کا حال ابتر ہے تو یہ سمجھنا کہ عوام کا حال بہت اچھا ہے نادانی کی انتہا ہے عوام معصیت کی زندگی پر راضی ہیں گناہگار زندگی کو جدید سائنس نے نہ صرف ممکن بنا دیا ہے بلکہ ہر شخص کے گناہ کی استعداد میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے جدید سائنس گناہ کے تمام ممکنہ راستے ذرائع وسیلے نہایت مستعدی کے ساتھ لوگوں کے دائرہ اختیار میں لے آتی ہے۔ اور گناہ کرنا سہل ترین ہو گیا ہے نفس کی پرستش کے جتنے حیلے بہانے طریقے وسیلے ہو سکتے ہیں جدید سائنس نے وہ سب کثرت سے مہیا کر دیے ہیں پوری انسانی تاریخ میں کبھی کوئی ایسا معاشرہ وجود میں نہیں آیا جہاں گناہگارانہ طرز زندگی کو اس طریقے سے عام کیا گیا ہو اور اس جرات کے ساتھ گناہ کی عمومیت کو لوگوں نے قبول کر لیا ہو عوام حاسد و حریص بن چکے ہیں لہذا یہ سمجھنا کہ اسلامی تحریکیں مومنین صالحین محسنین کے ملک میں ہیں سراسر غلط ہے عوام اُسے چاہتے ہیں جو ان کی چاہتوں کی جلد تکمیل کے لیے آسان تر راستے بنا سکے خواہ یہ راستے حرام کے راستے ہوں اسلامی انقلابی سیاسی تحریکوں نے عوام کو خواہش نفس کا غلام بتانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ان کی تمام تر سیاسی جدوجہد عوام کی خواہش نفس کی تکمیل کے زبانی دعووں اور عملی وعدوں پر گھومتی ہے یہ تحریکیں انتخابات میں کبھی نظریاتی بنیادوں پر حصہ نہیں لیتیں لہذا

عوام کے لیے کشش صرف اس تحریک اور جماعت میں ہے جو زیادہ سے زیادہ ان کی مادی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرے اور گناہگار زندگی کو آسان کرنے میں معاون ہو۔[۵] لذت pleasure اور خواہشات Desires میں اضافہ اور مسلسل اضافہ اور اس اضافے کے ذریعے دنیا کو جنت بنانے کا ہدف سرمایہ دارانہ علمیت [capitalist epistomology] کے آثار و مظاہر یعنی، جمہوریت ، دستوریت، آزادی، مساوات، ترقی، فلاح کا اصلی ہدف ہے جمہوری اور سرمایہ دارانہ نظام میں فرد یعنی انسان قائم بالذات ہستی ہے جس کا وجود خود اس کا مرہون منت ہے I think therefor I am یہ ایک ایسی ہستی ہے جو اپنے ہونے کے لئے کسی کو جواب دہ نہیں وہ اپنے ہونے کے لئے کسی پر انحصار نہیں کرتا اپنے وجود کا وہ خود ذمہ دار ہے لہٰذا ایک خود مختار [autonomus] آزاد اور قائم بالذات وجود کا مالک ہے لہٰذا تمام انسان آزاد برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں اس تصور انسان یا تصور مساوات کو اسلام کے تصور عبد سے کوئی تعلق نہیں جو تمام انسانوں کو اللہ کا بندہ قرار دیتا ہے اور اس بنیاد پر سب انسان بندگی رب میں برابر ہوتے ہیں پھر ان میں بہترین انسان وہ ہوتے ہیں جو قرب الٰہی اور تقویٰ کی بہترین صلاحیتیں رکھتے ہیں مغربی فلسفے میں تمام انسان اس لئے برابر ہیں کہ سب عقل رکھتے ہیں لہٰذا عقلیت ان کے مابین مساوات کا سبب ہے چونکہ سب صاحب عقل ہیں لہٰذا سب صاحب امر ہیں خود مختار ہیں اس لئے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں حالانکہ عقل خود کیا ہے اور کیا سب کی عقل یکساں ہوتی ہے اور عقل کا دائرہ حدود کیا ہے اس پر مغرب میں بہت کچھ لکھا جا چکا اور اس فلسفے کا رد ہو چکا ہے لیکن عملاً مغرب اب بھی اس فلسفے پر کاربند ہے اس فلسفے کی بنیاد پر مغرب کے تصور مساوات کو اسلام کے تصور عبدیت کے مماثل قرار دینا جاہلیت کی آخری انتہا ہے۔ مغربی فلسفے کے مطابق انسان کو کوئی عدم سے وجود میں نہیں لایا نہ اس کی ذات کو کسی نے قائم کیا وہ اپنے ہونے کا جواز اپنے ہونے کے اندر رکھتا ہے لہٰذا تمام انسان خود مختار آزاد، قائم بالذات ہیں ان کا جسم ان کی ملکیت ہے جسے وہ جس طرح استعمال کرنا چاہیں استعمال کر سکتے ہیں اور اس استعمال سے جو کچھ وہ حاصل کریں وہ ان کی ملکیت ہے لہٰذا Life، Liberty، Property کے تصورات مغربی فلسفے اور بنیادی حقوق میں اسی مابعد الطبیعیات کے ذریعے نکلے ہیں۔ اس مابعد الطبیعیات سے نکلنے والے تصور انسان، تصور حقیقت، تصور کائنات، تصور خیر و شر کی بنیاد پر اسلامی ریاست قائم کرنے کی دعوے دار اسلامی تحریکیں اس مابعد الطبیعیات کے پس منظر پیش منظر اور تہہ منظر کی زہرناکی سمجھنے سے قاصر ہیں وہ سمجھتی ہیں کہ کفر کے ساتھ میل ملاپ میں کوئی مضائقہ نہیں اور دین و کفر کے مرج البحرین سے آخر کار اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہو کر رہے گا۔ اسلامی تحریکیں یہ تصور کرنے سے قاصر ہیں کہ مغرب کی جمہوریت سیاست معیشت معاشرت اور سرمایہ داری کا تصور خیر، حقوق [Right] پر استوار ہے جبکہ اسلام کا تصور خیر خیر [Good] پر منحصر ہے ہمارے یہاں پہلا سوال یہ نہیں ہوگا کہ کیا چیز ہونی چاہیے کیا ہو سکتی ہے کیا چیز فائدہ مند ہے کونسی چیز نقصان دہ ہے عمومی مفاد [General intrest] کس میں ہے اور وقت کا تقاضہ کیا ہے بلکہ اصل سوال قرآن اور سنت کے تناظر میں تصور خیر و شر سے پیدا ہوگا کیا یہ کام شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟ کسی کام کے ہونے کے لیے اس کا افادہ عمومی [General intrest] اور انسانوں کا ارادہ عمومی [General Will] یعنی حبل الناس معیار نہیں بلکہ رضائے الٰہی یعنی حبل اللہ معیار ہے کس کام کے کرنے سے زیادہ رضائے الٰہی حاصل ہوگی وہ کام سب سے افضل اعلیٰ برتر تصور ہوگا اور جس کام کے کرنے سے سب سے کم رضائے الٰہی حاصل ہوگی وہ کام سب سے نچلے درجے کا کام تصور ہوگا لہٰذا اسلام اور مغربی جمہوریت کا تصور زندگی تصور خیر ہی الگ ہے وہاں حقوق اصل خیر ہیں یہاں شریعت خیر کا ماخذ ہے یہاں ریاست خدا کی مرضی نافذ کرنے کی پابند ہے وہاں ریاست بندوں کی مرضی کا نفاذ کرنے کی پابند ہے وہاں قانون سازی عوام بذریعہ خواص اور خواص بذریعہ مقنّنہ کرتے ہیں یہاں قانون سازی کا ماخذ ذات خداوندی اور رسالت محمدی اور اس کے بعد ان مصادر سے احکام اخذ کر کے مقاصد شریعہ کے حصول کا مشترکہ متفقہ طریقہ اجماع امت ہے وہاں حکمران عوام منتخب کرتے ہیں وہ عوام کو جواب دہ ہوتا ہے عوام کسی کو جواب دہ نہیں ہوتے یہاں حکمران ارباب حل وعقد یا خود جانے والا حکمران منتخب کرتا ہے اور حکمران و عوام دونوں خدا کو جواب دہ ہوتے ہیں جمہوری طرز حکومت میں اچھے برے خیر و شر کا سوال بے معنی لایعنی سوال ہوتا ہے۔ حقوق مطالبات خواہشات اہم ہو

جاتے ہیں خیر [Good] اہم نہیں رہتا حقوق کو اولیت حاصل ہوتی ہے مقاصد حیات تصورات خیر و شر احمقانہ بات ہوتی ہے اصل خیر Pragmatism اور utilitarianism، Pleasure، Desire ہو جاتے ہیں اور تصور خیر و شر زندگی کے معانی و مقاصد صرف خواہشات نفس سے متعین ہوتے ہیں۔ سرمایہ داری اور جمہوریت کا چولی دامن کا ساتھ ہے ریاستی جمہوریت ریپبلک کہلاتی ہے۔ لبرل جمہوریت۔ جمہوریت کی خاص قسم ہے یہی مطلوب ہے جس طرح شافعی اسلام اسلام کی خاص تعبیر ہے۔ جمہوریت کی بحث ہمارے کلاسیکی مفکرین کے یہاں موجود ہے۔ معتزلہ اس یونانی جمہوری فکر سے متاثر تھے فارابی کے یہاں جمہوریت کی بحث ہے۔ معتزلہ اسے مانتے تھے اس کا رد بھی ہمارے یہاں موجود ہے ہمارے ائمہ و مفکرین ماوردیؒ ابن خلدونؒ، ابن تیمیہؒ شاہ ولی اللہؒ وغیرہ نے جمہوریت کی تائید نہیں کی۔ کیونکہ جمہوریت نفس یا خواہش کی حکومت کا نام ہے۔ یہ خواہشات عوام بھی کر سکتے ہیں یا کوئی خاص گروہ بھی۔ اسٹالن ماؤ ہٹلر نے ریپبلک قائم کی۔ کہ وہ عوام کے نمائندہ تھے سرمایہ دارانہ نظام میں غیر جمہوری تنظیم ریاست کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سرمایہ داری میں انسان زیادہ سے زیادہ آزاد ہوتا ہے آزادی کی اصل شکل سرمایہ ہے سرمایہ دارانہ سوشلسٹ ریپبلک۔ لبرل ریپبلک۔ نیشلسٹ ریپبلک کا قیام ضروری ہے اس کے بغیر خواہشات کی بالادستی نہیں ہو سکتی۔ جمہوریت سرمایہ داری کا جزو لاینفک ہے سرمایہ دارانہ نظام ہو اور سود، سٹہ، اسٹاک ایکسچینج، منی مارکیٹ اور مارکیٹ کی بالادستی نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے؟ شریعت کے نفاذ کا فیصلہ زماں و مکاں سے طے نہیں ہوگا یہ ابدی طے شدہ مسئلہ ہے اللہ کو مسلم کا ایمان اس کی طے کردہ شرائط کے ساتھ قبول نہیں خدا کے ساتھ شرط لگانے کی اجازت نہیں یہاں تو تسلیم و رضا کے ساتھ آنا ہوگا گردن جھکا کر، قلب کو سجدہ میں گرا کر آنا ہے حضرت ابو بکر نے عوام کی شرط قبول نہیں کی کہ نماز پڑھ لیں گے زکوٰۃ نہیں دیں گے یا زکوٰۃ دیں گے تو نصاب سے کم دیں گے آپؓ نے فرمایا کہ اونٹ کی رسی کے برابر قیمت کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں گئی تو وہ جبراً وصول کی جائے گی جو خدا کی راہ میں اونٹ کی رسی دینے پر آمادہ نہیں وہ شُحّ نفس کی بیماری میں مبتلا ہے یہ مریض رذائل ہے اس کو کوئی رعایت نہیں دی جا سکتی منصوص احکام میں عوام کے چاہنے سے تبدیلی نہیں ہو سکتی کہ وہ کیا چاہ رہے ہیں وہ اس مقام سے دستبردار ہو سکتے ہیں دین ترک کر سکتے ہیں لیکن اس مقام کے مدعی نہیں ہو سکتے عدم سے وجود میں لانے والا انسانوں کو قانون سازی کا حق نہیں دیتا وہ کہتا ہے کہ تم عدم سے وجود میں آئے تو کسی شرط پر نہیں وجود پذیر ہوئے لہٰذا تم اب شرط عائد نہیں کر سکتے۔ سرمایہ داری کا تصور خیر۔ آزادی سرمایہ کی لامتناہی بڑھوتری ہے۔ جمہوریت کے اندر اقتدار کی تبدیلی ہوتی ہی نہیں لہٰذا لوگوں کے پاس تبدیلی کا حق ہونا مغالطہ ہے۔ یہ حق محض سراب، دھوکہ، اور جعلسازی ہے۔ ایک ہی نظام رہتا ہے چہرے بدل جاتے ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ پرامن تبدیلی کا طریقہ جمہوریت ہے غلط بات ہے۔ جمہوری نظام میں حقوق کی برتری کا اصول ختم ہو نہیں سکتا۔ ہر جمہوری حکمت فروغ آزادی کے منشور کو حق مانتی ہے ہر حکومت کے مقاصد لامحالہ ایک ہوتے ہیں۔ انتخابات کے ذریعے جمہوریت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ جمہوریت ایمان کا حصہ ہے ایمان کی کوئی عقلی دلیل نہیں ہوتی۔ اسلامی ریاست لوگوں کی خواہشات نفس کی پیروی کا نام نہیں خلافت کا کام حفاظت ایمان، مبادی دین کا بے خوف و خطر نفاذ، شعائر اسلامی پر عمل درآمد کو ممکن بنانا اجماع کی تعبیر کا نفاذ کرنا، دعوت دین کو عام کرنا اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے خاتمے کے لئے وقتاً فوقتاً جہاد کا انعقاد، ریاست قومی نہیں محدود نہیں لامحدود ہے، لہٰذا اس کے دائرہ میں اضافہ دعوت کی روحانیت اور جہاد کی صلابت کے بغیر ممکن نہیں اسلامی ریاست دعوت و جہاد کی توسیع، امکان، اور تشریح کا ادارہ ہے خلیفہ امامت صغریٰ یعنی مرکزی مسجد میں امامت نماز کا اہتمام بھی کرے گا اس کے دن کا آغاز عبادت رب نماز اور تلاوت قرآن پاک سے ہوگا، عادل گورنر اور قاضیوں کی تقرری، سادہ زندگی بسر کرنا، حدود تعزیرات کا نفاذ ریاست کا بنیادی مقصد اولین و آخرین کام نفاذ شریعت ہے لوگ کیا چاہتے ہیں یہ ریاست کا مسئلہ ہی نہیں ہے لہٰذا حکمران کی مرضی چلے گی نہ عوام کی مرضی صرف رب العالمین کی مرضی چلے گی۔ اسلامی ریاست میں انسان عبد ہے مخلوق ہے خود مختار اور آزاد نہیں۔ اس کا بنیادی کام عبادت رب ہے، زندگی کے معنی حصول رضائے خداوندی ہے خالق کی طرف رجوع ریاست اور فرد کی اصل ذمہ داری ہے ریاست کا کام بندگی رب کے امکانات میں اضافہ کرتے رہنا اور مسلسل رضائے الٰہی کے مواقع مہیا کرتے رہنا ہے تاکہ

ریاست میں مرضی الٰہی کا نفاذ ہو اور لوگ اپنے خالق حقیقی کے قرب کے حق دار ٹھہریں ریاست کا واحد مقصد نفاذ شریعت ہے اور ریاست کا ہر کام ہر منصوبہ بندی ہر حکمت عملی اسی تناظر میں مرتب کی جائے گی اگر یہ تناظر باقی نہ رہے تو اسلامی حکومت و ریاست کا ہونا یا نہ ہونا دونوں بے معنی ہوتے ہیں لہٰذا خلیفہ خدا کی شریعت کو نافذ کرنے والا ایک روحانی، اخلاقی، وجود ہے۔ دنیا میں قائم اسلامی ریاستیں ان اصولوں پر عامل نہیں نہ اس علمیت کی وارث ہیں اس لئے مغرب ہمیں ہر جگہ شکست دے رہا ہے اس علمیت کا ادراک انقلابی تحریکوں کو بھی کلی طور پر نہیں ہے وہ صرف جزوی معاملات پر اپنے عمل کی بنیاد رکھتی ہیں اس لئے انقلابی اسلامی تحریکیں ہر جگہ پسپا و رسوا ہو رہی ہیں ترکی میں طیب اوزرگان کا اعلان کہ اسلام ہمارا نجی معاملہ ہے اس رسوائی کی تازہ ترین شکل ہے اس کے باوجود ترک افواج کے جرنلوں نے طیب کو سلامی دینے سے انکار کر دیا ترکی میں اور عالم اسلام میں کیا ہو رہا ہے ایک اہم جائزہ۔[۶] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ مجاہدین نے مغرب کے فکر فلسفے جدید سائنس وٹکنالوجی کے عالمی محافظ امریکہ سے اصولی اختلافات کو عملی اختلاف بنا دیا ہے اور یہی مجاہدین کا اصل کارنامہ ہے ان کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی جدوجہد و جہاد سے ثابت کر دیا ہے کہ مال واسباب کی فراوانی مسبب الاسباب پر یقین رکھنے والوں کو شکست نہیں دے سکتی افغانستان میں پانچ سال گزرنے کے باوجود امریکہ کا اقتدار و اختیار صرف فضائی ہے زمینی نہیں افغان صدر کرزئی کو کسی افغانی پر اعتماد نہیں اس لئے کرزئی کے حفاظتی کمانڈوز امریکی فوجی ہیں افغانی نہیں بے یقینی کی اس سے بدترین حالت اور کیا ہوگی؟ کرزئی انتخابات کے دوران، اپنے حلقہ انتخاب میں ایک مرتبہ بھی داخل نہ ہو سکا امریکی طاقت کا عالم یہ ہے کہ جس آدمی کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ کسی بارات، تقریب، پروگرام میں شریک ہے تو وہاں سے اسے اغوا کرنے یا مارنے کے بجائے فضائی حملہ کر کے اس تقریب بارات کو تہس نہس کر دیتے ہیں۔ مجاہدین کی کامیابی کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ ان کے پاس ای ٹکنالوجی بہت کم ہے اگر وہ اس میں گرفتار ہوتے تو امریکہ ایک ایک ہدف کو چن چن کر ہلاک کر دیتا مجاہدین کا پسماندہ رہنا ہی ان کی کامیابی ہے اگر وہ جدید ٹکنالوجی سے مستفید ہو رہے ہوتے تو اس قدر طویل عرصے تک جدید ٹکنالوجی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے کیا مسلمانوں کے لئے پسماندگی کا راستہ ہی کامیابی کا راستہ ہے؟ ایک اہم جائزہ۔[۷] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ سرمایہ دارانہ نظم اقتدار کے اندر رہتے ہوئے اسلامی انقلاب کا احیاء ممکن ہی نہیں سرمایہ دارانہ مباحث کی اسلام کاری اسلامی انقلاب کے امکانات کو ناممکن بنا دیتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ اقتدار و بالادستی حرص وحسد کے نظام سرمایہ داری کی ہو اور اس کی موجودگی میں اسلامی انفرادیت شخصیت معاشرت حکومت فروغ پائے اور اسلامی معاشرت قائم رکھی جا سکے سرمایہ دارانہ نظام میں اسلامی یا مذہبی جزیرے تو بنائے جا سکتے ہیں لیکن ان جزائر کی کوئی حیثیت نہیں ان جزائر کی مثال آگ کی حدت کے درمیان برف کے ان گھروندوں کی ہے جن کے بنانے پر آگ لگانے اور اس آگ کو مسلسل بھڑکانے والوں کو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ آگ کی حدت ان "IGLOOS" کو پگھلا دے گی اور اس پگھلے ہوئے گھر کی چھت اس نظام سرمایہ داری پر نہیں بلکہ سرمایہ داری کے دشمن اس شخص یا گروہ پر گرے گی جو نظام سرمایہ داری کے جبر و کفر اور ریاست کے اندر اپنے علیحدہ دینی روایتی تشخص پر خواہ مخواہ اصرار کر رہا ہے۔ اسی لئے لبرل ازم اور لبرل ریاستوں میں نجی زندگی میں اسلام پر عمل کرنے شعائر اسلامی پر عمل پیرا ہونے کی فی الحال اجازت ہے فرانس وغیرہ میں تو یہ آزادی بھی محدود ہو رہی ہے اسکارف، صلیب کا نشان، سکھوں کی پگڑی اور کرپان بھی دوسروں کی آزادی میں مداخلت سمجھ کر پابندی کا شکار ہو گئے ہیں وہ وہ وقت قریب ہے جب یورپ میں اذان پر بلکہ مساجد پر بھی پابندی ہوگئی کہ ان آوازوں اور عمارتوں سے دوسروں کی دلآزاری ہوتی ہے صرف مسجد نہیں کلیسا صومعے مندر اور گردوارے بھی آخر کار اسی آزادی کے شیطان کے جال میں آ کر تہس نہس ہوں گے سرمایہ دارانہ معاشروں میں مذہبی گروہوں کو جو محدود آزادی ہے وہ اسی لئے ہے کہ یہ آزادی خود ان کی مذہبیت کو ختم کر دے گی۔ امریکہ میں نارمن فرقہ اس کی مثال ہے ان کا وجود اب تاریخی آثار کے طور پر باقی ہے ان کی بستیاں الگ ہیں جہاں وہ بجلی استعمال نہیں کرتے جدید کاریں نہیں چلاتے بلکہ گھوڑے گاڑی پر سفر کرتے ہیں مغرب کے ساتھ ہی سو جاتے ہیں صبح سویرے اٹھ جاتے ہیں ظاہر ہے ایسی مذہبی بستیاں نظام سرمایہ داری کے ہمالہ کے لئے کوئی

خطرہ مہیا نہیں کرتیں لہٰذا ان کا وجود بخوشی برداشت کیا جاتا ہے۔ ایسے مذاہب، ایسے لوگ ایسی بستیاں جب اپنے مذہب کو دعوت اور جہاد کے ذریعے ریاست پر غلبہ کا دعویٰ ہی نہیں کرتیں تو اس سے سرمایہ داری یا مغرب کو کیا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ اسکاٹ لینڈ میں صوفیاء کی تحریکوں کا اثر ہے زرقاوی سلسلے کے لوگوں نے وہاں اپنی علیحدہ بستیاں بسالی ہیں جو ان کی شناخت کا ذریعہ ہیں لیکن ان بستیوں کو جلد یا بدیر سرمایہ دارانہ نظم سیاست و معاشرت اپنے اندر ضم کرلے گا یہ بستیاں سرمایہ داری کے تھپیڑوں کے سامنے زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گی۔ ڈیوز بری کے علاقے میں تبلیغی جماعت نے پورے علاقے میں اپنا نظام قائم کردیا ہے یہاں اب کوئی انگریز نہیں رہتا سب اپنی املاک بیچ کر چلے گئے یہاں خالص اسلامی ماحول ہے اور تبلیغی جماعت کے سوا کوئی نظر نہیں آیا۔ ماضی میں جماعت اسلامی سے وابستہ مستری محمد صدیق جماعت اسلامی اور دیگر تنظیموں سے مایوس ہوکر بکریاں لے کر دور دراز پہاڑی علاقے میں چلے گئے وہاں فطرت کے ماحول میں رہے اور وہیں جان جان آفرین کے سپرد کردی اس طرح کی ریاست، ایسے جزیروں پر مغرب کو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ یہ بستیاں نظام سرمایہ داری کے لئے کسی قسم کے مخفی چیلنج کی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس طرح کی حکمت عملی سے نہ تحفظ اسلام ممکن ہے نہ غلبہ دین کا امکان ہے کیا سرمایہ داری کے اندر رہ کر اسے تباہ نہیں کیا جاسکتا کیا سرمایہ داری کو تباہ کرنے کے لیے اس کے نظام سے باہر آنا ہوگا۔ ایک اہم جائزہ۔[۸] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ ڈھانچے [Structure] کے اندر جوہر یا روح [Sprit, Substance] موجود ہوتی ہے جو نہیں نکالی جاسکتی ڈھانچے غیر متبدل ہوتے ہیں شریعت نے ایسے ڈھانچوں کی نشان دہی کردی اسلامی نظام زندگی بدن اور روح کے آمیختے کا نام ہے اسٹرکچر اور sprit، substance ساتھ ساتھ ہوتا ہے ہر ڈھانچے اور نظام کی اپنی روحانیت sprituality اور اپنی دانش wisdom ہوتی ہے جو اس کے اندر سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے آپ اس نظام کو اس کی روح کے ساتھ چلاتے رہیں۔ تو اس کی مخفی دانش potential wisdom اور مخفی روحانیت Potential sprituality مختلف طریقوں سے اپنا اظہار کرتی ہے مثلاً کھڑے ہوکر کھانے والے نظام کی اپنی دانش و روحانیت ہے جو حرص و حسد کی عمومیت کے ذریعے اظہار کرتی ہے لیکن دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے والے نظام کی روحانیت و دانش بیٹھ کر کھانے میں مضمر ہے۔ جو شخص دسترخوان پر بیٹھ جاتا ہے وہ کھڑے ہوکر کھانے والوں کی طرح لوٹ مار، چھینا جھپٹی نہیں کرسکتا وہ تعلقات کے ایک نئے تانے بانے میں بندھ جاتا ہے اس دسترخوان پر اس کی نقل و حرکت ناممکن ہوجاتی ہے وہ حالت حرکت سے حالت سکون میں آجاتا ہے وہ ایک پیالے سے دوسرے پیالے ایک برتن سے دوسرے برتن کی طرف آزادانہ رجوع نہیں کرسکتا۔ جو کچھ اس کے سامنے میسر و موجود ہے وہ اسی پر اکتفا کرتا ہے صرف اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ جو لوگ فروکش ہیں ان کا حصہ بھی ان چیزوں میں موجود ہے جو سامنے برتنوں میں رکھی ہیں اس سے وہ اعتناء نہیں کرسکتا اگر برتن میں پانچ بوٹیاں ہیں اور کھانے والے بھی پانچ ہیں تو کوئی فرد پانچوں بوٹیاں اپنی رکابی میں ڈالنے کی جرات نہیں کرسکتا کہ پانچ نگاہیں اس کے تعاقب میں ہوں گی اس کا اخلاقی وجود کڑی نگرانی میں ہوتا ہے کوئی قانون نافذ نہیں ہوتا لیکن نفس امارہ اور اخلاقیات کا قانون دسترخوان کے ڈھانچے کے ذریعے فرد پر مسلط ہوجاتا ہے۔ وہ اس کے جبر سے اوپر نہیں اٹھ سکتا اس کے برعکس کھڑے ہوکر کھانے کی اخلاقیات ہی دوسری ہوتی ہے ایک میز سے وہ بوٹیاں پسند کی اشیاء چنتا ہے پسند نہیں آتیں تو دوسری میز پر پھینک کر دوسری رکابی اٹھا کر دوسری اشیاء استعمال کرنا شروع کردیتا ہے۔ پسندیدہ اشیاء ایک میز پر نہ ملیں تو وہ لالچی کتے کی طرح ہر میز پر گھوم پھر کر ڈھونڈتا اور لوٹتا رہا ہے کیوں کہ وہ اپنا زماں و مکاں تیزی سے بدل رہا ہے لہٰذا کسی کی نظر میں نہیں ہے صرف حرص و حسد و ہوس کی گرفت میں ہے دسترخوان اس کے اخلاق رذیلہ کے اظہار کی صلاحیتیں سلب کرلیتا ہے اسی لئے دسترخوان پر بیٹھنے والا مرغی کی گردنیں بھی کھاتا ہے لیکن بوفے میں کھانے والا گردنوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ دعوتوں میں میز کا معائنہ کیجیے ہر برتن میں مرغی کی گردنوں کے ڈھیر پڑے ہوں گے حرص و حسد ان کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر، شورش کاشمیری، رشید ترابی، عطاء اللہ شاہ بخاری، شفیع اوکاڑوی، مولانا نورانی، ابوالکلام آزاد، جب جلسہ عام میں خطابت کا جادو جگاتے ہیں تو لاکھوں کا مجمع سیلاب کی طرح ابلنے لگتا ہے نعرے اور تحسین کی آوازیں بلند ہوتی ہیں جلسہ گاہ رزم گاہ کا

منظر پیش کرتی ہے اور خطیب اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو آتش بجاں کرتا چلا جاتا ہے لیکن یہی خطباء جب اپنی اپنی مساجد کے منبروں پر اسی رفتار و گفتار کے ساتھ جمعہ کے دن خطابت کرتے ہیں تو مجال ہے کہ مسجد میں کوئی شخص نعرہ لگادے، شور مچادے، یا تحسین وستائش کے ڈونگرے برسادے مسجد کا تقدس لوگوں کے جذبات کو سلب کر لیتا ہے ان کے جذبات کو ایک خاص تنظیم کے سانچے میں ڈھال کر انھیں ساکت صامت بنا دیتا ہے اس نظام کی روحانیت انسانی وجود کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتی ہے اور اس کے جذبات کو اس کے بدن سے خارج کر کے اسے بے بس کر دیتی ہے یہ مسجد کے ادارے کی روحانیت کا ثمر ہے۔ تراویح جب مسجد میں ادا کی جاتی ہے تو اس کا ماحول، نورانیت، روحانیت بالکل الگ ہوتی ہے ایک وقار، ایک شکوہ، سکون، سنجیدگی، قلب کی آمادگی دنیا سے فراغت کی کیفیات طاری ہوتی ہیں مسجد کی تراویح میں مسجد کے خدام بھی شامل ہوتے ہیں اور انتظامی عملہ بھی مسجد انھیں اس عبادت سے محروم کرنے کا ذریعہ نہیں بنتی وہ مسجد کی اجتماعیت اور اجتماعی عبادت کا حصہ ہوتے ہیں لیکن یہی تراویح جب جماعت اسلامی تنظیم اسلامی اور دانش سراء کے تحت مساجد سے نکل کر شادی ہالوں، کمیونٹی سینٹروں، اور ہالوں میں چلی جاتی ہے تو اس کی روحانیت سلب ہو جاتی ہے کچھ لوگ اس تقریب کے انتظامات میں مصروف ہو کر تراویح کی عبادت سے قصداً رضا کارانہ محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ کچھ ویڈیو بناتے ہیں کچھ صوتی نظام چلاتے ہیں کچھ کتابوں کے اسٹال پر بیٹھتے ہیں کچھ تھک کر کرسیوں پر آرام کرتے ہیں کچھ چائے پی رہے ہوتے ہیں کچھ چائے بنانے کے انتظام میں مصروف ہوتے ہیں کچھ کتابیں پڑھ رہے ہوتے ہیں کچھ سستانے لگتے ہیں وقفوں میں چائے کا دور اور کھانے پینے کا سلسلہ چلتا ہے جانمازوں پر کھانا پینا ہوتا ہے جو ادب تہذیب صفائی کے خلاف ہے لہٰذا وہ روحانیت مفقود ہوتی ہے جو تراویح کا حاصل ہے وجہ یہ ہے کہ مسجد کا ادارہ چھوڑتے ہی یہ روحانیت بھی رخصت ہو جاتی ہے روحانیت اس خاص ڈھانچے کے اندر ہے وہ ڈھانچہ نہیں رہے گا تو روحانیت بھی نہیں رہے گی اور دنیا کو، حرص و ہوس کو لذت دنیا کو اس روحانیت میں دخل اندازی کی کھلی اجازت خود بخود مل جائے گی۔ مدارس و مساجد میں فرش پر بیٹھ کر دین کا علم حاصل کرنے والوں اور ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں کرسیوں پر پیر لٹکا کر پروجیکٹر اور ملٹی میڈیا کی مدد سے دین سیکھنے والوں اور وقفے میں چائے بسکٹ کھانے والوں کو کبھی دین کی روحانیت نصیب نہیں ہوتی دین کے سیکھنے کا ایک طریقہ ہے وہ طریقہ اختیار کئے بغیر دین نہیں مل سکتا اسی لئے ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کیسٹ کے ذریعے کوئی شخص دین کی روحانیت کا مکمل احاطہ، ادراک، احساس، تصور، اور اندازہ نہیں کر سکتا وہ ادھورا رہتا ہے اس کا علم فہم دین بھی ادھورا رہتا ہے نماز جب گھر میں پڑھی جاتی ہے تو وہ اردگرد کے علائق سے شدید متاثر ہوتی ہے لیکن جب مسجد کے پرسکون ماحول میں ادا کی جائے تو اس کی لذت، حاضری و حضوری کی کیفیت، روحانیت، قلبی حالت سب کچھ بالکل مختلف ہوتی ہے یہ گھر اور مسجد کے سانچے ڈھانچے کا فرق ہے ہمارے تمام علماء تہجد کے بعد تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے اس وقت میں جو لذت، برکت، جمالیات، سکون، ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اس وقت مطالعہ کرے ایک ایسی روحانیت احاطہ کر لیتی ہے کہ آپ کی کارکردگی کئی سو گنا بڑھ جاتی ہے تمام علائق دنیا سے آپ اس وقت الگ ہوتے ہیں کہ کوئی خلل نہیں ہوتا لہٰذا ہمارے جید علماء کے کام میں جو برکت و روحانیت ہے وہ تہجد اور فجر کی نماز کے بعد کی روحانیت کا فیضان ہے عصر حاضر کے جدیدیت پسند علماء اس فیض سے عاری ہیں سانچے اور ڈھانچے کی اہمیت کا اندازہ ایک اور مثال سے لگائیے ٹی وی پر عالم آن لائن جیسے تمام پروگرام جن میں لوگ سوالات پوچھتے ہیں اور علماء کرام جوابات دیتے ہیں ان پروگراموں کا مقصد سائل کی فوری تسلی، تشفی، کے سوا کچھ نہیں ہوتا لہٰذا ہر عالم ہر سوال کا فوری جواب instant Answer دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ٹی وی پر علماء کرام دین کی تبلیغ و اشاعت سے زیادہ اپنے تبحر علم اور وسعت مطالعہ کے اظہار پر مجبور ہیں تاکہ ان کی علمیت و عظمت مسلم ہو جائے اس کی وجہ علماء کا کبر، ریاء اور غرور نہیں ٹی وی کے نظام جبر کا ڈھانچہ ہے علماء ٹی وی کو ایک مشین اور آلہ سمجھتے ہیں جبکہ یہ ایک نظام ہے اور ایک بڑے سرمایہ دارانہ نظام کا کل پُرزہ ٹی وی کے نظام جبر کا تقاضہ یہ ہے کہ فون پر یا مجلس مکالمہ میں جیسے ہی کوئی سائل سوال پوچھے متعلقہ عالم فوری جواب دے اگر کسی عالم نے جواب دینے میں تامل کیا اسے تردد ہوا۔ یا اس نے کہا کہ مجھے جواب معلوم نہیں تو اسی لمحے وہ عالم خواہ کسی قدر جید، متبحر، اور

مسلمہ ہواسی لمحے وہ عوام کی نظروں میں اپنا وقار معیار اور اعتبار کھودے گا بے وقعت [Discreadit] ہوجائے گا اور ٹی وی کی نتظامیہ بھی اسے بے کار عالم قرار دے کر پروگرام سے خارج کردے گی اگر کوئی عالم ایک ہی پروگرام میں ہرسوال پر حضرت عبداللہ بن مسعود کے تتبع میں یہ کہتا رہے کہ میں نہیں اللہ جانتا ہے۔یا سلف کی پیروی میں یہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا آپ فلاں عالم سے پوچھیں یا میں نے اس مسئلے پر ابھی غور نہیں کیا یا یہ کہ میں اس مسئلے پر پچھلے کئی سال سے غور کررہا ہوں لیکن ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچا یا یہ کہہ دے کہ میرے ساتھ اس پروگرام میں جو دوسرے عالم بیٹھے ہیں وہ شاید اس کا بہتر جواب دے سکیں میں متامل ہوں تو اسی لمحے اس عالم کی عزت، شہرت، حیثیت، مرتبہ وقار، علم، تقویٰ، خشیت، علمیت نہ صرف اس کی نظر میں اس کے مسلک کی نظر میں بلکہ عوام کی نظروں میں بھی سرمہ بن جائے گی پہلے لوگ علم دین حاصل کرنے کے لئے مقتدر اصحاب وعلماء [Authorities] سے رجوع کرتے تھے اب علماء خود عوام سے رجوع کررہے ہیں اور وہ بھی ایک ایسے واسطے [Medium] اور آلے کے ذریعے جس کی بنیاد شر، نفع اندوزی، لذت، مزے، چٹخارے، مال کمانے لوگوں کو بے وقوف بنانے پر رکھی گئی جس کے آغاز سے اختتام تک ہر پروگرام موسیقی سے شروع ہوتا ہے اسی پر ختم ہوتا ہے عریانی وفحاشی سے گزر کر اسلامی پروگرام کا وقت آتا ہے یعنی مسجد کی چوکھٹ تک پہنچنے کے لئے دس طوائفوں کے کوٹھوں سے گزرنا ہوگا اور مسجد سے نکلنے کے لئے آبرو باختہ عورتوں کی راہداریوں سے نکلنا ہوگا دین اور عالم دین ٹی وی پر فسق وفجور طغیان وعصیان کے درمیان گھرا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں صحراء میں اذان دے رہا ہوں حالانکہ وہ اذان صحراء میں نہیں کہیں اور دے رہا ہے۔ٹی وی پر دینی پروگرام کا انعقاد صرف ایک سادہ سا مسئلہ نہیں ہے۔ٹی وی ایک کُل [Whole] ہے دینی پروگرام اس کا ایک جزو ایک جزو کے اچھے ہونے کی بنیاد پر کل اچھا نہیں ہوجائے گا۔ٹی وی دینی پروگرام ایک مکمل پیکیج کے ساتھ آپ کو دیتا ہے جس کے نتیجے میں دینی پروگرام کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے اور ٹی وی کی تہذیب وثقافت اس فرد کا احاطہ کرلیتی ہے۔یہ ٹی وی کے پیکیج کا کمال ہے اس لیے ذریعے کی اہمیت مسلم ہے۔ظاہری مماثلتوں کی بنیاد پر کسی شے کو کسی دوسری شے پر قیاس کرنا غیر علمی طرز عمل ہے۔ایک ثقافتی طائفے میں شامل ہوکر اشعار پڑھنا، ہجو کہنا، خطابت کرنا، ڈھول بجانا اور اسے میدان جنگ کے طبل جنگ سے تشبیہ دے کر اسلامی روایت قرار دینا جہالت ہے۔میدان جنگ میں ڈھول بجانا، رجزیہ اشعار پڑھنا، ہجو کہنا اور خطابت کا صور پھونکنا دو مختلف وسیلے [Medium] راستے [Ways] ہیں۔میدان جنگ میں کوئی غیر پاکیزہ جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔زندگی اور موت کی دہلیز پر ڈھول بجانے والا اور جنسی جذبات مشتعل کرنے کے لیے آلات موسیقی استعمال کرنے والے ثقافتی طائفے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ظاہری مماثلتوں کی بنیاد پر فیصلے ہوں تو عیسائیوں اور مسلمانوں میں اختلافات کی کیا ضرورت ہے۔دونوں حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لاتے ہیں لیکن کیا عیسائی جس حضرت عیسیٰ کو مانتے ہیں مسلمان بھی اسی تصور عیسیٰؑ پر ایمان لاتے ہیں ظاہر ہے بالکل نہیں عیسائیوں کے یہاں حضرت عیسیٰ مسیح ابن اللہ ہیں مسلمانوں کے یہاں وہ محض رسول اللہ ہیں۔اہل تشیع کے یہاں حضرت علیؓ، حضرات حسینؓ، اور اہل سنت کے تصور حضرت علیؓ وحسنینؓ کیا ایک ہیں ؟اس ظاہری مماثلت کی بنیاد پر کیا وہ مابعد الطبیعیاتی اختلافات اور تصور علمیت ختم ہوجاتا ہے جو پہلی صدی ہجری سے چلا آرہا ہے۔اگر ظاہری مماثلت سے اختلافات حل ہوسکتے تو عیسائیت اور تشیع سے اسلام اور اہل سنت کے اختلافات ابھی تک حل ہوجاتے۔بالکل اسی طرح بنیادی حقوق کی بعض شقوں کی اسلام سے مماثلت تلاش کر کے انھیں خطبہ حجۃ الوداع سے ماخوذ قرار دینا ضلالت کی آخری انتہا ہے۔لوگ کثرت سے طوائفوں سے رجوع کرتے ہیں تو اکثریت تک دین پہنچانے کے جوش میں کیا ان مراکز عوام پر وعظ ونصیحت کی مجالس آراستہ کی جائیں کہ لوگ طوائفوں سے بھی لطف اندوز ہوں اور دین کا فہم بھی حاصل کرلیں تو اس میں کیا ہرج ہے کچھ نہ کچھ دینی مزاج تو بن جائے گا۔بڑے بڑے کنسرٹ، بیلے ڈانس کی تقاریب، فیشن شو کے باہر اسلامی کتابوں کے اسٹال لگانے سے کیا دین پھیل جائے گا؟ یہ اسی طرح کی کوشش ہے کہ سٹی گورنمنٹ کراچی نے ساحل سمندر پر ''فوڈ فیسٹیول'' لگایا تو اس میں کراچی یونیورسٹی کی کتابوں کا بھی ایک اسٹال لگا دیا جس پر صرف دس آدمی تشریف لائے کیا فوڈ فیسٹیول کے مصالحے دار چٹخارے والے ماحول میں کتابوں کی طرف توجہ کی کوئی گنجائش رہ سکتی ہے مسجد میں اور

گھر میں اور بازار میں نماز پڑھنے کا جو فرق ہے وہ ذریعے [Medium] کا فرق ہے ذریعے کی اہمیت کسی پیغام کی ترسیل کے لئے پیغام سے کم اہم نہیں ذریعہ بدلنے سے پیغام کی ماہیت شدت، اصلیت، حقیقت، کیفیت، اور اثر تک بدل جاتا ہے ذریعے کی اہمیت ایک گلوکار جنید جمشید پر بھی آشکار ہے ایک ٹی وی انٹرویو میں اس سے پوچھا گیا کہ اللہ نے آپ کو اتنی عمدہ آواز دی ہے آپ گاتے ہیں تو لگتا ہے کہ آپ کے گلے میں بھگوان بول رہا ہے آپ کی آواز نغمہ داؤد کی یاد دلاتی ہے آپ کا لحن دلوں کی دنیا بدل دیتا ہے تو آپ گائیکی کے ذریعے تبلیغ دین کا فریضہ کیوں انجام نہیں دیتے ہماری تاریخ میں مثالیں ملتی ہیں جیسے شاہ لطیف بھٹائی مرید وغیرہ جیسے صوفی جو اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں کو موسیقی کے ذریعے پہنچاتے تھے۔ مریدان رومی جن کا رقص دل کی دنیا بدل دیتا ہے قوالی کی روایت جو روح کی تاروں کو چھیڑتی ہے۔ جنید جمشید نے برجستہ جواب دیا کہ ہماری تاریخ میں تبلیغ تعلیم تدریس اور دعوت کا کام کبھی گائیکی سارنگی اور طبلے وغیرہ سے نہیں ہوا اس کام کا ایک خاص اسلوب اور خاص طریقہ ہے ہم نے تاریخ کے سفر میں یہی دیکھا ہے کہ داعی لوگوں تک دین کی دعوت اپنے قول و عمل سے پہنچاتا ہے فیسٹول منعقد کر کے یا ڈھول باجے سے یا گائیکی کی سائیکی کے ذریعے تبلیغ دین کی روایت سے ہماری تاریخ خالی ہے تبلیغ تدریس دعوت تعلیم کے لئے جو طریقہ [Procedure] ذریعہ [Medium] سنت رسول اللہ، اجماع، صحابہ، اجماع امت اور امت کے تعامل سے نسل در نسل ہم تک منتقل ہوا ہے اس میں گا بجا کر، مٹک کر، آلات موسیقی کے ذریعے دعوت دین کی کوئی روایت نہیں ملتی ایک آدھ استثناء حجت نہیں ہے۔ افسوس کہ ایک گلوکار دین کی ترسیل، تعلیم، تبلیغ اشاعت کے سلسلے میں اختیار کیے جانے والے ذریعے کے بارے میں ہمارے جدیدیت پسند علماء سے زیادہ فہم دین رکھتا ہے ملکہ ترنم نور جہاں کی آواز سے اگر دعوت ایمان کفار قبول بھی کر لیں تو ایمان کا اصل ذریعہ تو نور جہاں کی آواز ہے اللہ کا پیغام تو حید نہیں ہے کسی کی خوبصورت آواز پر ایمان لانے والا اس سے زیادہ خوبصورت آواز سن کر اپنا ایمان لمحوں میں بدل سکتا ہے اس لئے دعوت دین کا ذریعہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں وہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک عیسائی کی بیٹی نے کسی خوش الحان موذن کی آواز سن کر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ایک بد آواز موذن کی اذان سن کر ایسے دین سے توبہ کر لی جس کی اذان ایسی کرخت آواز میں ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ و تہذیب میں لوگوں کا دینی مزاج اس طرح تیار کرنے کی کوئی روایت نہیں ملتی یہ وہی حکمت عملی ہے جو ساٹھ کے عشرے میں عیسائیوں نے اختیار کی تھی کلیسا میں عبادت کے لئے نوجوان لڑکے لڑکیاں نہیں جاتے تھے تو عیسائی راہبوں نے کلیسا کے ساتھ ستے قحبہ خانے [Pub] کھول دیے لیکن اس کا راستہ کلیسا کے اندر سے گزر کر جاتا تھا عیسائی قدامت پسندوں نے اعتراض کیا تو علماء نے جواب دیا کم از کم نوجوان اس راستے سے گزر کر قحبہ خانے جائیں گے تو انہیں کلیسا خدا مریمؑ و عیسیٰؑ تو یاد رہیں گے ہو سکتا ہے اس راستے پر وہ پلٹ آئیں یہ عیسائیوں کی حکمت عملی تو ہو سکتی ہے مسلمانوں کی نہیں افسوس کہ علماء کو اس حکمت عملی کے مضمرات کا اندازہ نہیں ہے۔ ٹی وی بنیادی طور پر بنئے کی دکان ہے جس کا کام سرمایہ داروں کی تیارہ کردہ اشیاء کو اشتہارات کی لیپا پوتی کے ذریعے عوام کو بے وقوف بنا کر بیچنا ہے لہٰذا پرچون کی دکان پر کسی گاہک کو انکار نہیں کیا جا سکتا ورنہ دکان بند کرنا ہوگی یہ ٹی وی جیسے کاروباری ادارے کی ماہیت، حقیقت، اصلیت اور مابعد الطبیعیات کا ثمر ہے کیونکہ ٹی وی اور پرچون کی دکان میں کوئی فرق نہیں دونوں بازار میں اشیاء صرف و ضرورت [consumer goods] بیچنے کے لئے بیٹھے ہیں علم اور اشیائے ضرورت میں بنیادی فرق ہے پرچون کی دکان پر آنے والے ہر گاہک کو دکان والا مطلوبہ اشیاء دے گا اگر مطلوبہ اشیاء نہیں ہیں تو اس کا متبادل دے گا اگر چائے کا ایک برانڈ نہیں ہے تو دوسرا برانڈ دے گا یا بتائے گا کہ اس کا معیار صحیح نہیں ہے ہم نہیں لے رہے یا آج کل مانگ زیادہ نہیں آ رہی وہ کسی نہ کسی طرح گاہک کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے گا گاہک بضد ہوا تو دوسری دکان سے وہ چیز منگوا لے گا لیکن گاہک کو خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا اسے لوٹنے نہیں دے گا اسے اپنا اسیر بنا کر رہے گا۔ لیکن عالم کا کام یہ نہیں ہے استفسارات اور سوالات کا جواب اگر معلوم ہے تو دیا جائے گا اگر توقف ہے تو سائل کو وقت دیا جائے گا کیونکہ ہر سوال محل تحقیق محل تفکر و تدبر و تجزیہ ہے عالم پرچون فروش نہیں ہے کہ جو بھی گاہک آئے اس کے سوال پر ایک پڑیا اسے تھما دے۔ جیسا گاہک ویسی پڑیا کا فلسفہ اقلیم علم میں نہیں چل سکتا علم دکانداری نہیں یہ منصب

انبیاء کی وراثت ہے جہاں خوف، لالچ، حرص، حسد، طمع سے اوپر اٹھ کر حق بات کا بیان ضروری ہے خواہ اس حق کی زد حق بیان کرنے والے پر پڑے اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو فقیہہ امت ہیں اپنے علم عمل تقویٰ حیثیت کے باوجود یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نہیں جانتا اللہ بہتر جانتا ہے اور اس جواب کو نصف علم قرار دیتے ہیں تو کیا امت میں اب کوئی ایسا عالم پیدا ہو گیا ہے جو عبداللہ ابن مسعودؓ سے بڑا عالم ہو جو ہر سوال کا جواب دے سکتا ہو اور کسی سوال کا جواب دینے میں اسے کوئی تردد تامل، تکلف نہ ہو ظاہر ہے یہ ممکن نہیں ہے۔ علماء کی ایک قسم تو وہ ہے جو حق بات کے بیان سے گریز کرتی ہے ایسے علماء کو رسول اللہ نے گونگے شیطان قرار دیا ہے جو کتمان حق کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی سزا جہنم ہے لیکن وہ علماء جو ٹی وی پر آنے کے شوق میں اس امت کی علمی روایت کو مسلسل داغ لگا رہے ہیں دھچکے پہنچا رہے ہیں وہ کبھی سوچیں کہ ٹی وی ذریعہ علم ہے یا ذریعہ جہل۔ رسالت مابؐ نے فرمایا کہ ہر سوال کا جواب دینا پاگل پن ہے۔ حدیث کے الفاظ میں ''جو شخص لوگوں کے ہر سوال کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہے وہ پاگل ہے'' [کبیر] فرمایاؐ نااہل سے علمی گفتگو نہ کرو ورنہ وہ تمہیں کو جاہل کہے گا علم ہو یا دولت تم پر دونوں کے حقوق ہیں [دارمی] عوام کو ان کی عقل کے مطابق مسائل بتاؤ [بخاری] دوسرے لفظوں میں ایسا نہ کر سکو تو خاموشی اختیار کرو کیا ٹی وی پر خاموش رہنا ممکن ہے۔ فرمایا جب تم لوگوں کے سامنے ایسی گفتگو کرو گے جو ان کی عقل کی رسائی سے باہر ہو تو وہ کچھ لوگوں کے لئے فتنہ بن جائے گی [مسلم] ٹی وی پر اس طرح کے سوالات کے جوابات کہ خدا ہے یا نہیں وجود خدا کیسے ثابت ہے صرف فتنہ پردازی کے طریقے ہیں دنیا کے ۹۹٪ لوگ آج بھی وجود خدا کے قائل ہیں لہٰذا اس طرح کے سوالات محض تفریح طبع کے لئے ہیں فرمایاؐ سب سے بڑا عالم وہ ہے جو دوسروں سے بھی علم حاصل کرتا رہے کیونکہ عالم علم کا بھوکا رہتا ہے [موصلی] فرمایا بدترین لوگ وہ ہیں جو شر انگیز مسائل پوچھ کر علماء کو مغالطے میں ڈالتے ہیں [رزین] لیکن وہ علماء جو ان شر انگیز مسائل پر چپ نہیں رہتے توقف نہیں کرتے غور و فکر کی مہلت طلب نہیں کرتے جواب دینے میں عجلت کرتے ہیں تاکہ اپنی عدم واقفیت پر علم کا پردہ ڈال سکیں وہ خود بدترین لوگوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں اور ٹی وی کا کمال یہ ہے کہ وہ ایسے علماء کی تعداد میں کثرت سے اضافہ کر رہا ہے اور اچھے اچھے علماء ٹی وی کے نظام جبر کے سامنے ایسے مجبور و بے بس، بے کس، بے نوا اور بے وفا ہو جاتے ہیں کہ آپ اندازہ نہیں کر سکتے ان کی وفاداری صرف ٹی وی سے باقی رہ جاتی ہے اور ان کا مطمع نظر یہ ہو جاتا ہے کہ یہ آلہ ہماری پہنچ میں رہے تاکہ خیر عوام تک پہنچانے کا ذریعہ محفوظ رہے ختم نہ ہو جائے کیا علماء کرام کو سلف کے واقعات یاد نہیں ہیں ٹی وی پر اجتہاد کرنے اور فتویٰ دینے والوں کو حضورؐ کا یہ ارشاد کیوں یاد نہیں رہتا ''جو شخص تم میں سے فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ دلیر ہے وہ جہنم میں چھلانگ لگانے کے لیے سب سے زیادہ دلیر ہے'' حضرت براء فرماتے ہیں کہ میں انصار میں سے رسولؐ کے ایک سو بیس ایسے صحابیوں سے ملا ہوں جن کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی کہ کاش اس کے بتانے کی ذمہ داری کوئی دوسرا اٹھائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو فرماتے ''خدا کی قسم میں جب تک فتوے کی ذمہ داری سے بچ سکتا ہوں اس وقت تک میں فتویٰ دینے کا خواہش مند نہیں ہوں'' آپ ہی کا ارشاد ہے کہ جو فتویٰ کی ذمہ داریوں سے جتنے ہی زیادہ واقف ہیں وہ اتنے ہی زیادہ خاموش ہیں اور جو اس چیز سے جتنے ہی زیادہ بے خبر ہیں وہ فتوے دینے میں اتنے ہی زیادہ بے باک ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کا ماخذ وہ ارشاد رسالت مآب ہے ''جو چپ رہا وہ نجات پا گیا'' خاموش رہنے والا ایک بہت بڑی ذمہ داری سے بچ جاتا ہے لیکن ہر موقع پر اپنے علم، تفقہہ اور مطالعے کو ظاہر کرنے کے لئے بے دھڑک منہ کھولنے والا بہت بڑی ذمہ داری اٹھا لیتا ہے دوسری جانب رسالت مآبؐ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ جو عالم کسی مسئلے کو جانتا ہوا اچھی طرح سے سمجھتا ہو لیکن احقاق حق اور ابطال باطل میں مداہنت کرتا ہو چپ رہتا ہو اس کی نجات ممکن نہیں وہ گونگا شیطان ہے جسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی المیہ یہ ہے کہ عہد حاضر میں گونگے شیطان بھی بڑھ رہے ہیں اور چپ رہنے والے بھی مسلسل کم ہو رہے ہیں حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں فقہاء کا یہ حال تھا وہ جب تک فتویٰ دینے کی ذمہ داریوں سے بچ سکتے تھے اس وقت تک فتویٰ دینے سے گریز کرتے تھے صرف اس صورت میں یہ بار گراں

اٹھاتے جب اس کے لیے بالکل ہی مجبور ہو جاتے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تم لوگ ہم سے فتویٰ پوچھتے ہو اور ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ کاش ہم سے فتویٰ نہ پوچھا جاتا حضرت امام مالکؒ کے متعلق منقول ہے کہ ان سے جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو وہ اس کا جواب اس طرح ڈرتے ہوئے دیتے گویا جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں یہ واقعہ بھی امام مالکؒ سے منسوب ہے کہ ایک شخص چھ سو میل کا سفر طے کر کے ایک مسئلہ معلوم کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کہا میں نے اس مسئلے پر غور نہیں کیا اس شخص نے کہا حضرت آپ اتنے بڑے عالم ہیں آپ کا شہرہ پورے عالم میں ہے میں اس قدر مشقت جھیل کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں تو آپ نے سائل کو دوسرے عالم کے پاس بھیج دیا کہ اس سے رجوع کرو کیا ٹی وی پر آنے والے مولوی اور علماء ٹی وی کے نظام جبر کے تحت جناب حضورؐ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ارشادات پر عمل کرنے کے قابل رہ سکتے ہیں لہٰذا ٹی وی پر آ کر جہالت پھیلانا اور امت کی روایت علمی سے انحراف کرنا ٹی وی کے نظام جبر کا ثمر ہے پھر بھی بعض علماء یہ سوال کرتے ہیں کہ ٹی وی پر آنے میں کیا حرج ہے؟۔ ٹی وی ایک پرزہ، ہتھیار، پیمانہ، آلہ، غیر اقداری شئے [value nutral thing] نہیں ہے جیسے چھری چاقو یا تلوار یہ ایک اقداری ہتھیار ہے [value loaded weapon] یہ صرف ایک ایجاد نہیں یہ ایک نظام ہے اس نظام کو سمجھے بغیر اس کی مابعد الطبیعیات سے واقفیت کے بغیر صرف جذباتی نعروں اور خیالی دعووں کے ذریعے ٹی وی کی عظمت کے گن گانے والے جہالت کے پردوں میں محصور مقید و محدود ہیں ٹی وی صرف ایک کھلونا نہیں یہ ٹرائے [troy] کا گھوڑا ہے جو بہ ظاہر لکڑی کا گھوڑا تھا اس گھوڑے کو کھلونا سمجھ کر اپنے قلعے میں لے جانے والوں پر کیا قیامت گزری اس کی تفصیل تاریخ کے اوراق میں پڑھیے۔ ''یونانیوں نے طویل عرصے تک ٹرائے [Troy] والوں کا محاصرہ کئے رکھا اپنی تمام تر طاقت و قوت کے ساتھ بار بار ان پر حملہ آور ہوئے مگر ٹروجانز [Trojans] کی دلیری، عزم و ثبات، کے سامنے انھیں بار بار پسپا ہونا پڑا آخر کار یونانی ہمت ہار بیٹھے اور انھوں نے محاصرہ اٹھا لینے کا فیصلہ کیا عین اس وقت لشکر کے چند ذہین آدمیوں نے کاٹھ کا ایک ایسا گھوڑا تیار کیا جو اندر سے بالکل کھوکھلا تھا اس میں بہترین جانبازوں کو چھپا دیا گیا اور باقی فوج قریب کے ویرانوں میں اس طرح منتشر ہوگئی گویا کہ اب وہاں سوائے لکڑی کے گھوڑے کے اور کوئی چیز موجود نہ تھی ٹروجانز جب صبح سویرے اٹھے تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی کہ محاصرہ ختم ہو گیا ہے اور یونانی پسپا ہو گئے ہیں وہ سرشاری کے عالم میں قلعے سے باہر نکلے تو اس عجیب و غریب گھوڑے کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس دلچسپ مفید اور کارآمد کھلونے کو قلعے کے اندر لے جانا چاہیے یہ فیصلہ کرتے ہوئے انھیں مطلق یہ احساس نہ تھا کہ جس چیز کو وہ دلچسپ اور اپنے حق میں نفع بخش خیال کر رہے ہیں یہ کھلونا ان کے لیے کتنا مہلک، خطرناک، ہلاکت خیز، تباہ کن ثابت ہوگا اس کھلونے کے اندر کس قسم کے جارحانہ عزائم چھپے ہوئے ہیں وہ اپنی حماقت سے اپنی قبر کھودنے کے لئے اس کھلونے کو قلعے کے اندر لے آئے جب یہ گھوڑا اندر آ گیا تو عورتیں بچے بوڑھے اسے فتح کی علامت، یونانیوں کی پسپائی و رسوائی کی داستان سمجھ کر اس کے ارد گرد ناچنے لگے، رنگ رلیوں اور شراب میں بدمست ہو کر جب اہل قلعہ بے سدھ ہو گئے تو گھوڑے کے اندر چھپے ہوئے یونانی سپاہی موقع غنیمت جان کر تلواریں سونت کر بپھرے ہوئے شیروں کی طرح قلعہ کے محافظوں پر ٹوٹ پڑے اس کے بعد قلعے کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیے گئے۔ یونانی فوج کے وہ دستے جو ارد گرد جنگلوں میں منتشر چھپے ہوئے تھے اشارہ پاتے ہی یلغار کرتے ہوئے آئے اور للکارتے ہوئے آن کی آن میں قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اس طرح وہ کام جسے سر انجام دینے کے لیے بڑی سے بڑی قوت بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تھی اسے عیاری، چالبازی سے بنائے گئے ایک کھلونے خوبصورت گھوڑے کاٹھ کے ٹکڑے نے ممکن بنا دیا۔ انیسویں صدی میں مغرب جب نو آبادیات سے پسپا ہوا ہے تو خواہ مخواہ پسپا نہ ہوا۔ وہاں اسے مقامی ایجنٹ مل گئے جو اس کی غلامی پر بخوشی و وفاداری کے ساتھ آمادہ تھے آزاد ہونے والی قوموں کو یہ ایجنٹ آزادی کے ہیرو کے طور پر سونپ دیے گئے اور مغرب تہذیبی و ثقافتی اور ابلاغی انقلاب بنیادی حقوق کے فلسفے اور ٹی وی کے ذریعہ دنیا بھر پر مسلط کر دیا گیا لہٰذا اب قوموں کو غلام رکھنے کے لیے سامراجی فوج کی ضرورت نہیں اس کی فوج اس کے سپاہی اس کی عساکر اس کے لشکر اس کی یلغار اس کی للکار

اس کے حربے ہتھکنڈے طریقے حیلے بہانے بنیادی حقوق کے طوطے اور ٹی وی کے کھلونے میں چھپے ہوئے ہیں اور پوری ملت اسلامیہ اس کھلونے کے گرد ناچ رہی ہے اسے ترقی قرار دے رہی ہے اور اس کھلونے سے دشمنوں کو فتح کرنے کے منصوبے بنا رہی ہے۔ تبلیغ دین کے لیے تبلیغ کے طریقے کی بھی اہمیت ہے تبلیغ کیسے کی جائے؟ کہاں کی جائے؟ کسے کی جائے؟ کس طرح کی جائے؟ کس وقت کی جائے مخاطب کی سطح کو کیسے ملحوظ رکھا جائے ہر بات ہر کسی سے نہ کی جائے مخاطب کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے [ٹی وی میں یہ فرق برقرار رکھنا ممکن نہیں مقرر یہ سمجھتا ہے کہ تمام سامعین کی ذہنی سطح یکساں ہے] انبیاء کا طریقہ فرد سے خطاب ہے۔ جدید ابلاغیات کے نظریات میں Inter personal Communication theory] سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ فرد سے ملاقات فرد سے رابطہ فرد کے دروازہ دل پر دستک دینے سے فرد میں کیا تبدیلی آتی ہے اور ٹی وی ملٹی میڈیا اخبارات، پمفلٹ، کتاب، پوسٹر، ہینڈ بل، کیسٹ ویڈیو کے ذریعہ تبلیغ دین میں کیا کیا مشکلات، رکاوٹیں اور موانع ہیں اس کی چھوٹی سی مثال تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، دعوت اسلامی، تنظیم اسلامی، اسلامک سرکل نارتھ امریکہ، دانش سراء، وغیرہ کی ابلاغی اور ثقافتی حکمت عملی کے تقابلی مطالعے سے واضح ہوسکتی ہے۔ جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی، اسلامک سرکل نارتھ امریکہ، دانش سراء، جدید سائنس وٹیکنالوجی سے حاصل ابلاغی انقلاب کے ذریعے لوگوں تک پہنچے اور انبوہ کثیر کو اس ذریعے سے انھیں جمع کرنے کو عین اسلامی انقلابی دینی رویہ سمجھتے ہیں لیکن سب سے کم حاضری ان اداروں کے سالانہ اجتماعات میں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دعوت اسلامی اور تبلیغی جماعت جدید سائنس وٹیکنالوجی کے کسی مظہر سے استفادہ نہیں کرتی وہ انبیاء کرام کے طریقہ تبلیغ یعنی فرد سے رابطہ، فرد سے خطاب فرد کی تبدیلی پر یقین رکھتی ہے وہ ٹی وی، میڈیا، پمفلٹ، ہینڈ بل، پوسٹر ملٹی میڈیا ویڈیو فلم، کسی ذریعے کو تشہیر تبلیغ تدریس تعلیم کے لیے استعمال نہیں کرتی لیکن دنیا میں حج کے بعد سب سے بڑا اجتماع تبلیغی جماعت کا ہوتا ہے اور دنیا کے ہر ملک میں یہ اجتماع سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ یہ صرف اور صرف انبیاء کرام کے اس طریقہ تبلیغ کی پیروی اور تقلید کا ثمر ہے جو لوگ میڈیا کے کمالات اور فوائد کی باتیں کرتے ہیں وہ صاف لفظوں میں بتا دیں کہ آخر میڈیا پر ایمان رکھنے والی دینی جماعتیں اپنے سالانہ اجتماع میں کروڑوں روپے خرچ کرنے کے باوجود ایک لاکھ آدمی بھی کیوں جمع نہیں کرسکتیں اور تبلیغی جماعت ایک پیسہ خرچ کئے بغیر پچاس ساٹھ لاکھ آدمی کیسے جمع کر لیتی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود میڈیا کے قصیدے پڑھنے والے دراصل عقل سے محروم لوگ ہیں جو تبلیغی جماعت کی حکمت عملی پر غور کرنے کے بجائے مغرب کی اندھی پیروی میں میڈیا ٹیکنالوجی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ہمارے محترم ومکرم بزرگ احمد جاوید صاحب تو فرماتے ہیں کہ ٹی وی عہد حاضر کا مفتی اعظم ہے۔ کیا دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا مفتی اعظم پیدا ہوا ہے جس کے یہاں تصور حقیقت، تصور خیر وشر ہر لمحہ بدلتا رہتا ہو اور جس کی مابعد الطبیعیات محض American Pregmatism ہو اور ایسے بدکردار، بے ضمیر، بد باطن، بے دین کو مفتی اعظم کے درجے پر فائز کیا جائے اور ہمارے علماء ٹی وی کو مفتی اعظم تسلیم کر لیں۔۔ دین کے ماخذ چار ہیں قرآن وسنت اجماع قیاس لیکن ٹی وی پر دین کے ماخذ صرف دو رہ جاتے ہیں۔ یہ دو ماخذ بھی شو بزنس کے علم سے متعلق ہیں یعنی اسلامی موضوعات پر بولنے والے مقرر کا انداز بیان [Style of Talking] اور گفتگو میں بے پناہ اعتماد [Confedence] جو شخص بھی لچھے دار گفتگو کرنے کا ماہر ہو اپنے جہل پر نہایت اعتماد کے ساتھ قائم ہو کر گفتگو کر رہا ہو وہی کامیاب مقرر قرار پاتا ہے، کسی شخص کے علم وجہل کا تعین نہ اس کے انداز بیان سے ہوتا ہے نہ اعتماد سے اس کا تعلق علم اور اس کے دلائل سے ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ کہ کس کا علم اور دلیل وزنی ہے عوام کا کام نہیں علماء کا کام ہے تاریخ میں پہلی مرتبہ عوام یہ بتا رہے ہیں کہ عالم کون ہیں جو چرب زبان اور پُر اعتماد ہے وہی جاہل سب سے بڑا عالم ہے۔ جاہلوں کو ان کی فنکاری کی بنیاد پر عالم ثابت کرنا ٹی وی کا کمال ہے۔ ٹی وی کے عوامی سروے بتاتے ہیں کہ کون سا عالم بڑا عالم ہے کیونکہ کسی آدمی کے بڑے ہونے کا سرمایہ دارانہ طریقہ] یہ ہے کہ اسے کتنے عوام پسند کرتے ہیں اور اس پروگرام کو کتنے ادارے اشتہارات دیتے ہیں لہٰذا ٹی وی کے جس دینی پروگرام کو زیادہ کاروبار ملے اور جس پروگرام پر عوام کا ردعمل سب سے زیادہ آئے وہی اصلی اور حقیقی عالم ہے اور وہی پروگرام اصلی دینی پروگرام ہے۔ اس جہالت کو عام کرنے کا کام ٹی وی کرتا

ہے اور ہمارے بعض علماء اس جہالت میں حصہ دار بن جاتے ہیں۔تبلیغ تعلیم اور دین کی تدریس تاریخ میں کبھی اس طرح نہیں ہوئی کہ انسان حواس خمسہ کے بجائے صرف دو حواس یعنی سماعت اور بصارت سے کام لے۔ٹی وی دیکھنے میں صرف دو حواس کام کرتے ہیں تین حواس معطل ہو جاتے ہیں۔تبلیغ، تعلیم، تدریس کے عمل میں کبھی یہ نہیں ہوا کہ مخاطب بولنے والے سے براہ راست تعلق نہ رکھے اور اس سے براہ راست سوال نہ کر سکے۔اس عمل میں کبھی یہ موقع نہیں آیا کہ سننے والا پیر پھیلا کر بیٹھا ہوا ہے، بستر پر لیٹا ہوا ہے، کھانا کھا رہا ہے، چائے پی رہا ہے، باتیں کر رہا ہے، ٹیلی فون سن رہا ہے، دنیا کا ہر کام کر رہا ہے اور دینی پروگرام بھی سن رہا ہے۔ارتکاز توجہ کے بغیر نہ دین ملتا ہے نہ دنیا۔اگر کوئی شخص دنیا یا دین دونوں میں سے جو کچھ حاصل کرنا چاہے اس کے حصول کی خاطر کچھ نہ کچھ دیر کے لیے دنیا ترک کرنی پڑتی ہے۔تبلیغ و تدریس و تعلیم کے دوران خواہ وہ دین کی ہو یا دنیا کی طالب علم کو اس مختصر عرصے کے لیے دنیا کے علائق سے قطع ترک کرنا پڑتا ہے۔اسکول میں تعلیم کے دوران بات کرنے، کھانے پینے، فون سننے کی اجازت کیوں نہیں ہوتی، لیکن ٹی وی سے دینی پروگرام جب نشر ہوتے ہیں تو کیا سننے والا اس حالت میں ہوتا ہے کہ وہ اس فیض سے اثر حاصل کر سکے، کیا دینی پروگرام کے وقت تمام ناظرین یقیناً دینی پروگرام دیکھتے ہیں اور مسلسل دیکھتے ہیں یہ بھی محض مفروضات ہیں جو ٹی وی کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے گھڑے گئے ہیں ٹی وی ایک ایسا نظام ہے جس کا مقصد تعلیم تدریس تبلیغ تلقین تطہیر نفس نہیں بلکہ پرستش نفس اور پرستش غضب و شہوت حرص و حسد و ہوس کے لئے صنعتی اداروں کی اشیاء کی فروخت ہے جو اشتہارات کے ذریعے ممکن ہے اصلاً و عملاً ٹی وی مشتہرین [Advertisers] کے دھندے کو پھیلانے اور عوام میں قابل قبول بنانے کا دھندہ ہے جو اسے علم دین کی اشاعت کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ نادان ہیں ٹی وی علم اور دین کے ذریعے بھی دھندہ کرنے، کاروبار پھیلانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا لہٰذا رمضان میں دینی پروگرام پیش کر کے مال بناتا ہے۔ٹی وی پر جاوید غامدی فروخت ہوتے ہیں اگر دیو بندی، اہل حدیث و بریلوی عالم اپنے آپ کو اس کام کے لیے پیش کرنا چاہے تو ٹی وی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن ٹی وی پر پروگرام آپ کی مرضی کا نہیں ہوگا۔ٹی وی والا آپ کو وہی موضوع دے گا جس کو وہ درست سمجھیں گے۔آپ تو صرف ان کے حکم کی تعمیل کریں گے۔علماء کو ٹی وی والے بتائیں گے کہ آپ کو کس موضوع پر بولنا ہے کب تک بولنا ہے کس اشتہار پر وقفہ کرنا ہے اور کب کہنا ہے کہ آئیے اب ہم وقفہ لیتے ہیں۔کن مصنوعات کو فروخت کرنے کے لیے آپ کو اور آپ کے پروگرام کو استعمال کیا جائے گا اس سارے عمل میں آپ کی حیثیت کیا ہے آپ کہاں کھڑے ہیں؟ کیا آپ ایک تابع مہمل کے سوا کچھ ہیں؟ یہ بات علماء طے کریں گے کہ عوام کو کیا بتانا ہے یا ٹی وی کے جہلاء اشیاء کی فروخت کے دھندے کے بارے میں ٹی وی والے علماء کو بتائیں گے کہ دینی پروگرام میں ہم تجارتی اداروں کے اشتہار کس طرح چلائیں گے اس کا نام ہے دینی پروگرام۔اگر ٹی وی کو پتہ چل جائے کہ کسی عالم یا کسی عابد زاہد کے سامعین کی تعداد زیادہ ہے تو اس کے نام پر بھی ٹی وی والے اشتہارات کا دھندہ شروع کر دیتے ہیں ٹی وی پر یا اشیاء فروخت ہوتی ہیں یا انسان فروخت ہوتے ہیں۔اس کے سوا ٹی وی کوئی اور کام نہیں کرتا اس فروخت کے عمل کو تعلیم، تدریس، تربیت سمجھنا ہماری جہالت ہے دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ علم مصنوعات کی اشتہار بازی کے ذریعے عام کیا جائے اور تعلیم و تدریس سے پہلے یا اس کے بعد یا اس کے دوران وقفے وقفے سے تعلیم و تدریس کا عمل روک کر لوگوں کو اشتہارات دکھائے جائیں اس قسم کے پروگرام سے کوئی سنجیدگی، وقار، علمیت نہ پھیل سکتی ہے نہ پھول سکتی ہے یہ علم کو پراگندہ کرنے آوارہ بنانے، چھچھورپن کی سطح پر لے جانے، اس کے وقار کو ختم کرنے اس کی اہمیت کو کم کرنے اور اسے لفنگے پن کے عمل کا حصہ بنا دینے کی کوشش ہے، اور نہایت کامیاب کوشش۔مثلاً ٹی وی پر اور اخبارات میں جیو کا ایک اشتہار شائع ہوا جس میں مفتی رفیع عثمانی صاحب کی تصویر کے بالکل برابر ایک ماڈل گرل کی تصویر دکھائی جا رہی تھی ٹی وی بنیادی حقوق کے ڈھانچے [Frame work] میں چلتا ہے اور اس منہاج علم میں مفتی رفیع عثمانی اور ماڈل گرل میں کوئی فرق نہیں دونوں انسان ہیں برابر ہیں آزاد ہیں اور اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے کسی حکم کے پابند نہیں۔کیا یہ قابلِ قبول صورتِ حال ہے کیا دین اور عالم دین اسی کام کے لئے رہ گئے تھے۔حصول علوم خواہ وہ دینی ہو یا لادینی اس کا ایک خاص طریقہ ہے، اس طریقے کو

اختیار کیے بغیر نہ دین ملتا ہے نہ دنیا ملتی ہے، اسی لیے دنیا بھر میں Virtual Universities کا تجربہ شدید ناکامی کا شکار ہوا ہے۔ تعلیم کبھی فاصلاتی طریقے سے حاصل نہیں کی جاسکتی علم کا حصول استاد کی صحبت، نظر، عطا کے بغیر ممکن نہیں ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے بھی حصول علم کے تجربے کامیاب نہیں ہوسکے جب دنیاوی علم material knowledge ٹی وی، ویڈیو سے حاصل نہیں ہوسکتا تو اسے دینی تعلیم کے فروغ کا ذریعہ سمجھنا محض طفلانہ نقطہ نظر ہے دین سیکھنے یا سکھانے سے آتا ہے یا تو کوئی خلوص سے سیکھنا چاہے یا کوئی خلوص سے سکھانا چاہے اس دوطرفہ عمل میں فریقین کے اندر کسی ایک فرد کا مخلص اور محنتی ہونا ضروری ہے مشہور واقعہ ہے کہ ایک بزرگ مسلمانوں کو برباد کرنے والے منگول بادشاہ کے خیمے میں غلطی سے چلے گے وہ عیش ونشاط میں مشغول تھا ان کی آمد اسے سخت ناگوار گزری غصے میں اس نے اپنے کتے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بزرگ سے طنزیہ یہ سوال کیا یہ بتاؤ کہ تم اچھے ہو یا یہ کتا تم سے اچھا ہے؟ بزرگ نے عجیب و غریب جواب دیا اگر میرے اعمال میرے رب کی رضا کے مطابق ہیں تو یقیناً میں اس کتے سے اچھا ہوں لیکن اگر میں اپنے آقا کا وفادار غلام نہیں اور میرے اعمال اس کے احکام ومرضی کے مطابق نہیں تو روئے زمین پر میں اس کتے سے بدتر مخلوق ہوں یہ الفاظ سنتے ہی بادشاہ کے قلب ونظر کی دنیا بدل گئی اس نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ دین اسلام قبول کرلے اگر یہ واقعہ ٹی وی پر دکھایا جائے تو اس میں سمع و بصر کے سوا کوئی حس حصہ نہیں لے گی لہٰذا اس گفتگو کا اثر ناظرین محسوس ہی نہیں کرسکتے اسی لئے بہت سے واعظ، گفتگو اور تقریریں جو بہت عمدہ ہوتے ہیں جب کیسٹ اور ٹی وی پر ریکارڈ کر کے سنے جاتے ہیں تو وہ نہایت کمزور اور بے اثر لگتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ گفتگو کرنے والے کی شخصیت اپنے وجود اور روحانیت کے ساتھ آپ سے مکالمہ کرتی ہے اور آپ خود بھی اپنے حواس خمسہ، عقل، وجدان، جذبات، احساسات، میلانات، روح کے تاروں اور دوسری تمام خصوصیات کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوتے ہیں لہٰذا اس اثر کا ابلاغ ٹی وی کیسٹ وڈیو سے نہیں ہوسکتا یہ تو صرف زندہ صحبت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ جو شخص دین سیکھنے کے لیے محنت نہیں کرنا چاہتا اور جو عالم دین سکھانے کے لیے مشقت پر آمادہ نہیں دونوں دنیا کے محروم ترین انسان ہیں۔ دین، علم، تعلیم، کیپسول نہیں ہے کہ اسے دے دیا جائے یہ پڑیا نہیں ہے کہ پھانک لی جائے تو مسئلہ حل ہوجائے گا دین کے حصول کا طریقہ بھی ہے دین سیکھنے کے لئے وقار اور صبر ضروری ہے ایک شخص جو پہلو بدل بدل کر چینل بدل رہا ہے چائے پیتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں سوال آیا اس نے فون اٹھایا اور عالم آن لائن سے سوال کرلیا۔ یہ درست طریقہ نہیں، سوال، استفسار اور اعتراض میں بھی فرق ہے سائل کون ہے مقصد حصول علوم یا محض تفریح اس کا اندازہ اس وقت ہوگا جب پیاسا کنویں کے پاس آئے جب کنواں پیاسے کے پاس جا کر اسے زبردستی سیراب کرنے لگے تو یہ افسوسناک صورت حال ہوگی۔ دنیا کی اکیس تہذیبوں میں کبھی نہ اس طرح دینی علم کی اشاعت ہوئی نہ دنیاوی علم پھیلا علم کے حصول کے لئے یا تو سائل کو آنا ہوگا یا عالم کو لوگوں تک پہنچنا ہوگا جس طرح تبلیغی جماعتیں دنیا کے کونے کونے تک دین کی اشاعت کے لئے جاتی ہیں لوگوں کو مسلمان رکھتی ہیں اور مسلمان کرتی ہیں ٹی وی کے ڈبے میں ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھ کر بن سنور کر دین کا ابلاغ عہد جدید کی بدعت ہے جو روایت کے ملبے پر کھڑی ہے ٹی وی ایسے محروم عقل اور محروم دین لوگوں کی فوج پیدا کر رہا ہے۔ دین و دنیا مشقت سے ملتے ہیں دین حاصل کرنے والے کو بھی مشقت اٹھانی پڑے گی اور دین پہنچانے والے کو بھی مشقت کرنا ہوگی۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک بٹن دبا کر علم مل جائے ایسا ہوسکتا تو تمام اسکول کالج یونیورسٹیاں بند کردی جائیں، ٹی وی کے ذریعے تعلیم دے دی جائے لیکن ایسا کیوں نہیں ہو رہا ہے۔ پھر اہل دین دین کو اس شرانگیز ذریعے سے دین پہنچانے کے لیے کیوں آمادہ ہیں؟ ذریعے طریقے وسیلے اور طریقہ کار کی اہمیت مقصد کے ساتھ ساتھ مسلم ہوتی ہے۔ مقصد اچھا ہو ذریعہ اچھا نہ ہو، یا ذریعہ اچھا ہو اور مقصد اچھا نہ ہو تو دونوں کام شریعت کی نظر میں باطل ہوں گے۔ فجر کی نماز طلوع آفتاب سے پہلے ادا ہوگی۔ حج میں سفید احرام پہنا جائے گا، روزے رمضان میں ہی رکھے جائیں گے، ایام حج میں مباشرت نہیں ہوگی، قربانی عیدالضحیٰ پر ہوگی، عیدالفطر پر نہیں ہوگی۔ اچھے کام اسی طرح سے ہوں گے جو طریقے بتائے گئے ہیں اس لیے حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبیداللہؓ نے جوش انتقام میں حضرت عمرؓ کے قاتل ہرمزان کو قتل کردیا تو حضرت عثمانؓ نے اس کے

قصاص میں ابن عمرؓ کے قتل کا حکم جاری فرما دیا۔امت کے لیے بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ایک طرف حضرت عمرؓ کی شہادت کا سانحہ دوسری طرف آپ کے بیٹے کا قصاص میں قتل، دوسری قیامت تھی امت غم سے نڈھال تھی لیکن کسی کی جرأت نہ تھی کہ وہ قصاص کے قانون کو معطل کر دے۔اگر ہرمزان حضرت عبیداللہؓ کے ہاتھ قتل نہ کیا جاتا تب بھی آخر کار قتل ہوتا لیکن شریعت کو اور مسلمانوں کی جمعیت، حمیت، غیرت کو یہ گوارا نہ تھا کہ قرآن حکیم اور سنت رسول کریم نے قصاص اور قتل کے لیے جو طریقہ قیامت تک کے لیے طے کر دیا اس کے برعکس طریقہ اختیار کیا جائے۔لہٰذا حضرت عثمانؓ نے قصاص ہرمزان کا حکم دے کر قیامت تک کے لیے طے کر دیا کہ قتل کا فیصلہ کوئی فرد نہیں کرسکتا۔یہ باب قضاء کا مسئلہ ہے جو عدالت اور خلیفہ وقت کا استحقاق ہے۔کسی فرد کو عظیم سے عظیم کار خیر انجام دینے کی اجازت انحراف شریعت کے ذریعے نہیں دی جاسکتی۔شریعت ہمیشہ شرعی طریقوں سے نافذ ہوگی۔''زنا کاری کی سزا کے سلسلے میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں اور چار گواہوں کی شرط بھی عائد کر دی گئی تو حضرت سعد بن عبادہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا گواہوں کی شرط لازمی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ اللہ کا حکم ہے''، انہوں نے کہا: یارسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں سے اپنی بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ لے تب بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں تب بھی''، سعد بن عبادہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ میری غیرت تو اسے برداشت نہ کرے گی رسول اللہؐ نے فرمایا ''سعد بن عبادہ اللہ کا رسول تم سے زیادہ غیرت مند ہے اور اس کا اللہ اس کے رسول سے زیادہ غیرت مند ہے''۔اس مکالمے میں رسالت مآبؐ نے قیامت تک کے لئے ایک اصول طے کر دیا کہ شریعت جس کام کا حکم جس طریقے سے دے گی اس طریقے سے کسی صورت میں انحراف جائز نہیں خواہ تمہاری غیرت، حمیت، تمہیں کتنا ہی اکسائے کیا اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ کوئی شخص دین کے معاملے میں غیرت مند ہوسکتا ہے لہٰذا اپنے جذبات، نفسانی خواہشات، اپنی امنگوں اور آرزووں کو دین کے تحفظ کے نام پر دین سے انحراف کے لئے استعمال کرنا خواہ یہ انحراف نادانستہ ہی کیوں نہ ہو گمراہی ہے اور صرف اخلاص غیرت اور جوش ایمانی کی بنیاد پر یہ گمراہی معاف نہیں کی جاسکتی ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ رسول جس سے روکے رک جاؤ ورنہ ایمان کس بات کا ہے؟ اسلام کبھی غیر اسلامی طریقوں سے نافذ نہیں ہوسکتا۔ایسی ہر کوشش جو اسلام کے منصوص طریقے کے خلاف ہو وہ ضلالت، بدعت، جہالت، گمراہی، طغیان اور عصیان کے سوا کچھ نہیں ہے۔ٹی وی پر علماء کے آنے کے مقاصد خواہ کتنے ہی نیک، عمدہ، صالح، مطہر، منزہ، مصفّٰی، مشرع کیوں نہ ہوں اس کے نتائج ہمیشہ وہی ہوں گے جو حضرت عبیداللہؓ بن عمرؓ کے اس اقدام کے ہوئے اور انھیں قصاص میں قتل ہونے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا پڑا۔صحیح کام غلط طریقے سے ہو تو وہ یکسر، مطلق، قطعاً غلط ہو جاتا ہے۔اس سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے اور صحیح کام صحیح طریقے سے ہو تو اس میں برکت پیدا ہو جاتی ہے جس طرح قصاص ہرمزان کے واقعے میں ہوا۔جب قصاص لینے والے نے اسلام کے اس عظیم عدل و انصاف کا منظر دیکھا کہ امت کے جلیل القدر خلیفہ حضرت عمرؓ کی شہادت پر سوگوار امت اور شہید کا خاندان اور امت کے غم میں اپنی شریعت پر عمل کرتے ہوئے ایک اور غم کا اضافہ کرنے کے لیے بخوشی میدان قصاص میں کھڑی ہے۔لوگوں کی سانسیں رکی ہوئی ہیں۔حضرت عمرؓ کے گھر والوں کی کیا حالت ہوگی؟ لیکن مدینۃ النبیؐ میں کوئی ایک شخص ایک صحابی ایسا نہیں ہے جو قصاص کی اس سزا کو ملتوی کرنے کا مطالبہ کر رہا ہو۔طبری میں درج ہے کہ بہت سے صحابہ نے ہرمزان کے بیٹے سے کہا کہ تم دیت لے لو لیکن وہ قصاص لینے پر مصر رہا وہ بار بار حضرت عثمانؓ سے پوچھتا رہا کہ واقعی میں قصاص میں عبیداللہ بن عمر کو قتل کرسکتا ہوں اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ تاریخ کے عظیم ترین شخص کے قاتل کو قتل کرنے والا کیسے مجرم ہوسکتا ہے؟ یہ کیسی شریعت ہے جو اپنے ہی خلیفہ کے بیٹے کو بظاہر ایک معمولی سی غلطی یعنی وقت سے پہلے قاضی کی اجازت کے بغیر قاتل کو قتل کرنے پر شہید خلیفہ کے بیٹے کو قصاص میں قتل کرنے پر آمادہ ہے۔سارا مسئلہ طریقہ کار [Procedure] کا تھا دین اپنے طے شدہ طریقہ کار ضابطے [Code] قاعدے [rules]، طریقے [Regulation] کے ذریعہ نافذ ہوگا دین کے ابلاغ کے لئے دینی مصالح اور اصولوں کو پامال کرنا شریعت نہیں جدیدیت ہے واقعہ عبیداللہ بن عمرؓ اس بات کا اعلان عام ہے کہ دین کی اخلاقی شہادت تاریخ کی سب سے بڑی شہادت اور سب سے بڑی سچائی ہوتی ہے۔یہ کام خلافت راشدہ ہی کرسکتی تھی

اوراس نے کر کے دکھا دیا۔اس لیے علماء کرام کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اگر مقاصد نیک بھی ہوں تب بھی ان مقاصد کے حصول کے لیے جب تک نیک ذرائع اختیار نہ کیے جائیں دین کو کبھی غلبہ نصرت اور اخلاقی فتح حاصل نہیں ہوسکتی۔ٹی وی کی اصل حقیقت اس کی مابعد الطبیعیات،اس کے مقاصد،اس کی اندرونی ہیئت،اورخباثت سے فلسفیانہ سطح پر واقفیت رکھتا ہو وہ ٹی وی سے خیر کی توقع نہیں رکھ سکتا ٹی وی اگر آپ کو دین بیان کرنے کا موقع دیتا ہے تو آپ سے بہت کچھ چھین بھی لیتا ہے ٹی وی پر جانا ایسا ہی ہے جیسے ایک دیندار آدمی گزشتہ صدی میں غلطی سے لکھنو کے ایک طوائف کے کوٹھے پر تبلیغ دین کے لئے چلے گئے مجرے کے اختتام کے بعد طوائف نے پیسوں کا مطالبہ کیا۔انھوں نے بتایا کہ وہ تو صرف دین کی دعوت دینے حاضر ہوئے تھے طوائف نے کہا لیکن آپ نے مجرے سے بھی تو استفادہ کیا ہے۔ حضرت کی جیب میں چار آنے تھے اس کی خدمت میں چار آنے پیش فرمائے اس نے کہا آٹھ آنے دو تو کہا بقیہ چار آنے کا مولود شریف سن لو ٹی وی پر آنے والوں کے تعلقات کی نوعیت اس ادارے سے کم وبیش یہی ہوتی ہے ٹی وی کسی بزرگ اہل اللہ کی قبر نہیں ہے جس کے بارے میں حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا تھا کہ لوگ اہل اللہ کی قبر پر جاتے ہیں تو شرک کرتے ہیں اور اپنا ایمان گنوا کر آتے ہیں میں وہاں جاتا ہوں تو اپنے ایمان میں اضافہ لے کر آتا ہوں ٹی وی پر تو جانے والا اپنی دینی عزت حمیت غیرت سب کچھ گنوا دیتا ہے تب بھی دین کا ابلاغ نہیں ہوتا اور ٹی وی سے جو دین پھیلتا ہے وہ بے دینی میں اضافے کا ہی ذریعہ بنتا ہے ذریعے کی بحث سب سے اہم بحث ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جس دین نے اس شخص کی شہادت قبول نہیں کی جو بازاروں میں سرعام کھاتا پیتا ہوا پایا جائے تاکہ شاہد کے درجۂ ثقاہت کا اندازہ ہو اس دین کے وارث علماء ٹی وی میں میزبان عورتوں کے کمرے میں انتظار فرماتے،حسب ضرورت میک اپ کرواتے،کئی کئی گھنٹے ریکارڈنگ کے لئے انتظار فرماتے اور رنگین کپڑے پہن کر جاتے ہیں۔ٹی وی کے کیمرے کے لئے صرف سفید لباس نا قابل قبول ہے اس لئے ٹی وی والے مشورہ دیتے ہیں کہ سفید کپڑے پر رنگین واسکٹ پہنو یا اسکرین رنگین لگایئے اس کے کیمرے کو رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ رنگ بھی پسند نہیں ہے رنگینی کے بغیر ٹی وی کا کام ہی نہیں چلتا اور رنگینی کا دین سے کوئی تعلق نہیں دین سنجیدگی،بردباری،وقار،تحمل،نفاست کے بغیر عام نہیں ہوسکتا دین پہنچانے اور تیل فروخت کرنے میں فرق ہے ٹی وی دونوں کاموں کو یکساں سطح پر پہنچا دیتا ہے۔نیکی بدی کے ذریعہ غالب نہیں ہوسکتی۔کیا ٹی وی کو کوئی شخص شریفانہ،نیک،صحیح ذریعہ سمجھ سکتا ہے؟ ٹی وی کیوں ایجاد ہوا؟ اس کی مابعد الطبیعیات کیا ہے اس کے مقاصد کہاں سے آتے ہیں کون طے کرتا ہے اس کا مقصد صرف مال سے مال کمانے کے سوا کچھ اور ہے اگر ان سوالوں پر علماء کرام غور فرمالیں تو انہیں اس دھوکے کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ٹی وی پر درس قرآن یا دینی پروگرام سے پہلے اور اس کے بعد یا درمیان میں کیا ہوتا ہے کسی مسلمان کی غیرت یہ گوارا کرسکتی ہے کہ لوگ ابھی درس قرآن دیکھیں ابھی طوائف کا نظارہ کریں دین کی ایسی بے توقیری تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی اس لئے دینی کاموں سے برکت اٹھ گئی ہے خطابت بہت ہے مگر اثر پذیری برائے نام بھی نہیں شیخ عبدالقادر جیلانی کی مجلس میں روزانہ سینکڑوں لوگ توبہ کرتے اور سینکڑوں اپنی زندگی بدل لیتے لیکن ٹی وی کے دینی پروگرام سن کر آج تک ایک شخص پنج وقتہ نمازی نہ بنا نہ دین کے مخلص خادم ٹی وی کا کمال ہے کہ ایسا دینی مزاج پیدا کرتا ہے جو رنگ رلیوں،ملے گلے،مستی،موج میلہ کو ہی اصل دین سمجھتا ہے یہی مغرب کو مطلوب ہے۔اس موضوع پر وہ اگر پڑھنا چاہیں مغرب میں جو کچھ نقد ہوا ہے اسے جاننا چاہیں شبہات کا ازالہ چاہیں تو ساحل اس کے لئے حاضر ہے ان کی خدمت میں سر کے بل جانے کے لئے تیار ہے وہ مذاکرہ محاکمہ فرمالیں اس کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کریں حضرت یوسفؑ کو زلیخا نے گناہ کی دعوت دی وہ قبول کر لیتے تو سلطنت میں عہدہ قبول کرسکتے تھے لیکن آپ نے قید خانے کو اقتدار اور گناہ پر ترجیح دی اور مصر کی حکومت ٹھکرا دی ورنہ یقیناً وہ اعلیٰ ترین عہدے پر فائز کیے جاتے۔نیکی کا کام بدی کے راستے سے ہو تو اپنی روحانی اخلاقی اساس کھو دیتا ہے اور اس سے خیر و برکت بھی اٹھ جاتی ہے۔دین و آخرت پر اقتدار اختیار اور حکومتی عہدے کو فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ترجیح ہمیشہ آخرت کو حاصل ہوگی۔ہر وہ کام یا عمل جو ہمیں آخرت سے دور کردے وہ غیر دینی عمل ہے۔خواہ وہ کس قدر نیک نیتی کے ساتھ کیا جائے۔ہمارے آج کل کے اسلامی سیاست داں

ہوتے تو شاید اقتدار کی خاطر زلیخا کا راستہ بھی منتخب کر لیتے جیسا کہ ترکی میں اسلامی تحریک کے وزیر اعظم طیب اوزگان کر چکے ہیں انہوں نے سیاست سے اسلام کو خارج کرنے کا اعلان کر دیا ہے اور سیکولر سیاست سے اپنی وفاداری ظاہر کی ہے لیکن حضرت یوسفؑ نے انکار کر کے بتا دیا کہ اللہ کا دین جب بھی دنیا میں قائم ہوگا تو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے اور اس کے انبیاء کی سنت کی روشنی میں قائم کیا جائے۔ اس میں تاخیر ہو سکتی ہے لیکن یہ تاخیر خیر و برکت کا باعث ہوتی ہے۔ حضرت یوسفؑ کو قید خانے میں زندگی بسر کرنے کے بعد جو اعزاز اکرام اقبال اور مرتبہ ملا ان کی جو اخلاقی اور روحانی بادشاہت، بادشاہ وقت اور ہر عام و خاص رعایا پر قائم ہوئی اس کی طاقت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی تحریکیں اور اسلامی دانشور اگر حضرت یوسفؑ کے راستے پر نہیں چل سکتے تو وہ انبیاء کے وارث بھی نہیں بن سکتے۔ انہیں اپنے دعوے، عہدے اور منصب سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ انگلستان کے مشہور افسانہ نویس Sterenson کا افسانہ [Markheim] اس صورت حال کو خوبصورت طریقے سے بیان کرتا ہے "مارکھیم شریفانہ بسر کرنے کے لیے دولت کا طلب گار تھا اس نیک مقصد کے لیے اس نے ایک دکاندار کو قتل کر دیا وہ سمجھتا تھا کہ اس دولت کے حصول کے بعد وہ اچھی زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے گا لہٰذا یہ برا کام ایک اچھے مقصد کے لیے ضروری ہے وہ اپنے اسی فعل پر نادم بھی تھا مگر اسے ناگزیر بھی خیال کرتا تھا کہ عہد حاضر میں اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اس قتل کے بعد اس کے ضمیر نے اسے اکسایا کہ تم اس دکاندار کی ملازمہ کو بھی قتل کر دو تا کہ تمہارا یہ راز افشاء نہ ہونے پائے۔ مارکھیم نے ضمیر کے اس مطالبے کا جواب دیا کہ میں نے دکاندار کو ضرورت، مجبوری، نیک مقصد، کے تحت قتل کیا تھا اب اس ملازمہ پر کیوں ہاتھ اٹھاؤں اس کے ضمیر نے اسے متوجہ کیا لیکن پھر اس کے ذہن میں یہ آواز آئی کہ اگر تم محفوظ و مامون زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو خادمہ کا کام بھی تمام کرنا ہوگا ورنہ تم نیک زندگی سکون سے بسر نہیں کر سکتے۔ مارکھیم کا ضمیر جاگ جاتا ہے وہ بے گناہ پر ہاتھ اٹھانے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھ میں نیکی اور شرافت کے احساسات ختم نہیں ہوئے اسے اس کا دل اشاروں میں سمجھاتا ہے کہ جس طرح تم نے بے گناہ دکاندار کو ایک اچھے مقصد کی خاطر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اسی طرح یہ کام بھی کر ڈالو اور پھر اطمینان سے زندگی بسر کرو مگر مارکھیم آمادہ نہیں ہوتا۔ اسے اپنا ماضی یاد آتا ہے جب اسے جھوٹ سے نفرت تھی پھر اس نے چوری شروع کی پھر قتل جیسے ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ حالانکہ چند سال پہلے تک قاتلوں کی محض تصاویر دیکھنے سے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ نیک مقصد کے لیے بدی کا راستہ ذلت گمراہی زوال اور تباہی کا راستہ ہے۔ اگر آپ کسی اچھے نصب العین کے لیے جدوجہد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ اس کے لیے اچھے ذرائع اختیار کریں، اصلاح حال کے لیے جو مختلف طریقے کام میں لائے جاتے ہیں وہ بذات خود اصلاح کا نہایت ہی ضروری جزو ہوتے ہیں اور انھیں مصلحتاً نظر انداز کر کے اگر نہایت مخلصانہ کوشش کی جائے تب بھی اصلاح احوال کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ ٹی وی پر آنے والے مذہبی مفکرین بھی مارکھیم کی طرح لوگ کو شریفانہ اور دینی زندگی بسر کرانے کے لئے ٹی وی کے محتاج ہیں اس محتاجی کی خاطر اب مساجد میں، مذہبی تقاریب میں بلکہ راسخ العقیدہ جماعتوں کے جلسوں اور مظاہروں میں عامر لیاقت حسین کو مدعو کیا جاتا ہے تا کہ علماء کو جیو ٹی وی پر اچھی جگہ مل سکے دین کی نصرت اور غلبہ کا انحصار کسی شئے پر منحصر نہیں جب بھی دین کے فروغ، تبلیغ کو کسی ذریعے پر منحصر کر لیا جائے گا دین کا فروغ خود بخود رک جائے گا۔ شو بزنس کے لوگوں کی صف علماء میں شمولیت صرف اس لئے کہ جیو تک رسائی آسان ہو نہایت شرمناک سودا ہے جس کا جواب علماء کو دینا ہوگا۔ دین کو لبرل بنانے اس کا مضحکہ اڑانے والے نام نہاد مفکر کو علماء کی صف میں جگہ ملے یہ وقتِ محشر ہے۔ دینی اداروں کے سانچے کی اہمیت کا جائزہ۔

[۹] فتح مکہ کے موقع پر رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میں بادشاہ نہیں نبی ہوں جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا تو اس وقت روم فارس میں بادشاہتیں موجود تھیں اور باہر کی چیزیں تھیں فقہاء کرام نے بادشاہت کی توجیہہ کی انبیاء کرام ملوک تھے کیا اسلام میں امارت، خلافت، بادشاہت، مترادف اصطلاحات ہیں یا متضاد ہیں یہ اعتراض کہ فقہاء بادشاہت کے ساتھ اسلام کو لے کر چل سکتے ہیں تو جمہوریت کے ساتھ کیوں نہیں چل سکتے۔ دوسرے لفظوں میں اگر ملوکیت کے ذریعے خلافت امارت قائم رہ سکتی ہے تو جمہوریت کے ذریعے اسلام کیوں

قائم نہیں ہوسکتا اور جمہوریت کے ذریعے خلافت اور امارت کا نظام کیوں نہیں چل سکتا۔ یہ موقف جمہوریت کی روح سے عدم واقفیت کا شاخسانہ ہے جمہوریت خواہ یونان کی ہو یا عہد جدید کی جو نشاۃ ثانیہ کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہے اس کی روحانیت اسلام کی روحانیت کے ساتھ نہیں چل سکتی اس کی روحانیت دراصل شیطنیت ہے جو خود مختاری آزادی سرکشی اور خود خالق کل ہونے کے دعووں سے ظہور کرتی ہے قدیم یونان اور جدید مغرب میں منبع قانون ماخذ علم عقل ہی ہے لہٰذا خیر وشر کے تصورات اخلاقیات کے سوتے علم کے راستے عقلیت کی زمین سے پھوٹیں گے عقل تجربہ وجدان حواس خمسہ ہی علم کی بنیاد بنیں گے خارجی ذریعہ علم کا ماخذ نہیں بن سکے گا ارادہ خداوندی بھی صاحب عقل اور صاحب عدل کے دائرے میں ظہور کرے گا۔ حقیقت مطلق بنیادی طور پر عقلی ہی ہوگی لہٰذا آفاقی عقلی اصولوں کی روشنی میں اس کا ادراک وفہم ممکن ہوجائے گا۔ معتزلہ یونان کی عقلیت اور جمہوریت سے بے حد متاثر تھے اور اس کا عملی اظہار اسلامی ریاست میں چاہتے تھے ان کا دعویٰ تھا کہ وجدان وحی اور فکر کا سرچشمہ ایک ہے یعنی حقیقت بنیادی طور پر عقلی ہے العدل اور القدر کو ارادہ خداوندی سے جوڑ کر اسلام کی عقلی تعبیر پیش کرنا چاہتے تھے ظاہر ہے یہ عقلیت کے کام کا دائرہ ہے مذہب کے کام کا دائرہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ اس طریقہ کار کے نتیجے میں پوری تاریخ اور تمام انسانیت عقل کے آہنی پنجرے [iron cage] میں محصور ہوجاتی ہے اور انسانیت کا جوہر صرف عقلیت رہ جاتا ہے حالانکہ انسان صرف عقل نہیں صرف جذبات نہیں صرف تفکر نہیں صرف ذہن نہیں صرف دماغ نہیں صرف حواس خمسہ نہیں صرف وجدان نہیں صرف عرفان، آگہی، تجربات تاریخ تہذیب وثقافت نہیں بلکہ ان سب کا آمیختہ ہے اس کی شخصیت ان تمام رنگوں کے امتزاج سے طلوع ہوتی ہے۔ امام ابن خلدونؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام الماوردیؒ اور دوسرے بڑے فقہاء علماء یونانی جمہوریت سے بخوبی واقف تھے لیکن انھوں نے اس کی علمیت شیطنت کا بخوبی اندازہ کرلیا تھا اس لیے ہمارے فقہی اور علمی ادب میں یونانی جمہوریت کو سرے سے قابل اعتناء ہی نہیں سمجھا گیا جدید مغربی جمہوریت یونانی جمہوریت کی توسیع ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بہت کچھ ہے لہٰذا یہ یونانی جمہوریت سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ معتزلہ عقلی اصولوں کے سانچے میں خدا کو پابند کرکے اس کی وسعت عظمت کو محدود کردیتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ وہ ارادہ خداوندی کو ارادہ انسانی میں آزادی اظہار رائے کے ذریعے جلوہ گر دیکھتے ہیں معتزلہ کے افکار کا اہم جائزہ۔ [۱۰] اس جاہلانہ نقطۂ نظر کا جائزہ کہ سائنس حقیقت مطلقہ [absolute reality] کی تلاش کا کوئی ذریعہ ہے یا طریقہ۔ یہ نقطۂ نظر اگر کانٹ کے فلسفے کے ظہور سے پہلے بیان کیا جاتا تو شاید علمی دنیا میں قبول کرلیا جاتا لیکن کانٹ کی کتاب Critique on pure reason کے بعد یہ نقطۂ نظر کہ سائنس سے حقیقت مطلق تک رسائی ممکن ہے علمی دنیا میں ناقابل قبول فلسفہ ہے۔ ابھی تک کوئی ایسا فلسفی پیدا نہیں ہوا جو اس نقطۂ نظر کی تردید علمی بنیادوں پر کرسکے کانٹ نے صاف لفظوں میں بتادیا کہ دنیائیں دو ہیں phenomina اور nomina ایک دنیا وہ جو ہمارے محسوسات کے دائرے میں ہے معلوم ہے موجود ہے دوسری وہ جو محسوسات کے دائرے سے ماوراء ہے اور وجود رکھتی ہے لیکن ہماری نظروں سے اوجھل ہمارے حواس کے دائرے سے باہر ہمارے عقل کی وسعتوں سے ماوراء ہمارے خیال کی بلندیوں سے بھی آگے جس تک رسائی ذہن وعقل انسانی کے لئے ممکن ہی نہیں ہمارے حواس عقل اور علم اس ماوراء محسوسات دنیا کو نہ جان سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں یہ کام عقلیت کی استعداد صلاحیت سے باہر ہے لہٰذا وحید الدین خان اور جاوید غامدی جو ابھی تک یہ سمجھتے ہیں کہ سائنس حقیقت مطلقہ تک رسائی کا کوئی ذریعہ ہے تو اصلاً وہ تاریخ فلسفہ سے واقف نہیں ہیں اور بیسویں صدی میں رہتے ہوئے سترہویں صدی کے مسترد شدہ فلسفیانہ، سائنسی نظریات کے غبار سے اپنے علمی شہسوار کو برآمد کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔ ان بے چاروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کانٹ نے لکھ دیا تھا کہ حقیقت فی نفسہٖ کیا ہے نہ میں جان سکتا ہوں نہ دیکھ سکتا ہوں میرے پاس وہ عینک اور چشمے ہی نہیں ہیں جن کے ذریعے میں اس حقیقت کو دیکھ سکوں یعنی انسان کے پاس وہ ذرائع علم موجود نہیں ہیں جن سے وہ حقیقت کو تجربے کی سطح پر ویسا ہی دیکھ سکے جیسی کہ وہ فی الحقیقت ہے کسی چیز کا موجود ہونا اور محسوس ہونا الگ بات ہے اور کسی چیز کا محسوس ہونا اور طبعی طور پر موجود نہ ہونا یا نظر نہ آنا دوسرا مسئلہ ہے بظاہر یہ دعوی انسان کے عجز کا اعتراف نظر آتا ہے کہ انسان اس عاجزی کے بعد خدا کے آگے سر

جھکا دے اور اس کی بادشاہی کو قبول کرلے کہ تلاش حقیقت [search of reality] کم از کم عقلیت [Rationality] کے ذریعے ممکن ہی نہیں ہے لیکن کانٹ نے اصلاً دوسرے لفظوں میں یہ کہا ہے کہ خدا، علم، آخرت، فرشتے، جنت، دوزخ میرے حواس کی سرحدوں میں نہیں آسکتے لہذا ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اس لئے تلاش حقیقت [Discovery of Reality] کے بجائے کانٹ نے تخلیق حقیقت [Creation of Reality] کا فلسفہ پیش کیا کہ انسان کے لئے حقیقت کو تلاش کرنا تو ممکن نہیں لیکن حقیقت کو ویسا بنانا ممکن ہے جیسا انسان بنانا چاہتا ہے اور حقیقت وہ ہے جو انسان کے ذہن میں ہوتی ہے لہذا ارادہ انسانی ہی حقیقت کی تخلیق کرتا ہے ذہن انسانی میں جو کچھ ہے اس کے مطابق کائنات کو ڈھال دینا حقیقت کی تخلیق کا عمل ہے کیونکہ حقیقت کی تلاش تو ممکن ہی نہیں لیکن تخلیق ممکن ہے لہذا حقیقت مادی ہے جو ہر آن بدلتی رہتی ہے یعنی حقیقت کچھ نہیں ہے۔ لہذا کانٹ کے بعد جو سائنس ہے اور جو سائنسی ترقی ہے وہ حقیقت کی تلاش کی تاریخ نہیں حقیقت کی تخلیق کے عمل میں مصروف سائنس کی تاریخ ہے اور انسان سائنس کے ذریعے حقیقت کو جس طرح بنانا چاہتا ہے بنانے کی کوشش کررہا ہے یہی تسخیر کائنات کا بنیادی الحادی فلسفہ ہے۔[۱۱] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ ہر منہاج علم کے اپنے اصول ہوتے ہیں ہر منہاج علم کی اپنی عقلیت، اپنا تفکر اور اپنا طریقہ ہوتا ہے جو اس منہاج علم کی مابعد الطبیعیات سے نکلتا ہے اس مابعد الطبیعیات میں موجود تصور خیر کے ماتحت اس کی عقلیت کام کرتی ہے کیونکہ عقلیت معریٰ نہیں ہوتی وہ کسی تصور خیر کے زیر اثر کام کرتی ہے لہذا جب آپ کسی عقلیت کو اس کے مابعد الطبیعیاتی تناظر میں دیکھتے ہیں تو وہ ٹھیک نظر آتی ہے لیکن اگر اس عقلیت کو کسی دوسرے مابعد الطبیعیاتی تناظر میں دیکھا جائے تو وہ عقلیت لغو، مہمل اور بے کار نظر آئے گی لہذا مابعد الطبیعیاتی تناظر بدل جانے سے عقل وہ عقل نہیں رہتی جو اس ڈھانچے میں ہے۔ جب ہم سائنس مذہب فلسفہ شاعری پر غور کرتے ہیں تو چاروں علم کے ذرائع کی مابعد الطبیعیات، ماخذات علم اور طریقہ علم اور اصول حصول علم الگ الگ ہیں لہذا کس علم کے اصولوں کی بنیاد پر کس علم کو پرکھا جائے گا؟ کیا سائنس فلسفے شاعری کے اصولوں کی بنیاد پر مذہب کے اصولوں کو پرکھا جاسکتا ہے ظاہر ہے اس کا جواب لازماً نفی ہے کیا سائنس کو قرآن سے یا قرآن کو سائنس سے پرکھا جاسکتا ہے؟ اس بنیادی سوال کا احاطہ کئے بغیر سائنس اور اسلام کے حوالے سے اٹھائے جانے والے بچگانہ مباحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے یہ محض لفظوں کی جادوگری ہے علمی دنیا میں ان کی کوئی وقعت نہیں علم کا دائرہ عوام کا دائرہ نہیں ہے۔ عوام کس چیز سے متاثر ہو رہے ہیں کس مقرر کو مانتے ہیں کون سا مقرر مقبول ہے یہ رائے عامہ کے جائزوں کے احمقانہ مسئلے ہیں علم کے میدان میں ان جائزوں کی پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔ [۱۲] معاشی عقلیت Economic rationality کا مطلب ہے منافع بڑھانا منافع بڑھاتے رہنا منافع میں اضافے کی تگ و دو کو ہی اصل اصول زندگی سمجھنا اسلام منافع کمانے کی اجازت دیتا ہے لیکن زندگی کا مقصد صرف منافع بڑھانا نہیں قرار دیتا مستقل مسلسل ایک ہی کام ایک ہی وظیفہ کہ منافع بڑھتا رہے قرآن کے الفاظ میں مالاً وعدداً والا معاملہ ہے دین اس رویے کی نفی کرتا ہے۔ اور اسے جہالت قرار دیتا ہے دین میں منافع کمانا حلال ہے صرف اور صرف منافع بڑھانا حرام ہے اس لئے اسلامی معیشت اور جدید معیشت میں بنیادی نوعیت کا فرق ہے امام غزالیؒ نے احیاء میں لکھا ہے کہ مسلمان تاجر دکان سے اپنی ضروریات کفالت پوری کرے تو دکان بند کردے اور دین کی خدمت میں مشغول ہوجائے منافع کمانے میں مسلسل مشغولیت نہ رکھے کہ نفع کی تلاش نہ مقصود ہے نہ محمود۔ مقصود رزق کفاف تھا اگر وہ حاصل ہوگیا تو حرص وحسد میں مبتلا نہ ہو کیا سود سٹہ اسلامی بینک کاری اس قاعدے کے تحت کام کررہے ہیں کیا عصر حاضر کے اسلامی ادارے شرح منافع کو متعین کرتے ہیں یا یہ شرح منافع غیر متعین ہے کوئی ایسا بنک یا ادارہ ہے جو کہہ دے کہ بس ہم اتنا منافع چاہتے ہیں اس کے بعد ہمیں منافع سے دلچسپی نہیں اس کے بعد ہم کاروبار کے حجم میں مزید توسیع نہیں چاہتے دنیا میں کوئی ایسا بینک ہے یا ایسا کوئی کاروباری جو منافع کی خاص شرح کو آخری حتمی قطعی اور کامل شرح سمجھتا ہو اس کے بعد رک جاتا ہو اگر نہیں تو حرص حسد ہوس کی یہی عمومیت ہے جو سرمایہ داری نے پیدا کی ہے۔ جو اسلامی تاریخ کے لئے اجنبی ہے۔ اسلام اور سرمایہ داری میں مماثلت کی تمام کوششوں کا پہلا ناقدانہ جائزہ۔[۱۳] اس اعتراض کا جائزہ کہ مولانا مودودیؒ کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے

سیاسی و تنظیمی ڈھانچے پر اتنا زور دیتے ہیں کہ روح کا، جو ہر ختم ہو جاتا ہے مثلاً ایسا نظام بنادو کہ خود بخود اس سیاسی ڈھانچے سے روحانیت پیدا ہو جائے۔ ڈھانچے کو وہ کل سمجھتے ہیں اسٹرکچر فارم ہے کل یا حقیقت نہیں ہے۔ غالباً مولانا مودودیؒ مدرسہ، مسجد، خاندان، فرد، معاشرت، رسوم ورواج کے ذریعے فرد کی شخصیت اس کی تشکیل وتعمیر کا کوئی ادراک نہیں رکھتے وہ سمجھتے ہیں کہ جلسہ عام، کارنر میٹنگ تربیتی اجتماع میں شرکت کرنے والا روحانی مقام حاصل کر لیتا ہے اور پمفلٹ کتابچے کتابیں پڑھنے پوسٹر لگانے اسٹڈی سرکل میں شامل ہونے سے فرد کا تزکیہ ہو جاتا ہے اس میں شبہ نہیں کہ تزکیہ ہوتا ہے لیکن اس سے وہ روحانی وجود ظہور نہیں کرتا ایک کھرا علمی عقلی منطقی وجود سامنے آتا ہے جو اسلامی شخصیت کا نمونہ نہیں ہوتا۔ مولانا مودودیؒ کے یہاں فرد کے تزکیہ اور اس کی روحانیت کی نمود کا کوئی واضح نظام نہیں ہے اور یہ ان کی خامی ہے لیکن اس خامی کی بنیاد پر ان کے پورے کام کو رد نہیں کیا جاسکتا جس طرح امام غزالیؒ کی احیاء العلوم میں درج احادیث ضعیف ہیں تو ان حدیثوں کی بنیاد پر احیاء کا مطالعہ ممنوع نہیں کیا جاسکتا اِمام غزالیؒ محدث نہیں تھے آپ کو کتاب پر نظر ثانی کا موقع نہیں ملا مہلت نہیں ملی لیکن اس کتاب میں جو روحانیت ہے جو دین کی روح ہے لہٰذا کمزور حدیثوں کی بنیاد پر اس کتاب کو رد نہیں کیا جاسکتا مولانا مودودیؒ کے یہاں رشد وہدایت اور تعمیر شخصیت دینی کا کوئی خاص تصور نہیں ہے ان کے خیال میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے بعد اس کے اندر سے خود بخود روحانی شخصیات ڈھل کر نکلتی رہیں گی ان کے یہاں فرد معاشرت کی روحانیت اور باطنی اصلاح کا کوئی نظام کوئی واضح شعور کوئی ادراک موجود نہیں ہے وہ سمجھتے ہیں کہ نظام اسلامی خود بخود فرد کو تراش خراش کر کانٹ چھانٹ کر مومن کامل کی صورت میں پیش کر دے گا نظام کی اندرونی روحانیت مخفی دانش فرد کو بدلنے کے لیے شافی وکافی ہوگی ظاہر ہے یہ نقطۂ نظر ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اگر یہ ٹھیک ہے تو پھر مسلمانوں کو زوال کیوں آیا؟ [۱۴] علی گڑھ سنٹر فار اسٹڈیز آن اسلامک سائنسز کے ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی کی کتاب The Quran and future of Science کا ناقدانہ جائزہ۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے جدید سائنس سے مرعوبیت کے باعث قرآن سے سائنس کی سماجیات، سائنس کا فلسفہ اور قرآنی سائنسی ماحولیات کے اصول اخذ فرمانے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں جدید سائنس کی مابعد الطبعیات [Metaphysics] ایمانیات [Dogmas] اعتقادات [belives] علمیت [Epistomology] الٰہیات [ontology] کونیات [cosmology] کو نظر انداز فرمایا ہے نہ صرف یہ بلکہ ڈاکٹر کرمانی نے جدید سائنس کے فروغ میں عیسائیت اور یونانی سائنس منطق فلسفہ کے آمیختے کو قطعی نظر انداز کر دیا ہے جس کے نتیجے میں یونانی سائنسی مفروضات عیسائی مذہبی معتقدات کا حصہ بن گئے جدید سائنس سے مرعوبیت کے تناظر میں جناب کرمانی نے عیسائیت میں پاپائیت کی تاریخ، فرقوں پر پابندی کی تاریخ، پوپ کی ماورائی حیثیت، عیسائیت کے سخت گیر اور مفاد پرست انتظامی اشرافیہ کے ڈھانچے اور اس کے شدید [بیوروکریٹ اسٹرکچر] ردعمل میں پروٹسٹنٹ ازم کے فروغ، مغرب میں قومیت اور سرمایہ داری کے گٹھ جوڑ کی تاریخ اور اس تاریخ کو مذہبی بنیادیں فراہم کرنے والے پروٹسٹنٹ ازم کے کردار کو بھی فراموش کر دیا ہے صرف یہی نہیں بلکہ جدید سائنس کے ارتقاء، فروغ، برق رفتار ترقی میں کرمانی صاحب نے مغربی استعماریت [Western imperialism] کی پوری تاریخ اس استعماریت کے ہاتھوں کروڑوں انسانوں کے قتل عام [Genocide] براعظموں کی لوٹ مار، نوآبادیات کے قیام [colonicalism] کی سیاہ تاریخ کو یکسر نظر انداز کر کے صرف جدید سائنس کے کمالات اکتشافات معجزات سے متاثر ہو کر اس سائنس کے وقوع کے امکانات کو قرآن اور سنت سے ثابت کرنے کی معذرت خواہانہ کوشش کی ہے جبکہ جدید سائنس کو قرآن وسنت سے کوئی تعلق نہیں یہ استعماریت، قتل عام، بربریت، بہمیت و سفا کی درندگی لوٹ مار نوآبادیات کے بغیر وجود پذیر ہی نہیں ہوسکتی تھی لہٰذا ایسی سائنس کے اسلام میں ظہور کے امکانات دریافت کرنا جدیدیت پسندی اور مغربی فکر وفلسفے کی تاریخ اور مغربی اقوام کی بہمیت کی تاریخ سے ناواقفیت کے سوا کچھ نہیں علی گڑھ اسکول کے دیگر مفکرین جناب ریاض کرمانی کے ان مضامین کا تنقیدی جائزہ جو جرنل آف اسلامک سائنس میں [۱] Structure of Islamic Science، [۲] Islamic Science on Production and Administrative plane، [۳] Epistemological

Fourdation of Islam،[۴] Wahi, A Source of Method کا ناقدانہ جائزہ اس کے علاوہ ذکی کرمانی کے مضمون [۵] An outline for Islamic frame work for a contemporary science کا ناقدانہ جائزہ اوران کے علمی رفیق کار جناب رئیس احمد کے جرنل آف اسلامک سائنس میں شائع ہونے والے دو اہم مضامین Role of world view in scienctific Activity اور Adaptatiion of westren science some consideration کا ناقدانہ جائزہ جس سے علی گڑھ اسکول آف اسلامک سائنسز کی کم زوریاں سامنے آسکیں گی قرآن سے جدید سائنس کو ثابت کرنے والے عبدہ، سرسید علامہ، افغانی، علامہ طنطاوی، وحیدالدین خان، جاوید غامدی کو یہ یادنہیں رہا کہ جدید ماحولیاتی بحران، ماحولیاتی آلودگی اسی جدید سائنس کا کرشمہ ہے ماحولیات کے تمام سائنس داں اس بات پر متفق ہیں کہ جدید سائنسی ترقی صنعتی کامیابی نے کائنات کو اور فطرت کو تباہ کرکے دکھ دیا ہے اور اس جدید سائنسی ترقی اور صنعتی رفتار کو فوری طور پر لگام نہیں دی گئی تو پوری کائنات، کائنات میں موجود تمام مخلوقات آبی پرندے، حشرات الارض، جانور، لاکھوں اقسام کی حیاتیات بلکہ خود حضرت انسان بھی تباہ و برباد ہوکر رہ جائیں گے۔ خدانخواستہ اگر جدید سائنس اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن حکیم اور سنت رسول کریم کے بطن سے طلوع ہوئی ہے تو نعوذ باللہ کیا اللہ تعالیٰ اپنی بنائی ہوئی اس خوبصورت کائنات کو خود تباہ کرنے کے طریقے اور شرعی ذریعے کتاب اللہ سے فراہم فرمائیں گے یہ تصور ہی لغو اور احمقانہ ہے جدید سائنس پر ہائیڈیگر کے استاد ہرزل اور خود ہائیڈیگر کی تنقید آج سے سو برس لکھی گئی تھی بہ نظر غائر نہیں پڑھا گیا۔ جدید سائنس کے خلاف جدید سائنس کے خالق مغرب میں آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مطالعہ ذہن کے دریچے کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ لیکن ہم جدید سائنس سے اتنے مرعوب ہیں کہ اسے اسلام سے برآمد کئے بغیر سکون میسر نہیں آیا۔ [۱۵] اسلامک سائنسز کے علمی مفکرین کے کاموں کا جائزہ [1] BM Zain Shahrir کے مقالے Modes of operation in the quest of Islamic Science [2] یوسف واعظ کے مقالے Creative Order truth and Justice: The rational of Islamic Science [3] S.A.M Zindani کی کتاب The Developing Human's with Islamic notes، [4] نقیب العطاس کے مقالے Islam and Philosphy of science، [5] سیدوقار حسین کے مقالے [1] Social and natural science, [2] Towards the Rebirth and Development of Sharyyah Science and Technology, [3] Birth Decline and Rebirth of Islamic science and Technology: Indigenous Causes of Decline and their Remedies، [4] ڈاکٹر وقار حسینی کی کتاب Islamic Enviornemental System Engineering

اسلامی سائنس اور جدید سائنس کی اسلام کاری کے حامی تمام مصنفین مفکرین اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مغرب نے جو جدید سائنسی ترقی کی ہے وہ اسلام کو مطلوب ہے اور یہ ترقی اسلام ہی کا ثمر ہے مسلمانوں نے اپنی تہذیب و تاریخ کے آغاز میں ہی وہ سائنسی ترقی حاصل کرلی جو دنیا کی کسی قوم کو نہیں مل سکی قرآن وہ ذہن تعمیر کرتا ہے جو مغرب کا اصلی سائنسی ذہن ہے اسلامی تاریخ سائنسی ترقی کی تاریخ ہے جو زوال پذیر نہیں ہوئی اسلام کا یہ حقیقی بیج عالم عرب میں برگ و بار لانے کے بجائے خلافت اندلس میں بویا گیا اور وہاں سے یہ نامکمل پودا یورپ چلا گیا جہاں کی فضاء ہوا اسے راس آئی اور یہ عالم پر چھا گیا ہے لہٰذا جدید سائنس کی تخلیقات معجزات کمالات اصلاً اسلام کے ہی کمالات ہیں اس لیے ضیاء الدین سردار سے لے کر حسین نصر تک اندلس جابر بن حیان، رازی، ابن سینا اسلامی تاریخ کے واحد استعارے ہیں جن کا احیاء ہی دراصل اسلام کا احیا ہے۔ لہٰذا عالی شان عمارات کی تعمیر مقبروں کی پچی کاری، رصد گاہوں کا قیام، قالین بانی، کپڑے بننا، خطاطی و مصوری اس مکتب فکر کے خیال میں اسلام کی تخلیقی و حرکی قوت کے اصل اظہارات ہیں اس مکتبہ فکر کے خیال میں اسلام واحد تہذیب ہے جہاں سائنسی ترقی کی رفتار اس کے اولین دور میں نکتہ عروج کو چھو چکی تھی لیکن اسی مکتبہ خیال کا یہ فیصلہ بھی ہے کہ دنیا کی تمام تہذیبوں نے سائنس میں کمال ہمیشہ اپنے دور زوال میں پیدا کیا اس مکتب فکر کے ایک اہم شارح

ڈاکٹر رفیع الدین ناظم اکیڈمی نے تو غلو کی انتہا کرتے ہوئے فرمادیا کہ اگر جدید سائنس نے قرآن سے اپنا تعلق قائم نہ کیا تو اس کی ترقی کی رفتار جو پہلے ہی بہت دھیمی ہے ختم ہو جائے گی اگر جدید سائنس کو برق رفتار ترقی چاہیے تو اسے قرآن سے تعلق جوڑنا پڑے گا اسلام اور جدید سائنس کے تعلق پر مبنی علمی لطیفوں کا پہلا محاکمہ۔ [۱۶] جاوید احمد غامدی کے خیال میں اسلامی ریاست کا قیام بنیادی مذہبی ذمہ داری نہیں ہے جاوید غامدی کے مفسر جناب ڈاکٹر خالد مسعود صدر اسلامی نظریاتی کونسل کے الفاظ میں:

Infact According to ghamidi the formation of an Islamic state is not a basic religious obligation for Muslims

غامدی صاحب کے خیال میں جمہوری نظام کی موجودگی میں اسلامی شریعت کسی انقلاب کی اجازت نہیں دیتی غامدی صاحب کے خیال میں حکومت کی قیادت سیاستدانوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیے علماء کے ہاتھوں میں نہیں جمہوری عمل میں صرف سیاسی جماعتیں شرکت کرسکتی ہیں مذہبی جماعتوں کو اس کی اجازت نہیں علماء کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ سیاسی انقلاب برپا کریں یا سیاسی قوت حاصل کریں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ تعلیم وتربیت کے ادارے قائم کریں لوگوں کی ذہنی تطہیر وتعمیر کے لیے تحریکیں برپا کریں فکر ونظر اور تحقیق واجتہاد کے فروغ کے ذریعے دین کی خدمت کریں [حوالے کے لیے دیکھیے آصف افتخار کا ایم اے کا مقالہ جس میں مولانا مودودیؒ اور غامدی صاحب کے افکار کا تقابل کیا گیا ہے میکسگل یونیورسٹی مانٹریال ۲۰۰۵ء غامدی صاحب کے افکار اس مقالے سے لئے گئے ہیں مقالے کا اصل عنوان: *Jihad and the Establishment of Islamic global order: A comparative study of the interperative Approaches and world views of Mawdudi and Javed A. Ghamidi*]

غامدی صاحب کے خیال میں بیعت صرف اس شخص کو لینے کا حق ہے جو اقتدار کے منصب پر فائز ہے کسی صوفی یا پیر یا ڈاکٹر کو اس کا استحقاق حاصل نہیں جہاد صرف ریاست کی ذمہ داری ہے کسی فرد تنظیم گروہ ٹولے جتھے ٹولی تحریک، جماعت، افراد کو جہاد کی اجازت نہیں جہاد فوجداری قوانین کا حصہ ہے لہٰذا جہاد کا اطلاق اس کی اجازت اس کا اجراء صرف اور صرف حاکم کرسکتا ہے اس طرح حدود کا نفاذ بھی فرد گروہ تنظیم جماعت کی ذمہ داری نہیں ریاست کی ذمہ داری ہے۔ [مختلف آڈیو ویڈیو اور تقاریر کے کیسٹ سے حاصل شدہ غامدی صاحب کے خیالات] غامدی صاحب کے ان تمام استدلالات کو وسیع تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب اسلامی ریاست کا قیام مذہبی ذمہ داری ہی نہیں ہے تو پھر جہاد، خروج، جمہوریت، اجتہاد، تعبیر دین، عورت کی گواہی، طلاق کا معاملہ، زکوٰۃ کی شرح رجم کا معاملہ اور حدود نفاذ کے سلسلے میں غامدی صاحب کے اجتہادات کی کیا ضرورت ہے؟ اگر وجوب حکومت و ریاست شریعت قرآن سنت سے ثابت نہیں مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں تو دوسرے معنوں میں اسلام پر کامل عمل درآمد بھی مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں ہے جب کامل عمل درآمد مسلمانوں کی ذمہ داری اور فریضہ نہیں رہا تو پھر غامدی صاحب مسلسل جہاد و حدود کے معاملے میں ترامیم و اصلاح کی پیہم اجتہادی کوشش کیوں کررہے ہیں۔ یہ کوششیں اس وقت فائدہ مند تھی جب کوئی اسلامی ریاست قائم ہو جب اسلامی ریاست کا قیام ہی واجب نہیں ہے تو ان کوششوں کا وجوب کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے اس وقت دنیا میں کوئی اسلامی ریاست قائم نہیں ہو رہی اور غامدی صاحب کے بقول کوئی اسلامی ریاست موجود نہیں نہ مستقبل میں قائم ہوسکتی ہے تو پھر اسلامی ریاست سے متعلق ان اجتہادات اور مباحث کی کیا ضرورت ہے غامدی صاحب کے تفردات اور اجتہادات ریاست کا دائرہ ہے وہ تو قائم نہیں ہوگی پھر اس تگ ودو میں وہ کیوں ہلکان ہو رہے ہیں امریکی عالمی استعمار کے نمایندے جاوید غامدی کے افکار کا جائزہ ریاست، حکومت، قوتِ نافذہ اور فلسفہ کے جدید سیاسی مباحث کی روشنی میں۔ [۱۷] اس جاہلانہ نقطۂ نظر کا جائزہ کہ تجدد [Modrenity] اور روایت [Tradition] کے درمیان تطبیق وتلفیق ممکن ہے اور روشن خیالی کی فکر [Enlightment Thought] اور فکر اسلامی [Islamic Thought] کے

درمیان مشترک عنصر، مشترک اساس، عقل [Rational] جدید سائنس [Modern Science] بن سکتے ہیں اور کفار، مغرب، ملحدین، مشرکین، اور غیر مسلمین سے کلام و گفتگو کے لیے عقلیت [Rationalism] اور جدید سائنس [Modren Science] کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے کیونکہ مغرب اور اسلام کے درمیان مشترکہ اساس تلاش کئے بغیر جس پر کسی کو اعتراض نہ ہو دین کی دعوت اور پیغام کیسے پہنچایا جاسکتا ہے اس جاہلانہ فکر کے پیغامبر عالم اسلام میں رفاعہ رافع الطہطاوی، سرسید، مفتی عبدہ، طاہر بن عاشور، علال فاسی، وحید الدین خان اور جاوید غامدی ہیں یہ جہلاء قرآن سنت اور اپنی تاریخ سے قطعاً ناواقف ہیں ان جاہلوں سے یہ پوچھا جائے کہ انبیاء کرام اور رسل کیا مسلمانوں میں مبعوث ہوتے ہیں یا کفار، ملحدین اور، مشرکین میں؟ ظاہر ہے انبیاء ہمیشہ مشرکوں، ملحدوں، کفار، خدا کے دشمن لوگوں میں مبعوث ہوتے ہیں یا ان لوگوں میں جو اللہ کے دین کی اصل روایت پر چلتے چلتے منحرف ہو جاتے ہیں اور مشرکوں سے مماثلت اختیار کر لیتے ہیں لہٰذا ان کو اصل دین کی طرف لوٹانے کے لیے انبیاء تشریف لاتے ہیں تو کیا انبیاء کرام حاضر و وجود نظام، طاقت کے مراکز، اور اس عہد کے کفار مشرکین منحرفین ملحدین سے اس عہد میں موجود علوم کفار، سائنس ٹکنالوجی کی مشترکہ اساس کی بنیاد پر دعوت پیش کرتے ہیں یا اپنی دعوت مجرد طور پر پیش کرتے ہیں کیا انبیاء نے تاریخ کے کسی دور میں اپنے عہد کے لوگوں سے اس عہد کی مشترکہ اساس یعنی عقلیت اور سائنس کی بنیاد پر دعوت دین پہنچائی یا ہمیشہ توحید آخرت اور موت کے مجرد تصورات کے ذریعے اپنی دعوت پیش کی اور اپنے عہد کو قائل کر لیا مسلمان تمام انبیا کے پیروکار ہیں لہٰذا وہ تمام انبیاء کے دعوتی روحانی کام کے وارث ہیں وہ انبیاء کے طریقے کے پیروکار ہیں لہٰذا عہد حاضر میں بھی جب جب مسلمان کسی کے سامنے بھی دعوت پیش کریں گے تو وہ عہد حاضر کی مجوزہ مشترکہ اساس عقل اور سائنس کی بنیاد پر دعوت پیش نہیں کریں گے۔ ان جہلاء کو یہ تک معلوم نہیں کہ عقل اور سائنس بھی ایک خاص الٰہیات، کونیات سے نکلتی ہے لہٰذا ہر مابعد الطبیعیات بدلنے سے عقل بھی بدل جاتی ہے اس پر مغرب میں لاکھوں صفحے لکھے جاچکے ہیں اس کی مختصر سی مثال یہ ہے کہ اگر پاکستان میں کسی گھر میں کوئی عورت صرف بکنی پہن کر آجائے تو ہر شخص اسے بلا تفریق ننگا کہے گا اور نہایت غصے کا اظہار کرے گا جبکہ مغرب میں اگر کوئی عورت برقع پہن کر جائے تو مغرب کو وہ سخت ناگوار گزرے گا لیکن عریاں عورت کا آنا انہیں فطری حقیقی اور عقلی لگے گا اسی لئے فرانس میں ترکی میں برطانیہ میں عورتوں کے حجاب پر پابندی عائد کی گئی استنبول یونیورسٹی کی طالبہ کو حجاب پہننے پر یونیورسٹی سے نکال دیا گیا وہ عالمی عدالت انصاف میں مقدمہ لے کر گئی تو اسے شکست ہوئی اس لئے مغرب کی عقلیت [Rationality] اس کے بنیادی حقوق کے فلسفہ مذہب سے نکلی ہے لہٰذا وہاں حجاب پہننا حرام ہے اور پاکستان کے لوگوں کی عقلیت قرآن و سنت سے نکلی ہے لہٰذا یہاں عورت کا کپڑے اتارنا حرام ہے عقلیت ہمیشہ اس منہاج علم اور اس مابعد الطبیعیات سے نکلتی ہے جس پر وہ معاشرہ یقین رکھتا ہے عقل تنہا مجرد شے نہیں ہے وہ لوگ جو عقل سے ماوراء ہو کر سوچتے ہیں وہی پیغمبروں کی دعوت قبول کر لیتے ہیں کیونکہ عقل خاص زماں مکاں تاریخ تہذیب ثقافت میں محصور مقید اور محدود ہوتی ہے انبیاء کرام انسانی عقل اور قلب کو اس طرح خطاب کرتے ہیں کہ وہ ان حدود سے ماوراء ہو کر سوچتی ہے اور اپنے خالق کو پہچان کر اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتی ہے جب مشرق و مغرب کی عقلیت ہی الگ ہے تو عقلیت مشترکہ اساس کیسے بن سکتی ہے یہی حال سائنس کا ہے عالم اسلام میں سائنس [سائنس کی اصطلاح محض تفہیم کے لئے ہے ورنہ سائنس کی اصطلاح کے جو معنیٰ آج کل مسلّم ہیں اسلامی تاریخ میں اس طرح کی کوئی چیز مسلمانوں کے یہاں نہیں ملتی] کبھی سرمایہ داری کے فروغ کا ذریعہ نہیں رہی اس کا مقصد لذت اندوزی، تسخیر کائنات، کائنات، منافع خوری، عیش و عشرت طلبی، افادہ پرستی اور سوداگری نہیں رہا جبکہ مغرب کی سائنس ارتکاز سرمایہ لذت طلبی کی مابعد الطبیعیات سے نکلی ہے لہٰذا سائنس کی بنیاد پر بھی مکالمہ نہیں ہوسکتا [۱۸] مارچ ۲۰۰۸ء کے الشریعہ میں عالم عرب کے ایک مفکر ڈاکٹر ابراہیم موسیٰ کا مضمون شائع کیا گیا ہے جس میں خطبات اقبال کے حوالے سے علماء کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مضمون ہندوستان کے ایک مذہبی رسالے سے نقل کیا گیا ہے مضمون نگار جدیدیت پسند مفکر ہے جو اسلام کو مغرب کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں اور مغرب کی علمیت کو دنیا کی عظیم علمیت تصور کرتے ہیں حیرت اس بات پر ہے کہ مولانا زاہد الراشدی

صاحب جیسے راسخ العقیدہ عالم کی زیرادارت اس مضمون کی اشاعت کیسے ہوگئی یقیناً حضرت والا سے سہوانظر ہوا ہے ورنہ یہ مضمون ہرگز شائع نہ ہوتا اس طرح کے مضامین کو احتیاط سے دیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ آج کل روشن خیالی علماء کی صفوں میں داخل کرنے کی کوشش غامدی صاحب جیسے جدیدیت پسند مفکرین مسلسل کررہے ہیں یہ مغرب اس کے فلسفے سے قطعاً ناواقف اور خواہ مخواہ مغرب سے مرعوب ہیں اور عالم اسلام کو اپنے جہل اور مغرب کی ضلالت سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ مارچ ۲۰۰۸ء کے الشریعہ میں ڈاکٹر ابراہیم موسیٰ نے اپنے مضمون میں علماء مدارس، اسلامی معاشروں کو برا بھلا کہا ہے ڈاکٹر ابراہیم موسیٰ کو امریکی اور یورپی مجرمانہ معاشروں کا کچھ پتہ نہیں یہ جاہل مطلق اگر وہاں کے جرائم کے اعداد و شمار دیکھ لیں تو انھیں اسلامی معاشرے اب بھی جنت نظر آئیں گے موسیٰ صاحب اسلامی معاشروں میں تشدد کی مذمت کرتے ہیں لیکن انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا کا متشدد ترین معاشرہ مغرب ہے جو تین سو برس میں ایک ارب پچھتر کروڑ لوگ ہلاک کرچکا ہے لہٰذا دہشت گرد مغرب ہے عالم اسلام نہیں نہ ہی علماء۔ ڈاکٹر صاحب نے مضمون میں اسلامی اقدار پر نئے اجماع کے انعقاد کا مطالبہ کیا ہے صرف یہی نہیں انہوں نے وحدت ادیان کی مکمل حمایت کی ہے اور لکھا ہے کہ ''حق کیا ہے یہ ہمیں معلوم نہیں یہ تو خدا بتائے گا ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں: حق تو یقیناً ایک ہے لیکن اس کی تجلیات متعدد ہیں حق مطلق کا علم صرف اللہ کے پاس ہے ہماری حقیقت کی قدر شناسی علمی اور نسبتی ہے وہ کہتے ہیں کہ تشدد ہمارے معاشرے کا مرض ہے ڈاکٹر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ تشدد مغربی معاشرے کا مرض ہے کالونیل ازم اسلامی تاریخ میں نہیں مغرب کی تاریخ سے برآمد ہوا ہے کالے افریقیوں کو غلام بنا کر اپنی صنعتوں کو چلانے کا کام عالم اسلام نے نہیں مغرب نے کیا ہے اسلام نے تو غلام کے اس قدر حقوق رکھے تھے کہ صحابہ کرام خوف آخرت سے کانپتے رہتے تھے اور غلاموں کو رکھنے کے بجائے انھیں آزاد کرنے کو ترجیح دیتے تھے جبکہ تاریخی طور پر اسلامی تہذیب اور معاشرے دنیا میں سرے سے متشدد نہیں رہے ہیں ڈاکٹر صاحب اگر کیمبرج سے شائع ہونے والی مائیکل مین کی کتاب The Dark Side of democracy کا صفحہ ۴۲ اور ۴۵ پڑھ لیں یا فرید زکریا کی کتاب The future of freedom اور امریکی جریدے فارن پالیسی Jan-Feb 2008 میں سی آئی اے کونسل کے نائب سربراہ کا مضمون A world without Islam www.foreign policy.com پڑھ لیں تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ پرتشدد معاشرے اسلامی معاشرے نہیں مغربی معاشرے ہیں اور صرف یہ آج کی بات نہیں صدیوں سے یہی صورت حال ہے۔ اس مضمون میں ان کو تمام حوالے مل جائیں گے مسئلہ یہ ہے کہ جاوید غامدی،، ڈاکٹر خالد مسعود، یوسف قرضاوی، ڈاکٹر ابراہیم موسیٰ نے زندگی میں کبھی مغربی فلسفے اور مغرب کی بہیمانہ تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا یہ جاہل مغرب پر پہلے ایمان لاتے ہیں پھر اس ایمان کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کے اندر کیڑے نکالتے ہیں لیکن جب اس عمل سے سیر نہیں ہوتے تو پھر کیڑے ڈالنے لگتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ کو مسخ کرنے کا کام نہایت منظّم طریقے پر ہو رہا ہے افسوس ہے کہ حضرت والا زاہد الراشدی صاحب کو مصروفیات کے باعث توجہ دینے کی مہلت نہیں ملی ورنہ الشریعہ کے صفحات میں شائع ہونے والے کفر، ضلالت، طغیان گمراہی کا وہ خود ہی نہ صرف قلع قمع کرتے بلکہ ازالہ و امالہ بھی فرما دیتے۔ ڈاکٹر موسیٰ کو مغربی ممالک کے اجتماعی وانفرادی جرائم کا قطعاً علم نہیں ہے۔ مغرب میں جرمیات فن ہے دنیا کے بدترین مجرم مغربی معاشروں نے پیدا کیے ہیں وہاں جرائم کے انسائیکلو پیڈیا تک چھپے ہوئے ہیں۔ امریکہ کی جیلوں میں دنیا میں سب سے زیادہ مجرم قید ہیں۔ ہر چوتھا امریکی زندگی میں کم از کم ایک بار کسی نہ کسی جرم میں ماخوذ ہو کر سزا پا چکا ہے۔ جرم امریکہ اور یورپ میں فن ہے اور اسے لذت کے طور پر برتا جاتا ہے۔ موسیٰ صاحب Eruopean Crime Survey [ECSS] کی روداد پڑھ لیں تو ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ کبھی موسیٰ صاحب Eur Active.com پر جا کر یورپیوں کے جرائم کی داستان پڑھیں جس کے مطابق یورپ کے ایک تہائی سے زیادہ باشندوں کو سڑکوں گلیوں میں چوریوں ڈکیتیوں کا خوف ہے اس غنڈہ گردی کا براہ راست تعلق شراب کے استعمال کی کثرت ہے۔ یورپ کے ۲۱ فیصد شہری مختلف جرائم کا شکار ہو چکے ہیں۔ یونان میں بدعنوانی، سڑکوں پر لوٹ مار کے واقعات، گلیوں میں چھینا جھپٹی عام بات ہے۔ برطانیہ، آئرلینڈ، اسٹونیا، نیدرلینڈ اور ڈنمارک میں جرائم کی

شرح یورپی یونین کی اوسط شرح سے بہت زیادہ ہے یعنی ان ممالک کے ۵۰ فیصد لوگ مجرموں کی دست درازیوں کا شکار ہورہے ہیں۔ موسیٰ صاحب [EUICS] European Crime & Safety Survey کی روداد یں ملاحظہ فرمائیں تو ان کے ہوش اڑ جائیں گے اور وہ عالم اسلام کو مغرب کی پیروی وتقلید کا مشورہ ترک فرمادیں گے۔ رپورٹ کے مطابق آئر لینڈ، سویڈن، جرمنی، آسٹریا، ہنگری، اسپین، فرانس، پرتگال میں عورتوں کو جنسی دہشت گردی [Sexual Terrorism] کا مسلسل سامنا ہے۔ یہ وہ ممالک ہیں جہاں عورت مرد کو آوارگی، آبرو باختگی، فحاشی عریانی لذت طلبی میں برابر کی آزادی حاصل ہے۔ جنسی آزادی پر کوئی پابندی نہیں اس کے باوجود وہاں کے مرد زبردستی ہر عورت سے جنسی تعلق قائم کرنے کی تگ ودو میں کیوں مصروف ہیں؟ زنا کاری کی عام اجازت قوت زنا کو کم کرتی ہے یا بڑھادیتی ہے زیادہ جنسی آزادی کا مطلب مزید جنسی آزادی اور اس آزادی کی کوئی حد نہیں ہے یورپی ممالک کی سیر گاہوں، باغات میں منشیات استعمال کرنے والوں کی کثرت ہے جو سرنج سے منشیات استعمال کرکے انھیں پھینک دیتے ہیں اور ہنگامے مچاتے ہیں۔ یونان، پرتگال، لکسمبرگ، اسپین، اٹلی، فن لینڈ، سویڈن، ہنگری ڈنمارک میں منشیات سے ملحق جرائم کا کوئی شمار نہیں۔ روداد کے مطابق یونان، پولینڈ، ہنگری، اسٹونیا، فن لینڈ، برطانیہ، سویڈن، نیدرلینڈ اور آئر لینڈ میں سرکاری اہل کار سرکاری کام کے لیے رشوتیں طلب کرتے ہیں، نسلی و مذہبی منافرت کا حال یہ ہے کہ ۱۵ فیصد غیر ملکی تارکین وطن کے ساتھ یورپی یونین میں نسلی منافرت برتی گئی۔ اٹلی، پرتگال، یونان اور آسٹریا میں منافرت کی شرح سب سے کم ہے۔ یورپی یونین میں صرف چالیس سے ستر فیصد لوگ جرائم کا اندراج کراتے ہیں اکثریت جرائم کا اندراج نہیں کراتی کہ یہ مغربی طرز زندگی کا معمول ہے۔ تمام یورپی ممالک میں گاڑیوں، موٹر سائیکلوں، کاروں کی چوری، ڈکیتی عام بات ہے۔ جیب کترنے کے واقعات بھی عام ہیں۔ گاڑیوں میں سے سامان چرانے کی شکایت بھی ہیں۔ Europian Journal on Criminal Policy & Research میں شائع ہونے والے اعداد وشمار کے مطابق جنسی جرائم مردوں عورتوں بچوں کے خلاف عام ہیں۔ زنا کی قانونی تعریف ابھی تک متعین نہیں ہوئی ہے۔ ہر سال تعریف بدل جاتی ہے۔ جنسی جرائم سے سویڈن میں ۱۸ فیصد آبادی متاثر ہے۔ دیگر یورپی ممالک میں یہ شرح ۶ فیصد ہے۔ سویڈن میں ۱۹۶۵ء میں Rape withing marrige کو جرم قرار دیا گیا ہے یعنی مرد عورت کی رضا کے بغیر اس سے مجامعت نہیں کرسکتا۔ ایسا کرنا جرم ہے قانون کے تحت سویڈن میں عورت مرد کے ساتھ زنا کرسکتی ہے پہلے صرف یہ جرم مرد کرتا تھا ہر مہینے زنا کاری کے ۱۵۰ مقدمات درج ہوتے ہیں، زنا کاری قابل دست اندازی پولیس یا ریاست جرم نہیں جب تک مدعی شکایت نہ کرے ریاست اسے جرم نہیں سمجھتی، اگر چھ ماہ کے اندر مقدمہ درج نہ کرایا جائے تو مدعی مقدمے کا حق کھو دیتا ہے۔ موصوف United nations Interregional Crime and Justice Research Institute [UNICRI] کی رپورٹ ملاحظہ کریں جس میں تمام جرائم کے اعداد وشمار موجود ہیں۔ ڈاکٹر موسیٰ مغرب سے بے حد مرعوب ہیں جس طرح الشریعہ کے مستقل کالم نگار جناب پروفیسر انعام الرحمان صاحب اور جاوید غامدی صاحب کی مرعوبیت چھپائے نہیں چھپتی ان بے چاروں کو معلوم نہیں کہ وہ جن مغربی اقدار، جس سائنس وٹکنالوجی جس آزادی اظہار رائے کی تائید کررہے ہیں اس کے نتیجے میں مغرب تباہ ہو چکا ہے ۱۵ رمئی کو منائے جانے والے عالمی یوم خاندان [Fathers & Faimilies: Responsibilities & Challanges] کے موقع پر اقوام متحدہ کی جانب سے جاری کردہ اعداد وشمار کے مطابق سویڈن اور امریکہ میں ۵۵ فیصد خاندان ٹوٹ چکے ہیں دونوں ملکوں میں دنیا میں سب سے زیادہ طلاقیں ہوتی ہیں دونوں ملک دنیا کے اعلیٰ ترین ترقی یافتہ اور فلاحی ملک ہیں جس ملک میں سب سے زیادہ ڈیموکریسی، پروگریس ڈیولپمنٹ، فریڈم، ایکویٹی، فریڈم آف ایکسپریشن ہوتی ہے ان ملکوں میں سب سے زیادہ جرائم اور سب سے زیادہ طلاقیں بھی ہوتی ہیں یہ اس ترقی کی قیمت ہے جو غامدی جیسے جہلاء کو بہت اچھی لگتی ہے۔ غامدی صاحب بتائیں کہ مغرب کے یہ روشن خیال انسان بیوی شوہر کو برداشت نہیں کرتے تو یہ Tolerant کیسے ہوگئے جو بیوی کو برداشت نہیں کرتا وہ اسلام کو برداشت کرے گا۔ بیلاروس میں ۵۳ فی صد طلاقیں، فن لینڈ ۵۱ فی صد لکسمبرگ ۴۸ فیصد، اسٹونیا ۴۷ فی صد، ڈنمارک ۴۵ فی صد بلجیم ۴۴ فی صد، آسٹریلیا

میں شرح ۴۳ فی صد ہے ناروے، روس، برطانیہ اور چیکوسلوا کیہ میں طلاق کی شرح ۴۰ فیصد ہے ترقی اور فلاح کس طرح روایات پر اثر انداز ہوتی ہے اس کی مثال سرحد، پنجاب، بلوچستان اور سندھ و کراچی میں آبادی کی شرح سے لگایا جا سکتا ہے سب سے زیادہ ترقی جمہوریت کراچی اور سندھ میں ہے لہذا سب سے زیادہ جرائم طلاقیں خاندانوں کی ٹوٹ پھوٹ یہاں ہے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاپولیشن اسٹڈیز کے مطابق صوبہ سرحد میں خاندان کی اوسط آبادی ۸ افراد، پنجاب میں ۷ فراد، بلوچستان میں ۷ افراد، اور سندھ میں ۶ افراد ہے عالمی بینک کے عالمی معیار خاندان پر کراچی اور سندھ اترتا ہے جہاں ایک خاندان ۶ افراد پر مشتمل ہے اسی ادارے کے مطابق پاکستان کے شہروں میں ۵۰ فی صد مشترکہ خاندان ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں شہروں کی آبادی بڑھانے کا عالمی استعماری منصوبہ یہی تھا اور وہ کامیاب رہا شہر میں کوئی گھر کیا فلیٹ بھی نہیں بنا سکتا کراچی میں گلستان جوہر میں ساٹھ گز کا فلیٹ ۲۴ لاکھ کا ہے میٹروپول میں ۱۰۰ گز کا گھر ۳۶ لاکھ کا ہے کچی آبادیوں میں جھونپڑی تین لاکھ روپے کی ہے یہ جدید سائنسی ترقی ہے جس پر قرضاوی سے لے کر جاوید غامدی تک کو فخر ہے اور وہ اسے عالم اسلام کے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پرندے بھی اپنا گھر رکھتے ہیں لیکن جدید سائنس اور جدید سوشل سائنس و معیشت جس کے قصیدے قرضاوی، عامدی، وحیدالدین، ڈاکٹر منظور احمد، تقی عثمانی صاحب ہمیں سناتے رہتے ہیں یہ منحوس جدید سوشل سائنس اور سائنس اور اس کے پروردہ اسلامی بینک اور اس کی ٹکنالوجی انسانوں کو سکون کا گھر مہیا کرنے سے قاصر ہے شہروں کو آبادی کو کم کر دیا جائے یا نئے نئے شہر آباد کئے جائیں تو یہ مسئلہ تھوڑا بہت حل ہو سکتا ہے اور مغربی صنعتوں کو ترک کر کے روایتی صنعتیں اختیار کی جائیں اس وقت پاکستان میں رہائش کے تمام مسئلے شہروں میں ہیں جہاں کی ستر فی صد آبادی مکان سے محروم ہے جبکہ پاکستان کی دیہاتی آبادی کے ۶۷ فی صد لوگوں کے پاس اپنے گھر ہیں ہم اس شہر کو لے کر کیا کریں جہاں جھونپڑی تین لاکھ کی ہے اس ترقی پر خدا کی لعنت ہونی چاہیے ہمارے گاؤں عظیم ہیں جہاں ہمیں اپنا گھر تو مل سکتا ہے۔

اس مفکر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صدر جارج بش جن پانچ عالمی مفکرین سے بین الاقوامی امور میں مشورہ کرتے ہیں ان میں نیوز ویک کے مدیر فرید زکریا بھی شامل ہیں چار دیگر مفکرین میں برنارڈ لیوس، ہنٹنگٹن، فواد عجمی اور کونڈ الیزا رائس ہیں فرید زکریا نے اپنی کتاب The future of freedom کے باب Islamic Exception میں حیرت ظاہر کی ہے کہ

If Islam is the problem then why is this conflict taking place Now? why did Islamic fundamenalism talk off only after 1979 Iranian revolution? Islam and the west have coexisted for fourteen centuries. These have been periods of war but many more period of peace. Many scholars have pointed out that untill the 1940 minorities and particularly Jews were persecuted less under Muslim rule than under any other majority religion. That is the why Middle East was for Centuries home to many minorities. It is commonly noted that a million Jews left or were expeled from Arab countries after the creation of Israel in 1948. No one asks why so many were living in Arab Countries in the first place [Page 126]

فرید زکریا اور دیگر مغربی محققین کی شہادت ہے کہ اسلامی تہذیب و تاریخ میں ہمیشہ اقلیتوں کو کشادہ دلی کے ساتھ برداشت کیا گیا مصر میں قبطی مذہب والے آج بھی زندہ ہیں حتی کہ فرعون کو ماننے والے بھی موجود ہیں یمن اور شام اور دیگر عرب ممالک میں حضرت عیسیٰ کے زمانے کے راسخ العقیدہ عیسائی [Gentile christan] آج تک موجود ہیں ان کی عبادت گاہیں بھی محفوظ ہیں اسلامی تاریخ و تہذیب میں ہمیشہ مختلف النوع نسلوں مذاہب ثقافتوں کو زندہ رہنے اور وجود کو برقرار رکھنے کا پورا موقع دیا گیا اندلس میں عیسائی اور یہودی نہایت

آزادی کے ساتھ رہتے تھے اندلس تباہ ہوا تو عیسائیوں نے یہودیوں پر شدید مظالم کیے اور یہودی وہاں سے نکل کر ترکی میں آباد ہوئے آج بھی ترکی میں یہودیوں کی بڑی تعداد مقیم ہے صلیبی جنگوں کے بعد بھی عربوں کے علاقوں میں عیسائیوں اور یہودیوں کی آبادیاں جوں کی توں برقرار ہیں مسلمانوں کی تہذیب نے ہمیشہ مختلف النوع تہذیبوں، ثقافتوں اور مذاہب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہے تا کہ ان سب کو دعوت دین کے ذریعے دائرہ اسلام میں لایا جائے اور پیغام حق سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو کیمبرج یونیورسٹی سے شائع ہونے والی کتاب The Dark side of the democracy کے مصنف مائیکل مین کے مطابق

Islam was more internally differentiated and more tolerant. Christanity became the least tolerant of the worlds salvation religions [P.42] All but a small northern endave of the peninsula had been conquered by Islam in 8th and 9th centuries but the Islamic rulers tolerated religious minorities. They may have been more Jews in Spain in the whole of the rest of christion Europe [P.45]

ابراہیم موسیٰ جاوید غامدی اور وحید الدین خان جیسے جاہل مطلق مغرب کے بڑے بڑے فلاسفہ کی کتابیں بھی نہیں پڑھتے اور اسلام کے بارے میں ان کی رائے سے بے خبر ہیں مثلاً سی آئی اے کی نیشنل انٹیلی جنس کونسل کے وائس چیئر مین اور اہم ترین عہدیدار Graham E. Futter کا مضمون A world without Islam جو انگریزی جریدے فارن پالیسی میں شائع ہوا اور انٹرنیٹ پر http//www.foriegn policy.com پر دستیاب ہے اس میں واضح طور پر وہ لکھتا ہے کہ

Let 's start with ethnicity. Without Islam, the face of the region still remains complex and conflicted. The dominant ethnic groups of the Middle East-- Arabs, Persians, Turks, Kurds, Jews, even Berbers and Pashtuns--would still dominate politics. Take the Persians: Long before Islam, successive great Persian empires pushed to the doors of Athens and were the perpetual rivals of whoever inhabited Anatolia. Contesting Semitic peoples, too, fought the Persians across the Fertile Crescent and into Iraq. And then there are the powerful forces of diverse Arab tribes and traders expanding and migrating into other Semitic areas of the Middle East before Islam. Mongols would still have overrun and destroyed the civilizations of Central Asia and much of the Middle East in the 13th century. Turks still would have conquered Anatolia, the Balkans up to Vienna, and most of the Middle East. These struggles--over power, territory, influence, and trade--existed long before Islam arrived.

Still, itï 's too arbitrary to exclude religion entirely from the equation. If in fact Islam had never emerged, most of the Middle East would have remained predominantly Christian in its various sects, just as it had been at the dawn of Islam. Apart from some Zoroastrians and small numbers of Jews, no other major religions were present.

But would harmony with the West really have reigned if the whole Middle East had

remained Christian? That is a far reach. We would have to assume that a restless and expansive medieval European world would not have projected its power and hegemony into the neighboring East in search of economic and geopolitical footholds. After all, what were the Crusades if not a Western adventure driven primarily by political, social, and economic needs? The banner of Christianity was little more than a potent symbol, a rallying cry to bless the more secular urges of powerful Europeans. In fact, the particular religion of the natives never figured highly in the West 's imperial push across the globe. Europe may have spoken upliftingly about bringing Christian values to the natives, but the patent goal was to establish colonial outposts as sources of wealth for the metropole and bases for Western power projection.

And so it ïs unlikely that Christian inhabitants of the Middle East would have welcomed the stream of European fleets and their merchants backed by Western guns. Imperialism would have prospered in the region 's complex ethnic mosaic--the raw materials for the old game of divide and rule. And Europeans still would have installed the same pliable local rulers to accommodate their needs.

Move the clock forward to the age of oil in the Middle East. Would Middle Eastern states, even if Christian, have welcomed the establishment of European protectorates over their region? Hardly. The West still would have built and controlled the same choke points, such as the Suez Canal. It wasn 't Islam that made Middle Eastern states powerfully resist the colonial project, with its drastic redrawing of borders in accordance with European geopolitical preferences. Nor would Middle Eastern Christians have welcomed imperial Western oil companies, backed by their European viceregents, diplomats, intelligence agents, and armies, any more than Muslims did. Look at the long history of Latin American reactions to American domination of their oil, economics, and politics. The Middle East would have been equally keen to create nationalist anticolonial movements to wrest control of their own soil, markets, sovereignty, and destiny from foreign grip--just like anticolonial struggles in Hindu India, Confucian China, Buddhist Vietnam, and a Christian and animist Africa.

And surely the French would have just as readily expanded into a Christian Algeria to seize its rich farmlands and establish a colony. The Italians, too, never let Ethiopia's Christianity stop them from turning that country into a harshly administered colony. In

short, there is no reason to believe that a Middle Eastern reaction to the European colonial ordeal would have differed significantly from the way it actually reacted under Islam.

But maybe the Middle East would have been more democratic without Islam? The history of dictatorship in Europe itself is not reassuring here. Spain and Portugal ended harsh dictatorships only in the mid-1970s. Greece only emerged from church-linked dictatorship a few decades ago. Christian Russia is still not out of the woods. Until quite recently, Latin America was riddled with dictators, who often reigned with U.S. blessing and in partnership with the Catholic Church. Most Christian African nations have not fared much better. Why would a Christian Middle East have looked any different?

And then there is Palestine. It was, of course, Christians who shamelessly persecuted Jews for more than a millennium, culminating in the Holocaust. These horrific examples of anti-Semitism were firmly rooted in Western Christian lands and culture. Jews would therefore have still sought a homeland outside Europe; the Zionist movement would still have emerged and sought a base in Palestine. And the new Jewish state would still have dislodged the same 750,000 Arab natives of Palestine from their lands even if they had been Christian--and indeed some of them were. Would not these Arab Palestinians have fought to protect or regain their own land? The Israeli-Palestinian problem remains at heart a national, ethnic, and territorial conflict, only recently bolstered by religious slogans. And lets not forget that Arab Christians played a major role in the early emergence of the whole Arab nationalist movement in the Middle East;

مغرب کی جن قوموں کوموسیٰ صاحب مہذب اور قابل تقلید قرار دے رہے ہیں ان کے حال سے وہ قطعاً ناواقف ہیں یہ قومیں دنیا کی سب سے زیادہ مجرم قومیں ہیں ان کے یہاں جرائم کی شرح پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے تفصیلات صفحہ ۱۳ والے صفحات ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ جدیدیت سے متاثر ہونے والے وحید الدین خان، جاوید غامدی بغیر کسی مطالعے کے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اسلام متشدد دین ہے اور مغرب نہایت پر امن تہذیب ہے لہٰذا اسلام مغرب سے پر امن رہنے کے طریقے سکھ لے ان جہلاء کو مغرب کی دہشت گردی کی تاریخ کا سرے سے اندازہ ہی نہیں ہے ساحل جون ۲۰۰۵ء اور جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء اس ضمن میں مغرب پر اہم اعداد و شمار پیش کر چکے ہیں۔[۱۹] یورپی یونین کے ماحولیاتی کمشنر Stavros Dimas نے یورپ کے تمام ۲۷ ممالک میں ماحولیاتی آلودگی میں کمی کا دس سالہ منصوبہ پیش کر دیا ہے جس کے تحت آلودگی میں بیس فی صد کمی کی جائے گی یورپ جیسے خطے میں ماحولیاتی آلودگی سے ہر سال تین لاکھ ستر ہزار لوگ موت کا شکار ہو جاتے ہیں ماحول میں صنعتی کارخانوں، چمنیوں، تیل اور گیس کے ذرات کے باعث سانس

کے امراض کی شکایات عام ہیں شدید نزلہ، سانس کی بیماریاں اور دیگر امراض کے باعث ہر سال یورپی یونین کو ماحولیاتی آلودگی سے بچاؤ کے حفاظتی طبی انتظامات پر 161 بلین کے اخراجات کرنے پڑتے ہیں [AP BRUSSELS 14 Apr 2008] یہ حالت اس یورپ کی ہے جہاں ہر طرف سبزہ ہے پودے اور درخت ہیں حفظان صحت کے تحت ماحول کو خوبصورت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے یورپ صنعتی ترقی کی قیمت کینسر، امراض قلب، بلڈ پریشر، شوگر، ڈپریشن اور بے شمار خطرناک و مہلک بیماریوں کی صورت میں ادا کر رہا ہے لیکن عالم اسلام یورپ کے ان تجربات سے سبق سیکھنے کے بجائے صنعتی ترقی کے اسی پہیے کو بالکل اسی طرح عالم اسلام میں چلانے کی کوشش کر رہا ہے جو یورپ کو تباہ کر چکا ہے یورپ کی تقلید میں چین نے گزشتہ پندرہ برسوں میں زبردست صنعتی ترقی کی لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کا آلودگی پیدا کرنے والا دوسرا بڑا ملک بن گیا چین کے دریا، ندی، نالے زہریلے پانی سے بھر گئے سانس لینا دشوار ہو گیا خاندان ٹوٹ پھوٹ گئے میاں بیوی بچے اس صنعتی ترقی کی قیمت ادا کرنے کے باعث ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ماں باپ کی خدمت کرنے والا کوئی نہ رہا اور اس صنعتی ترقی پر اہل اسلام کو فخر ہے دوسروں کی تاریخ سے عبرت پکڑنے اور ان تجربات سے سبق لے کر نئی سائنس کے بارے میں سوچنے کے بجائے ہمارے اسلامی مفکرین مغرب کو ہی رول ماڈل سمجھ رہے ہیں یہ جہالت کی آخری انتہا ہے مغرب صنعتی ترقی کر کے خود کشی کر رہا ہے اور عالم اسلام اس ترقی کی کامل تقلید کو سب سے اہم کام سب سے اہم مقصد زندگی سمجھنے میں کوئی تامل محسوس نہیں کر رہا افسوس یہ ہے کہ ان حقائق کے باوجود یورپ اور اس کے تتبع میں اسلامی ممالک کو یہ نام نہاد صنعتی ترقی بہت عزیز ہے اور اسلام کو عین مطلوب مفتی عبدہ، علامہ اقبال، افغانی، سرسید، وحید الدین اسلام سے اس ذلیل سائنسی ترقی کو ثابت کرتے رہے ہیں جو دنیا کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ [۲۰] ہیری پورٹر کی مصنفہ جے کے رولنگ کے مطابق اس کی کتاب دنیا کی ٦۵ زبانوں میں ۳۵۰ ملین نسخے فروخت کر کے نیا ریکارڈ قائم کر چکی ہے یوروپ میں ''ہیری پورٹر لغت'' بھی منظر عام پر آ گئی ہے تا کہ اس کے مفہوم و مطالب کو عام قاری کے لئے مزید آسان کیا جا سکے رولنگ نے اس لغت Lexicon کے خلاف عدالت میں حکم امتناعی کی کاروائی شروع کر دی تا کہ ہیری پورٹر کے نام پر کوئی اور شخص کاروبار کر کے پیسے نہ کما سکے۔ اسلامی تاریخ میں بے شمار لغات مرتب کی گئیں لیکن کسی لغت نگار نے اس کے حقوق کا دعویٰ نہیں کیا اسلامی تاریخ اور تمام مذہبی تہذیبیں علم کی میراث کو عطیہ خداوندی سمجھ کر اسے مال بنانے اور دولت کمانے کا ذریعہ نہیں سمجھتی تھیں اس لئے مصنف کے حقوق کی روایت مذہبی تہذیبوں کی تاریخ میں ناپید ہے قدیم مذہبی تہذیبوں اور جدید مغربی تہذیب کا تقابلی مطالعہ کتابوں کی حقوق طلبی کے تناظر میں۔ [۲۱] اس معذرت خواہانہ نقطۂ نظر کا جائزہ کہ جو فنون یا کتابیں قرآن کے خادم کی حیثیت سے زیر تعلیم آتی ہیں وہ زمانہ اور احوال کے لحاظ سے بدل سکتی ہیں قرآن ہر زمانے میں ایک رہا لیکن اس کی تفہیمات کا انداز بدلتا رہا جس دور میں مثلاً فلسفہ کا زور ہوا تو قرآن کو فلسفیانہ انداز میں سمجھا گیا جس دور میں تصوف کا زور ہوا تو قرآن کو صوفیانہ انداز میں سمجھا گیا آج سائنس کا دور ہے تو وہ سائنسی رنگ میں تجلی کرے گا اس ساری حقیقت کو میں بطور خلاصہ ان الفاظ میں لا سکتا ہوں کہ ''مسائل پرانے ہوں تو دلائل نئے ہوں۔ [۲۲ فروری ۱۹۴۷ء اسمبلی ہال لکھنو تعلیمی کانفرنس] گویا کل اگر لذت پرستی، افادہ پرستی، مصلحت پرستی الحاد کا دور ہو تو قرآن کو اسی رنگ میں سمجھا جائے گا اسی صہبا میں پیش کیا جائے گا گویا کلام اللہ اپنے مطالب مفاہیم بیان کرنے کے لیے کسی خاص زمان خاص مکان خاص اسلوب بلکہ ہر زمان مکاں میں رائج غالب طرز اظہار کے مطابق اپنے آپ کو ظاہر کرنے پر مجبور ہے وہ خود ناطق نہیں ہے جس عہد میں وہ ہو وہی اس کا نطق ہو گا یعنی قرآن بذات خود خیر الحق تو ہے لیکن یہ خیر اپنے ظہور کے لئے خاص زماں و مکاں میں موجود خاص وسیلوں، طریقوں، اور دلیلوں کا محتاج ہے اس کے بغیر قرآن کا ابلاغ، ادراک، تفہیم ممکن نہیں ہے بنیادی طور پر بناء استدلال ہی غلط ہے اور جو حوالہ دیا گیا ہے وہ سیاق وسباق سے ہٹ کر ہے قرآن اپنے ابلاغ وادراک کے لئے کسی خارجی ذریعے کا محتاج نہیں جس طرح سورج کی روشنی جب روئے زمین پر پڑتی ہے تو اپنے وجود کا احساس ہر کہہ و مہہ کو دلا دیتی ہے ایک اندھا بہرا گونگا جو سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکتا نہ اس کے بارے میں کچھ پوچھ سکتا ہے نہ کہہ سکتا وہ بھی گرمی کی حدت محسوس کر کے اس کے وجود کا ادراک کر لیتا ہے یہ کہنا بھی سراسر غلط ہے کہ

قرآن کو کل سے کاٹ کر جزو کی بنیاد پر سمجھا جائے قرآن ایک کلیت ہے جس میں حدیث جبرئیل کے مطابق ایمانیات الٰہیات، فقہ اور احسان شامل ہیں اس آمیختے سے قرآن کا خاص اسلوب ڈھل کر نکلتا ہے اس میں سے کسی ایک چیز کو لے لینا یا کسی کو کسی پر فوقیت دینا قرآن کا اسلوب نہیں یہ لوگوں کے ذوق کا معاملہ ہے لیکن ایسی یک طرفہ تفسیریں ہمیشہ کار آمد نہیں رہتیں مثلاً عصر حاضر میں قرآن کی سائنسی اور سیاسی تفسیریں لکھنے کی کوشش کی گئی لیکن دونوں اسالیب آخر کار ناکام ہوگئے ظاہر ہے قرآن استخلاف فی الارض کی بات کرتا ہے جو ریاست سیاست کا دائرہ ہے لیکن قرآن کو صرف سیاست طاقت کے لیے مختص کر دینا اس کی روح کے منافی ہے یہ بھی تعلیمات قرآن کا ایک جزو ہے کل نہیں جن لوگوں نے قرآن کو فلسفیانہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی وہ خود آخر عمر میں فلسفے سے کیوں تائب ہوگئے غزالی، رازی سے لے کر شبلی اور اقبال تک فلسفے سے کیوں برگشتہ ہوئے اسلام کے بارے میں تمام معذرت خواہانہ نقطۂ ہائے نظر کا مکمل محاکمہ پہلی مرتبہ۔[۲۲] علمائے کرام اور اہل دین پر ڈاکٹر محمود احمد غازی کے اس الزام اتہام اور دشنام کا جائزہ کہ مساجد کے امام معاشرے میں جا کر محسوس کرتے ہیں کہ جو کچھ علم ہم نے حاصل کیا وہ Irrerelevent ہے جو سوال لوگ کر رہے ہیں ان کا جواب میرے پاس نہیں ہے اس لئے وہ پڑھی ہوئی چیزوں کو Relevent بنانے کے ئے وہاں وہ مسائل پیدا کرتا ہے جو اس کے اپنے مسائل ہیں تا کہ وہ لوگوں کے بھی مسائل بن جائیں جن لوگوں کے مسائل بن جائیں گے تو وہ پوچھیں گے تو میں ان کا جواب دوں گا مثلاً حضور نور تھے یا بشر؟ امام نے ایک مسئلہ پیدا کر دیا رسول اللہ کا ہر حکم واجب التعمیل ہے یہ کوئی نہیں بتاتا لیکن ایک اس پر زور دیتا ہے کہ آپ بشر تھے اور دوسرا اس پر کہ آپ نور تھے وہ نور کا ایک محدود مفہوم بیان کرتا ہے یہ بشر کا محدود مفہوم بیان کرتا ہے اور جب علم کی کمی کی وجہ سے لوگوں کا ایک گروہ اس کام کے لئے تیار ہو جائے گا تو اب امام کی نوکری پکی ہو جائے گی اسے نوکری سے کوئی نہیں ہٹائے گا [ماہنامہ الشریعہ مارچ ۲۰۰۵ء ص ۲۶] ڈاکٹر محمود احمد غازی نے یہ تقریر مولانا سرفراز خان صفدر کے مدرسے کی مسجد میں کی تھی اس تقریر کے ذریعے انھوں نے نہایت پرکاری کے ساتھ دیوبندی اور بریلوی مکاتیب فکر کی زبردست توہین و تنقیص کی ہے اور دونوں گروہوں کو لالچی، حریص، بے علم، جاہل، نوکری کا متلاشی، عوام کو بے وقوف بنانے والا، جدید مسائل سے ناقف اور مدارس عربیہ میں ان کے حاصل کردہ علم کو جہالت، حماقت، نادانی، عصری مسائل سے ناواقفیت کا حامل قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی یہ نہیں بتا سکے کہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء آخر مدرسوں اور مسجد میں امامت و تدریس کے لئے کیوں نہیں آتے کیا یہ طلباء کیا عصری مسائل سے واقف نہیں یہ طلباء کتنے پڑھے لکھے ہیں یہ عصری مسائل کے بارے میں کیا جانتے ہیں انھیں ٹوپی پہنتے ہوئے شرم کیوں آتی ہے اصل بات یہ ہے کہ سیکولر یونیورسٹی خواہ اسلام کا لبادہ اوڑھ لے اس کے بطن سے ایک ایسی مخلوق جنم لیتی ہے جس کو کچھ پتہ نہیں مذہب جس کا مسئلہ نہیں اور جسے عیش وعشرت سے فرصت نہیں لہٰذا یہ نسل مدارس مساجد کا رخ کرنا دنیوی شان و شوکت کے منافی تصور کرتی ہے۔ ڈاکٹر غازی کی جانب سے مدارس و مساجد کے علماء کی تحقیر و توہین کا مفصل جائزہ۔ ڈاکٹر غازی صاحب نے اس تقریر میں مغرب کے بارے میں جو نقطۂ نظر اختیار کیا تھا کراچی میں حضرت زوار حسین شاہ محاضرات کے خطبات میں ''اسلام اور مغرب'' کے موضوع پر یکسر دوسرا نقطۂ نظر اختیار کر لیا ہے ان کے دونوں موقف غلط ہیں ڈاکٹر محمود غازی کے دو متضاد موقف کا جائزہ اور نئے موقف کی حکمت عملی کا تجزیہ [۲۳] الشریعہ میں کراچی کے ایک برخود غلط دانشور سید عماد الدین قادری کا نہایت شرمناک خط شائع ہوا اس کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔ ''ہمارے وارثان منبر محراب! انگریزی سن کر ہی جن کی اکثریت کو غسل شرعی واجب ہو جاتا ہے عربی اتنی ہی سیکھتے ہیں جو شاید جنت کی حوریں بولتی ہوں تو بولتی ہوں کیونکہ منتہائے نظر وہی مقام ہے اور اسی غرض سے ہے اور رہی اردو ذرا کسی دار العلوم میں باوضو ہی سہی جانے کی ہمت تو کر لیجیے اردو کا جنازہ آپ کو دار الافتاء کے باہر ہی رکھا ہوا بے کفن ملے گا۔ [الشریعہ مارچ ۲۰۰۶ء ص ۴۴] اس قسم کی تضحیک آمیز تحریریں ذرائع ابلاغ اور دینی رسائل میں شائع کرا کر علماء مدارس مساجد دینی طلباء کی مسلسل توہین و تذلیل کی جا رہی ہے بہت سی دینی رسائل میں نادانستہ طور پر ایسے مضامین شائع ہو رہے ہیں جو دین کے تصور سے متصادم ہیں یہ سب کچھ ایک باقاعدہ حکمت عملی

کے تحت کرایا جارہا ہے لہٰذا دینی رسالوں کو مقدس چہروں کے نام کے ساتھ آنے والی ایک ایک تحریر کو نہایت احتیاط سے پڑھ کر شائع کرنا چاہیے بہت سی تحریریں نادانستگی میں یا بے پناہ اعتماد کے باعث شامل اشاعت ہوتی ہیں الشریعہ اور دیگر دینی رسالوں میں اہل دین اور علماء کے خلاف شائع ہونے والی تحریروں کا پہلا انتخاب اور جائزہ [۲۴] مصر کے عبدالقادر عودہ، شیخ ابوزہرہ، شام کے شیخ وہبہ زحیلی اور طنجہ کے مفتی عبدالعزیز الصدیق کی ان آراء کا پہلا ناقدانہ جائزہ جس میں انھوں نے غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے قیام کو واجب قرار دیا اور اس وجوب کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی کہ مسلمانوں کے لئے سائنس وٹکنالوجی کی تعلیم وتربیت واجب ہے لہٰذا جن ممالک میں یہ تعلیم معیاری درجہ پر ملتی ہے وہاں قیام واجب ہے علم اور معاشی ضروریات کے لیے دارالکفر کی طرف ہجرت جائز اور وہاں قیام واجب ہے لہٰذا اس میں کوئی ہرج نہیں ان فضلاء کرام کا ناقص خیال یہ بھی تھا کہ یورپ اور امریکہ میں اپنے مذہب پر عمل کی آزادی اکثر اوقات مسلم ممالک کے مقابلے میں زیادہ ہے خصوصاً وہ ممالک جن کے مسلمان ممالک کے ساتھ معاہدے ہیں وہ تو ہرگز دارالکفر قرار نہیں دیے جاسکتے۔ان مسلم فقہا کے اس غلط فتوے کی بنیاد مغرب، یورپ اور جدید قومی ریاستوں کے ظہور کی تاریخ اس تاریخ کی مابعدالطبعیاتی اساس سے کاملاً عدم واقفیت ہے یورپ یا امریکہ کو عہد قدیم کے ہندوستان اور حبشہ یا افریقہ پر قیاس کرنا کاملاً غلط ہے یہ استدلال کہ مسلم ممالک کے مغرب سے معاہدے ہیں ایک بچکانہ استدال ہے مسلم ممالک کی مغرب کے سامنے حیثیت کیا ہے کہ مغرب ان سے معاہدے کرے یہ معاہدے تو محض کاغذی سطح پر جدید قومی ریاستوں کی نام نہاد خود مختاری کو ظاہر موکد اور موثق کرنے کے لیے ہوتے ہیں اس استدلال کی بنیاد یہ نقطۂ نظر ہے کہ اسلامی ممالک نے بڑی جدوجہد سے آزادی کی جنگ جیتی ہے اور استعماری ممالک بلکہ استعماری مغرب سے آزادی حاصل کی ہے انھیں یہ نہیں معلوم کہ مغرب نے سائنس وٹکنالوجی کے ذریعے اور حقوق انسانی کے آفاقی منشور کے ذریعے ایک ایسا مذہب، سیاست، طرزِ حکومت اور طریقہ جہانگیری دریافت کرلیا ہے جس کے بعد اسے کسی ملک کو افرادی قوت کے ذریعے غلام رکھنے کی ضرورت نہیں۔مغرب نے وہ تکنیکی استعداد حاصل کرلی اور وہ نظام سرمایہ داری مذہب بنیادی انسانی حقوق کی آڑ میں دنیا پر مسلط کردیا جو ادارتی تسلط کے تحت ہر جگہ قبول کرلیا گیا اس Institutional Hegemony کا اظہار مارکیٹ، اسٹاک ایکسچینج، سود، پارلیمنٹ، ضلعی نظام، تعلیمی نظام سائنسز، سوشل سائنسز جدید فلسفہ سائنس وٹکنالوجی کے ذریعہ ہوا ہے۔گزشتہ سو سال میں مغربی استعمار نے جس جس ملک کو آزادی دی اس کی تاریخ پڑھ لی جائے تو آزادی صرف ان ملکوں کو عطا کی گئی جنھوں نے مغربی طرز سیاست، طرز معیشت، طرزِ حکومت اور طرزِ مذہب یعنی حقوق انسانی کی بنیاد پر سرمایہ داری کی آفاقی علمیت اور اس علمیت کی سیاسی شکل جمہوریت کو من وعن قبول کرلیا لہٰذا ان ممالک میں اقتدار وفادار غلاموں کے سپرد کرکے مغرب لوٹ گیا تاکہ افرادی قوت کے نقصان سے محفوظ رہا جائے اور سائنس وٹیکنالوجی کے بل پر عالمی استعماریت قائم رہے لیکن بہت سے ممالک کو مغرب نے آزادی کی نعمت اس لیے نہیں دی کہ وہ مغرب کے نئے نظام حکومت وسیاست اور نئے مذہب کو من وعن قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے لاطینی امریکہ میں سالہا سال سے مسلط کردہ امریکی جنگیں اس موقف کی علمی عملی دلیل ہیں عہد حاضر کے مسلم فقہاء مغرب کی جدید تہذیب، جدید مذہب، جدید معیشت، جدید معاشرت کے فلسفیانہ مباحث سے قطعاً ناواقف ہیں دینی مدارس میں جدید فلسفہ وجدید سائنس سرے سے نہیں پڑھایا جاتا اسی لئے عبدالقادر عودہ سے لے کر شیخ وہبہ زحیلی اور علامہ یوسف القرضاوی تک ایسے غیر عاقلانہ اور غیر ذمہ دارانہ فتاوی دیے گئے ہیں جو اسلامی تاریخ وروایات سے سراسر متصادم نظر آتے ہیں اگر وہ مغرب سے بخوبی واقف ہوتے تو جزئیات پر فتوی دینے کی بجائے کلیات پر فتوی دیتے قومی ریاستوں کے قیام اور جمہوری حکومتوں کے لازمی انتظام کے ذریعے کیا مغرب نے ریاست وسیاست کی سطح پر غلبہ دین کا کوئی راستہ چھوڑا ہے جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ قومی ریاست اور جمہوریت کے ذریعے اسلام کا احیاء کرسکتا ہے وہ مغرب کے فلسفہ سیاست ریاست سے قطعاً ناواقف ہے اور اسے چاہیے کہ پہلے سبقاً سبقاً ان مباحث کو پڑھ لے قومی سلطنت اور دارالاسلام ایک ساتھ بیک وقت کیسے قائم رہ سکتے ہیں قومیت تو محدود مقید اور محصور ہوتی ہے اسلام تو امت کی تشکیل کرتا ہے جو عالمی آفاقی ہوتی ہے جس کی بنیاد محبت ہے

اخوت ہے جبکہ قومیت کی بنیاد نفرت بغض حسد ہے یہ کہنا کہ قومی ریاستوں کے قیام کے بعد دارالاسلام کی تعریف پیچیدہ ہوگئی ہے بالبداہت غلط ہے قومی ریاستوں کے قیام کو عین اسلامی ماننے کے بعد اسلامی ریاست اور دارالاسلام کا قیام ناممکن ہوگیا ہے۔ دارالاسلام وہ جگہ ہے جہاں مسلمان تو مسلمان کفار بھی بے دھڑک پناہ لے سکتے ہیں۔ دارالاسلام میں شہریت کی بنیاد اسلام نہیں بندوں کی محبت تھا اس لئے اسلامی خلافت میں یہود وعیسائی حدود جزیرۃ العرب کے سوا تمام جگہوں پر بے خوف نقل مکانی کرتے تھے لیکن خلافت اسلامی میں ریاست وحکومت کی سطح پر مسلمانوں کو غیر مسلمین پر فوقیت حاصل تھی جدید قومی یاستوں میں شہریت کی شناخت قومی اور پیمانہ علاقائی ہو کر رہ گیا ہے۔ ایران کا صدر ایرانی اہل تشیع کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا سعودی عرب پاکستان وغیرہ میں کوئی غیر سعودی غیر پاکستانی اعلیٰ عہدے پر متمکن نہیں ہوسکتا خواہ تقویٰ پرہیزگاری اور بزرگی میں اپنے عہد کا ممتاز ترین فرد ہو] مسلمانوں کی خلافت میں کبھی کسی شہری کے لیے ایک خطہ سے دوسرے خطے تک جانے کے لیے جواز سفر [visa] کی کوئی پابندی نہیں تھی جزیرہ العرب کے سوا خلافت اسلامیہ کے غیر مسلم شہری کہیں بھی سفر اور قیام کر سکتے تھے۔ دارالعہد، دارالامان، دارالصلح کی اصطلاحات کا اطلاق جدید قومی ریاستوں اور خصوصاً امریکہ ویورپ کے مما لک پر کرنے والے فقہا مغرب کے فلسفہ قانون، فلسفہ سیاست، فلسفہ حکومت سے قطعاً نابلد ہیں جدید مغربی مذہب یعنی حقوق انسانی کا منشور [Human Right] اور سرمایہ داری [Capitalism] اس بات کا اعلان کرتے ہیں اور تحریری اعلان کہ خارجی ذریعہ علم سے حاصل ہونے والا علم علم نہیں جہل ہے جو اس ذریعے سے علم حاصل کرتا ہے وہ انسان کی تعریف پر پورا نہیں اترتا ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کو اپنے سے بہتر اور بڑا سمجھتا ہے اپنے برابر نہیں سمجھتا وہ بھی اپنے انسان ہونے کی نفی کرتا ہے اور مساوات کے فلسفے کا انکار کرتا ہے ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو کسی خارجی ذریعہ علم [Revealed Text] کسی روایت [Tradition] کسی فرد کے سپرد کر کے احکامات قبول واخذ کرتا ہے اور اپنی عقلیت [Rational] اپنے نفس [Self] کو مقتدر [Authority] نہیں مانتا ایسا شخص آزاد [Free man] انسان نہیں ہے وہ ایک پابند غلام ہے جو حق تشخص [Right of Dignity] اور حق آزادی [Right of Freedom] کی نفی کرتا ہے اپنے آپ کو آزاد انسان سمجھنے کے بجائے وہ خود کو تاریخ، مذہب، وحی، خدا، رسول، روایت، اقدار، خارجی ذرائع، کا محتاج غلام سمجھتا ہے ایسا شخص انسان کہلانے کا مستحق نہیں اس کا وجود ایک دھبہ ہے لہٰذا ایسے انسان کو قتل کرنا جائز ہے۔ ہر وہ شخص جو مغرب کے حقوق انسانی کے منشور کی شقوں کو مندرجہ بالا تشریح اور روح کے ساتھ تسلیم نہیں کرتا وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں وہ کافر ہے مردود ہے مرتد ہے، واجب القتل ہے اور اگر وہ حقوق انسانی کے منشور کو تسلیم کرنے کے بعد اس میں مذہبی بنیاد پر If یا But، Subject to condition جیسے سابقہ لاحقے اور محاورے کا اضافہ کرتا ہے وہ illebral democrary کا ماننے والا ہے جو مغرب کو قابل قبول نہیں مغرب کو صرف اور صرف لبرل ڈیموکریسی کا مقلد درکار ہے مذہبی، ایرانی، چینی، سعودی، کویتی، جمہوریت مغرب کی نظر میں iIlibral Democracy ہے لہٰذا مغرب کے مذہب حقوق انسانی سے متضاد قوانین رکھنے والی ریاست اور ان قوانین کو ماننے والے لوگ مغرب کی نظر میں مرتد بھی ہیں واجب القتل ہیں مغربی حقوق انسانی کو نہ ماننے والے لوگ اور نہ ماننے والی ریاست کو مغرب کے اصولوں کے تحت زندہ رہنے کا حق حاصل نہیں ہے مغربی مفکرین کے خیال میں جو لوگ جمہوریت اور لبرل ازم کو نہیں مانتے وہ ایک متعدی مرض میں مبتلا ہیں ان کو ختم کر دینا چاہیے اسے لوگوں کے لئے مغرب میں ذمی یا معاہد بن کر رہنے کی بھی گنجائش نہیں مغرب کا صرف ایک نعرہ ایک فلسفہ ایک اصول ہے حقوق انسانی کے منشور کو جوں کا توں قبول کرلو ورنہ مرنے کے لیے تیار رہو اسی فلسفے کے تحت امریکہ میں دس کروڑ سرخ ہندیوں کا قتل عام یوروپی لوگوں نے کیا اور گزشتہ تین سو برسوں میں ایک ارب پچھتر کروڑ لوگ دنیا میں مارے جا چکے ہیں اس کی تفصیل مائیکل مین کی کتاب The Dark Side of the Democracy میں پڑھی جا سکی ہے اس قتل عام کے جواز کا فلسفہ صدر امریکہ جارج بش کے مشیر نیوز ویک کے مدیر بھارت کے شہری فرید زکریا کی کتاب The future of freedom کے باب چار Illiberal Democracy میں پڑھا جاسکتا ہے۔ لبرل جمہوریت سے کیا مراد ہے اس کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرید زکریا نے

لکھا ہے کہ یونان میں سقراط کا قتل اکثریت کے فیصلے سے ہوا۔لیکن یہ فعل جمہوری ضرور تھا لیکن لبرل نہیں تھا'' دوسرے لفظوں میں کسی شخص کو جمہوریت کو یا کسی جمہوری ریاست کو اپنی تاریخ تہذیب مذہب مابعد الطبیعیات، اقدار روایت سے نکلنے والے تصور خیر کی پیروی میں کسی شہری کو سزائے موت دینے کی اجازت نہیں ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عہد، مذہب، روایت، اقدار سے نکلنے والے تصور خیر کو رد کر دے اور پھر بھی زندہ رہے لیکن دوسری جانب مغربی فلسفہ مذہب انسانی حقوق کے تحت کسی شخص کو اپنے مذہب حقوق انسانی کی دفعات کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دیتا اقوام متحدہ کے ہر رکن ملک کے لئے فرض ہے کہ وہ حقوق انسانی کے چارٹر پر دستخط کرے ورنہ اس کے خلاف سخت ترین کارروائی کی جاسکتی ہے دنیا کا کوئی ملک سو فیصد اکثریت کے ساتھ اپنے ملک میں جمہوریت کو ختم کر کے کوئی دوسرا نظام رائج نہیں کرسکتا کیونکہ جمہوریت ایمانیات اعتقادات اور مغربی الٰہیات کا حصہ ہے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔کسی ملک کے لوگ سو فی صد اکثریت سے یہ قانون نہیں بناسکتے کہ ہم آزاد [free] نہیں ہیں ہم نے اپنی آزادی ترک کر کے اللہ اور اس کے رسول کی غلامی اختیار کر لی ہے آزادی بنیادی قدر ہے خیر ہے حق ہے اسے رد کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔لہٰذا انسانی حقوق کے منشور میں آزادی [Freedom] کا حق آپ کو اس بات کی آزادی اور اجازت نہیں دیتا کہ آپ اپنی آزادی [Right of freedom] اور اپنے ووٹ کے بل پر مغرب کے ایمان عقیدہ [Dogma] جمہوریت کو رد کر دیں خود امریکہ میں امریکہ کے قومی پرندے کو قتل کرنا جرم ہے جس کی سزا سزائے موت ہے اگر عقاب کا پر کسی کی ملکیت سے نکل آئے تو اسے سات سال قید کی سزا دی جاتی ہے کیونکہ مغرب جو آزادی کی بات کرتا ہے اس کی آزادی بھی کسی تصور خیر کو تسلیم کرتی ہے اور اس تصور خیر کو نہ ماننے والوں کو واجب القتل قرار دینے میں حق بجانب ہے اس تناظر میں جدید فقہا کے یہ مباحث نہایت بچگانہ ہیں کہ ''جن ممالک کے ساتھ بین الاقوامی معاہدے میں ان کو دار الحرب میں شامل کرنا شرعی طور پر صحیح نہیں غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں کو اقلیت قرار دینا بھی ٹھیک نہیں مسلمان جن مغربی ملکوں میں آباد ہیں ان کو اپنا وطن اصلی نہ سمجھنا یہ بھی غلط ہے مسلمانوں کا ان ممالک کے قوانین قواعد پر عمل پیرا ہونے میں قیل وقال کرنا دین کی روح کے منافی ہے مثلاً وہاں شعائر اسلامی کے خلاف کاموں میں بہ رضا ورغبت شریک ہوں تا کہ ان سے موانست ومحبت کا رشتہ قائم ہو اگر ان ممالک کی فوجیں مسلمان ممالک پر حملہ کریں تو بلا تردد ان فوجی کارروائیوں میں شریک ہوں تا کہ ان کی حب الوطنی شک وشبہ سے بالاتر سمجھی جائے وہاں کی سیاست میں حصہ لیں یہ نظام کفر کے ساتھ تعاون نہیں ہے نہ مسلمانوں کے انفرادی تشخص کی نفی'' یہ جاہل فقہا بنیادی حقوق کے منشور میں چھپی ہوئی فلسفیانہ بارودی سرنگوں سے سرے سے ناواقف ہیں لہٰذا اس قسم کے جاہلانہ فتوے دیتے ہیں اگر حقوق انسانی کے منشور کی ماہیت اصلیت حقیقت جاننے کے بعد بھی کوئی جاہل یہ کہتا ہے کہ اس منشور کے حامل ممالک کو حربی اور دشمن نہ سمجھا جائے تو ایسے جاہل فقیہہ کی جہالت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے افسوس یہ ہے کہ عالم اسلام کو اس وقت ایسے جاہل فقہاء کی روشنی حاصل ہے...... جدید مغربی فلسفہ کی باریکیوں، نزاکتوں اور حقیقتوں سے ناواقفیت کے باعث اب عالم مغرب اور عالم اسلام میں ایسے جدید اسلامی مفکرین ابھر رہے ہیں جو فقہ اقلیات یا ترقی پسند فقہ یا Progressive fiqah کی اصطلاح کے ذریعے اسلام کی تاریخ بدلنا چاہتے ہیں طٰہٰ جابر العلوانی، لبنان کے خالد عبدالقادر مصر کے یوسف القرضاوی فرانس کے طارق رمضان اس ترقی پسند فقہ کے زبردست مبلغ ہیں۔

مغربی فکر وفلسفہ سے کامل عدم واقفیت کے باعث شیخ مصطفیٰ زرقا، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ یوسف قرضاوی جرمنی کے مفکر احمدی صدقی دجانی تونس کے دانشور راشد غنوشی نے یہ فتویٰ دیا کہ مغربی ممالک میں مسلمانوں کو سیاست میں حصہ لے کر مثبت کردار ادا کرنا چاہیے اور وہاں کے شہری کی حیثیت سے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے۔جمہوری نظام کے قیام کے لئے جدوجہد نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔ یہ فقہاء جمہوریت اور سرمایہ داری کے تعلق سے قطعاً نابلد ہیں۔سرمایہ دارانہ نظام کے بغیر جمہوریت اور جمہوریت کے بغیر سرمایہ داری ایک دن نہیں چل سکتے۔سرمایہ داری کیا ہے؟ اسے مغربی فلسفے کو سمجھے بغیر سمجھنا مشکل ہے اور یہ فقہا فلسفے سے بالکل

ناواقف ہیں۔ جس طرح یہ فقہاء روایت پسند علماء کو جاہل قرار دیتے ہیں۔ انھیں مقلد کہتے ہیں اور قوت اجتہاد سے عاری سمجھتے ہیں لیکن اصلاً یہ فقہاء ان روایتی علماء کے مقابلے میں بالکل ہی جاہل ہیں کیوں کہ یہ مغرب کے فلسفے، قانون، مابعدالطبیعیات سے واقفیت کے بغیر صرف انگریزی پڑھ کر مغرب کے نظام کفر طغیان کی اسلام کاری کر رہے ہیں۔ یہ جاہلیت جدیدہ ہے جو دین کو مسخ کر رہی ہے۔ یہ فقہا مغرب کی سائنس، ٹیکنالوجی، تہذیب، تمدن اور اداروں کے اندھے مقلد ہیں لیکن روایتی علماء کو مقلد ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ اس جہالت، بے حمیتی اور بے غیرتی کا نقطہ عروج ۱۹۹۴ء میں طٰہٰ جابر العلوانی کا فتویٰ اور ۲۰۰۱ء میں شیخ یوسف قرضاوی کا فتویٰ تھا ان دونوں فتوؤں سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان سادہ لوح نادان مذہبی علماء نے کبھی بھولے سے بھی مغربی فکر و فلسفے کی تاریخ اس کے قوانین کے ارتقاء، اس کے سیاسی معاشی معاشرتی نظام کی فلسفیانہ اساس کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ جاہلیت اور ضلالت سے معمور فتوے دیتے ہوئے یہ فضلاء ہزار بار غور کرتے۔ جابر العلوانی نے کہا کہ مسلمان امریکہ کی سیکولر سیاست میں بھرپور حصہ لیں انہوں نے کہا کہ امریکی سیکولرازم مذہب کے معاملہ میں مکمل طور پر غیر جانبدار ہے اسے لادینی نہیں کہا جاسکتا اس جاہل فقیہہ کو یہ تک معلوم نہیں کہ امریکی سیکولرازم کی بنیاد حقوق انسانی کا منشور فیڈرلسٹ پیپر کے بطن سے برآمد ہوا ہے فیڈرلسٹ پیپر کیا ہیں اور حقوق انسانی کا منشور کیا ہے۔ اس منشور کے تحت یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ مذہب کے معاملے میں غیر جانبدار ہے اور لادینی نہیں ہے ایسی بات کوئی اجہل محض ہی کہہ سکتا ہے بنیادی حقوق کے منشور میں مذہب ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے [Private affair] ہے ذات سے مراد فرد کا نفس [Self] ہے اس ذاتی معاملے میں اس کی بیوی بچے ماں باپ گھر والے شامل نہیں ہیں جیسے ہی یہ لوگ یا کوئی اور معاملے میں شامل ہوں گے یہ عوامی معاملہ [Public sphere] ہو جائے گا مغرب صرف آپ کے لیے مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے لیکن وہ کسی خاندان یا اجتماعیت، گروہ کی مذہبی آزادی کا قائل نہیں اگر آپ مذہب کو ریاستی سطح پر نافذ کرنا چاہیں یا مذہب کو اپنے خاندان کے بیوی بچوں پر لاگو کرنے کی کوشش کریں گے تو ریاستی ادارے حرکت میں آجائیں گے اور آپ کو جبراً اس اقدام سے روک دیں گے۔ العلوانی نے یہ بھی لکھا کہ امریکہ میں رہائش پذیر مسلمان فقہ اسلامی کے اعتبار سے اور عقلی طور پر بھی ایک سیکولر ریاست میں اسلامی شعائر کے پابند نہیں ہیں صرف اس حد تک پابندی کی جائے جس حد تک کہ مقامی ریاست اجازت دے فتوے کے اس آخری جملے کا پچھلے جملوں سے موازنہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں مقامی یاست اور قومی ریاست دونوں لادینی ہیں اور دونوں مذہب کے معاملے میں غیر جانبدار نہیں ہیں اسی لیے شعائر اسلامی پر مکمل عمل کی آزادی نہیں ہے۔ اس کے باوجود ڈھٹائی اور بے شرمی سے یہ کہنا کہ امریکی سیکولرازم مذہب کے معاملے میں مکمل طور پر غیر جانبدار ہے جھوٹ ہے کیا کوئی شخص امریکہ میں رہ کر دو تین چار بیویوں سے شادی کرسکتا ہے؟ کیا کوئی شخص امریکہ میں اپنی بیوی کو کہہ سکتا ہے کہ وہ نوکری پر نہ جایا کرے کیا کوئی شخص اپنی لڑکی کو رات کے وقت کسی دوست کے ساتھ باہر جانے سے روک سکتا ہے کیا کوئی شخص اپنی بیوی کو مردوں سے یاری اور آشنائی پر منع کرسکتا ہے کیا کوئی شوہر امریکہ میں اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر اس سے مجامعت کرسکتا ہے اگر وہ ایسا کرے تو امریکی قانون میں یہ جرم ہے اسے maternal Rape کہا جاتا ہے اس کی سزا سات سال قید ہے اور اس جرم کی بنیاد پر عورت مرد سے طلاق لے سکتی ہے طلاق ہوتے ہی مرد کی آدھی جائیداد عورت کو مل جاتی ہے کیا اسلامی قانون میں عورت شوہر کو اپنا نفس حوالے کرنے سے انکار کرسکتی ہے نکاح کا مقصد ایک دوسرے کا لباس بننا ہے لہٰذا عورت کا انکار اس شرعی ذمہ داری کا انکار ہے جو اس پر شرعاً عائد ہوتی ہے کوئی باپ امریکہ میں اپنے بیٹے اپنی بیٹی کو کسی لڑکے لڑکی کے ساتھ گھومنے پر قدغن عائد نہیں کرسکتا۔ شیخ العلوانی تجربہ کر کے دیکھ لیں انشاءاللہ جیل کی ہوا کھائیں گے۔ جابر العلوانی کی گستاخی و جسارت کا نقطۂ عروج ۲۰۰۱ میں افغانستان پر امریکی حملے کے وقت یوسف قرضاوی کے فتوے کی صورت میں سامنے آیا جس میں انھوں نے تمام مسلم امریکی فوجیوں کو کھلی اجازت دی کہ وہ امریکہ کے ساتھ ہر حملے میں شریک ہوں امریکہ دنیا میں جہاں بھی حملے کرے مسلم فوجی موالات وفاداری حب الوطنی، قومی یکجہتی اور مفاد امت مسلمہ کے تحت ان حملوں میں ضمیر کی کسی خلش اور کسی تردد کے بغیر بے لوث طور پر حصہ لیں اس بے غیرت فقیہہ نے اپنے

فتوے میں یہ استثناء بھی شامل نہیں رکھا کہ اگر امریکی فوجیں مکہ مدینہ پر حملہ آور ہوں تو کم از کم ان حملوں میں مسلمان بالکل شریک نہ ہوں۔ قرضاوی کے مطابق اگر دو مسلمان آپس میں لڑیں تو قاتل ومقتول دونوں جہنمی ہیں قرضاوی کے مطابق اس حدیث کا اطلاق مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں پر ہوتا ہے لیکن اگر امریکی مسلم امریکی فوج میں شامل ہو کر کسی مسلمان ملک سے لڑنے جاتا ہے تو اس حدیث کا اطلاق دوسرے مسلمان سے لڑنے والے امریکی مسلم فوجی پر نہیں ہوگا دوسرے لفظوں میں اگر قاتل امریکی فوج میں شامل ہو کر اپنے مسلمان بھائی کو مقتول کر دے تو یہ قاتل جنتی ہوگا دوسرے معنوں میں مقتول جہنمی ہوگا گویا امریکہ سے مفاہمت وموالات کے نتیجے میں صرف دنیا ہی نہیں آخرت بھی محفوظ اور جنت کی ضمانت موجود ہے۔ اس جہالت، جاہلیت اور بے غیرتی کا نکتہ عروج عالم اسلام کے اس سب سے بڑے فقیہہ کا تازہ ترین فتویٰ ہے جو BBC لندن سے گیارہ اپریل کو نشر کیا گیا ہے جس میں شیخ قرضاوی نے تھوڑی مقدار میں شراب کو جائز قرار دیا ہے۔ اعشاریہ پانچ فی صد شراب کی مقدار کا استعمال خلاف اسلام نہیں اس فتوے کی بنیاد انھوں نے پیغمبرؐ کی اس حدیث کو بنایا ہے کہ ''اگر بڑی مقدار میں شراب انسان کو مدہوش کرے تو اس کی کم سے کم مقدار بھی ممنوع ہے۔ [BBC Urdu.com 20:56PST 15:56GMT جمعہ گیارہ اپریل ۲۰۰۸ء] قرضاوی کے اس فتوے کے ذریعے فقہ کا یہ اصول بھی کالعدم ہو جاتا ہے کہ ''گناہ کا مقدمہ بھی حرام ہے'' اس فتوے کی رو سے آنکھ کان ہاتھ زبان کا زنا بھی حلال ہو جاتا ہے جس شخص نے نکاح المیسار کے نام سے زنا کاری اور متعہ کو حلال قرار دیا ہو اس سے کیا بعید ہے کہ وہ جلد ہی زنا کو بھی عصر حاضر کا تقاضہ اور عہد حاضر کی ضرورت قرار دے کر حلال قرار دے دے ہر وہ فقیہہ اور مفتی جو مغرب کے فلسفے بنیادی حقوق کے منشور کی مابعد الطبیعیات اور سرمایہ داری سے واقف نہ ہو اسے اسلام ومغرب کے بارے میں فتویٰ دینے کا حق نہیں وہ پہلے مغرب کو پڑھے سمجھے پھر فتوے دے جو مغرب کے بارے میں جاہل ہو اس کے فتوے کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ منشور انسانی حقوق کے امریکی لبادے میں امریکی سیاست معیشت میں شمولیت کے ذریعے اسلام کا وجود پگھلنے کو ہے اس مقصد کے لیے حرارت مہیا کرنے کا ذمہ ان جعلی فقہاء نے لیا ہے۔ جب کوئی شخص ذلت میں گرنے پر آمادہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بدترین ذلت تک پہنچا دیتا ہے افسوس یہ ہے کہ ابھی تک عثمانی، قرضاوی اور العلوانی جیسے فقہاء کے خلاف کوئی عالم وفقیہہ نہیں اٹھا مغرب سے ناواقف ان نادان مفتیوں نے امت کا حال ابتر کر دیا ہے عالم اسلام میں یوسف القرضاوی جیسے فقہاء کے افتاء وآراء کا پہلا محققانہ جائزہ۔ [۲۵] اس سوال کا جائزہ کہ مسلمان عالم اپنی تہذیب کی اسلامی خصوصیات کو تباہ کئے بغیر ان بے شمار مسائل سے کیوں کر نمٹ سکتے ہیں جن کو حل کرنے کے لئے سائنس وٹکنالوجی کی فنی مہارت نظر بہ ظاہر ضروری نظر آتی ہے کیا مغرب کے نظام اقدار کو الگ کر کے اس کی سائنس وٹکنالوجی سے استفادہ کرنا ممکن ہے کیا سائنس وٹکنالوجی مجرد اشیاء ہوتی ہیں جن کا اقدار وروایات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جبکہ مغرب کے بڑے بڑے فلاسفہ جدید سائنس وٹکنالوجی کو ایک خاص تاریخ، تہذیب، تمدن، ثقافت، مابعد الطبیعیات سے وابستہ دیکھتے ہیں اور اسے عالمگیر تسلیم نہیں کرتے کیا مغربی سائنس وٹکنالوجی ''ٹرائے کا سپاہی'' نہیں ہے جو آتا ہے تو اپنی روایات، تہذیب، اقدار، اسلوب، رویے، طریقے، طرز حیات کے لشکر کو بھی ساتھ لاتا ہے اور مدِ مقابل کو حیرت ناک شکست دیتا ہے؟ کیا موبائل فون صرف ایک آلہ ہے یا ایک تہذیب، تمدن، ثقافت، تاریخ، زبان، بیان، اسلوب اور نیا طرز زندگی بھی ہے جس نے خیر وشر کے پیمانے بدل ڈالے ہیں خلوت میں تک گناہ کا دائرہ وسیع کر دیا ہے سونے جاگنے کے اوقات کو زیروزبر کر دیا ہے۔ SMS کے ذریعے ایک نئی زبان، نئی تہذیب، خبیث رویے، غلیظ معاشرت، گناہگار طرزِ گفتگو، بے ہودہ اشارے کنائے اور جملے ایجاد کئے ہیں زبان وبیان کی نزاکت اور لطافت کو ختم کر دیا ہے سہولت کے نام پر زبان کا حلیہ بگاڑ دیا ہے تاکہ کم سے کم وقت میں کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ یاوہ گوئی کی جا سکے۔ موبائل فون نے زبان سے طرز گفتگو سے نفاست، طہارت، شرافت کو رخصت کر دیا ہے اس کی گھنٹیوں اور موسیقی نے خانہ کعبہ، مسجد نبوی، مساجد، خانقاہوں کی پرسکون فضاء کو شدید متاثر کیا ہے دنیا اور اس دنیا کے لغو اثرات مذہبی لوگوں پر بھی اس قدر حاوی ہو گئے ہیں کہ وہ ان مقدس مقامات پر آتے ہوئے اپنے فون کی گھنٹی بند کرنا بھول جاتے ہیں یہ غفلت اور

بے گانگی کی انتہا ہی نہیں مساجد کے تقدس کی پامالی بھی ہے مساجد میں مذہبی لوگ نماز کے اوقات میں باہر آ کر فون سننے لگتے ہیں اس فون نے اندرونی پرسکون دنیا کو تباہ کر دیا ہے اس وقت بھی جبکہ ہم اپنے رب کے ساتھ تنہائی میں ہمکلام ہوتے ہیں فون کی گھنٹی ان مقدس لمحات کو پرزہ پرزہ کر دیتی ہے۔اس وقت بھی یہ گھنٹی تباہ کن کردار ادا کرتی ہے جب ہم اپنی خلوتوں میں خود کلامی کی لذت سے لطف اٹھا رہے ہوں۔اس چھوٹے سے آلے نے ہمارے خیالات، افکار، معاملات، معمولات یومیہ ذہن، قلب، فکر و نظر، نقطۂ نظر، طریقے رویے تعلقات سب کو بدل ڈالا ہے اور اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی اس کی تابکاری و تباہ کاری کا اندازہ ہی نہیں ہے ہم تو سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے اس آلے نے ہر شخص کو بخوشی آمادہ کر دیا کہ وہ ہمہ وقت دنیا کے آفات و آلام سے پُر ہنگاموں، شورشوں، شور شغب، سازشوں، دنیا پرستی لذت طلبی موج مستی، زر پرستی، شہوت انگیزی سے اپنی زندگی کا رشتہ خلوت و جلوت میں مسلسل جوڑے رکھے یہ محض اتفاقی حادثہ نہیں ہے اس حادثے نے روح انسانی کو کچل کر رکھ دیا ہے اور بڑے بڑے مذہبی لوگوں کو بھی نہایت سادگی و پرکاری سے بدل کر رکھ دیا ہے۔موبائل فون نے رسول اکرمؐ کے اس ارشاد گرامی ''جو چپ رہا وہ نجات پا گیا''۔کے نتیجے میں پیدا ہونے والے رویے تہذیب مزاج اسلوب شخصیت انداز مابعد الطبیعیات کو تباہ کر دیا ہے اور اب ہر شخص صرف باتیں کر رہا ہے اس فون نے رات کو جلد سونے اور جلد اٹھنے کی اسلامی تہذیبی روایت کا بھی خاتمہ کر دیا ہے کیونکہ سستے فون کی سہولت صرف رات بارہ بجے سے صبح فجر تک دستیاب ہے ہمارے دانشور اور مفکرین یہ بھی سوچنے سے قاصر ہیں کہ چند سال پہلے جب کراچی سے امریکہ چند منٹ کا فون چھ سو روپے میں ہوتا تھا اب صرف دس روپے میں کیسے ہو رہا ہے چند برس پہلے لاہور چند منٹ کی کال چالیس روپے میں ہوتی تھی اب دو سو روپے میں آپ پانچ ہزار منٹ بات کر سکتے ہیں اس وقت پی ٹی سی ایل کا کاروبار محدود تھا لہٰذا لاگت زیادہ تھی حالانکہ منافع اس وقت بھی اربوں میں تھا اب صارفین کی بے پناہ تعداد مصنوعی طور پر مہیا کر دی گئی ہے اور مختلف موبائل کمپنیوں نے فراڈ، فریب، دھوکہ دہی پر مبنی ایسے جھوٹے اشتہارات اربوں روپے کے خرچ سے فضاء و ہوا میں پھینک دیے ہیں کہ لوگ اندھا دھند یہ اسکیمیں خریدتے ہیں اور اپنے مال اور قیمتی وقت سے بہ رضا و رغبت محرومی گوارا کر لیتے ہیں امام شاطبیؒ نے الموافقات میں لکھا ہے کہ شریعت کو دین عقل نفس مال اور نسل کی حفاظت مطلوب ہے موبائل فون ان سب کا دشمن ہے اس کے کچھ فوری فائدے اپنی جگہ لیکن فائدے تو شراب سود اور خمر میں بھی ہیں اس کا ذکر قرآن نے واضح الفاظ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے نقصانات اس کے فوائد سے بہت زیادہ ہیں فائدہ اگر نہ بتایا جائے تو موبائل کون خریدے شر میں بھی بہت سے فائدے ہوتے ہیں لیکن اسلام میں کسی چیز کو قبول و رد کرنے کا اصول فائدہ نہیں مقاصد شریعہ کا حصول ہے جو شے اس مقصد سے مطابقت رکھے وہ ٹھیک ہے صارفین نے بخوشی موبائل کمپنیوں کو اپنی متاع، معیشت، اوقات، خلوت، جلوت، غیرت آبرو لوٹنے کی غیر مشروط اجازت دے رکھی ہے۔ جب پی ٹی سی ایل کے فون کے دام زیادہ تھے تو ہماری تہذیب، رویے اور عادات محفوظ و مامون تھے ہمارے سرمایے کا زیاں تھا لیکن اب جب فون کی لاگت برائے نام رہ گئی ہے لیکن اس سہولت کے نتیجے میں ہماری اقدار، روایات، تاریخ، تہذیب، رویوں، اخلاقیات کا جو حشر ہو رہا ہے وہ قابل دید ہے اسراف کی ثقافت نے پاکستانی معاشرے کا احاطہ کر لیا ہے وہ لوگ جن کے گھروں میں پیٹ بھر کر کھانا میسر نہیں ہے وہ بھی مسابقت کی دوڑ میں شرکت کے لئے اشتہارات سے متاثر ہو کر موبائل فون خرید رہے ہیں اور اپنے پاؤں اپنی چادر سے باہر نکال رہے ہیں کم عمر لڑکے اور کم عمر لڑکیاں اسکول کالج یونیورسٹی میں ہمہ وقت موبائل فون پر گفتگو کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اس گفتگو کے لئے اتنا پیسہ کہاں سے آ رہا ہے ماں باپ سوچنے پر آمادہ نہیں کہ ان کی بچی کے موبائل فون کا خرچ کون ادا کر رہا ہے اور کس قیمت پر کیا یہ گفتگو نہایت اہم اور ضروری ہے یا لغو اور لایعنی ہے اس گفتگو کا ایک نتیجہ کراچی کے نجی شفاخانوں میں ناجائز حمل کو گرانے کا وسیع کاروبار عروج پر ہے جہاں کالجوں کی لڑکیاں اپنے کالج کے لباس میں اسقاط حمل کے لیے قطار لگاتی ہیں اور اپنے زیورات بندے چوڑیاں دے کر اس گناہ کی قیمت ادا کرتی ہیں اور گھر جا کر تھانوں میں ڈکیتی اور چوری کی رپورٹ لکھواتی ہیں ایک فون نے تاریخ، تہذیب، اقدار کا سفر معکوس کر دیا ہے اور ہمارے مذہبی مفکرین اور جدیدیت پسند اب بھی سائنس

کے قصیدے پڑھ رہے ہیں فرد، معیشت، معاشرت، اخلاقیات، ایمانیات پر موبائل فون کے اثرات کا جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا ہے۔ ایران میں موبائل فون پچھتر ہزار روپے کا ہے کیوبا میں کاسترو کے عہد تک موبائل فون پر مکمل پابندی تھی صرف اعلیٰ سرکاری حکام کو محدود پیمانے پر استعمال کی اجازت تھی۔ اگر ایران اور کیوبا کے دانشور موبائل فون کے خطرات کا اندازہ کر سکتے ہیں تو ہمارے پاکستانی دانشور، علماء اس آلے کو غیر اقداری کیسے تصور کر رہے ہیں جس آلے نے تہذیب تمدن زبان بیان رویے لہجے اسلوب طریقے سلیقے طرزِ حیات بدل ڈالے ہیں اسے اس قدیم اصول پر پرکھنا کہ ''جو اچھا ہے وہ لے لو جو خراب ہے اسے چھوڑ دو'' ایک احمقانہ تصور کے سوا کیا ہے؟ کیا جدید ایجادات کے نتیجے میں اسلامی تہذیب کا وہ خاص منفرد پہلو محفوظ رہ سکتا ہے اگر نہیں رہ سکتا تو اس کے تحفظ کے لیے کیا اقدامات کیے جا سکتے ہیں کیا متبادل کا فلسفہ یہاں بھی لاگو ہوگا۔ پاکستان جیسے غریب ملک میں آٹھ کروڑ موبائل فون زیر استعمال ہیں دنیا کی سب سے بڑی منڈی پاکستان کو قرار دیا گیا ہے اور موبائل کمپنیوں کا سب سے زیادہ کاروبار پاکستان میں ہے کیا قیمتی قومی زرمبادلہ کو صرف بولو، بولتے رہو جو چاہے بولو، کہو اور خوب کہو، دل کھول کر بولو جیسے احمقانہ فلسفے کے فروغ کی خاطر تباہ کیا جا سکتا ہے؟ موبائل فون کے کثرت استعمال نے لوگوں کے میل جول محبت آمیز تعلقات اور ملاقات کی روایات کو ختم کر دیا ہے البتہ نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کے میل جول کے سینکڑوں طریقے نکل آئے ہیں جو رفتہ رفتہ ناجائز جنسی تعلق میں تبدیل ہو کر حرامی نسلوں میں اضافے کا سبب بن رہے ہیں ماں باپ موبائل فون کی آفتوں سے ناواقف ہیں یا بہت سادہ لوح ہیں غریب لوگوں نے بھی فخریہ طور پر اپنے بچوں کو یہ فون دلا دیے ہیں اس کے نتیجے میں ایک عجیب نسل پروان چڑھ رہی ہے موبائل فیملی کے نام سے جعلی فیملی بنائی جا رہی ہے جس کے اشتہارات اخبارات میں چھپ رہے ہیں لڑکے لڑکیوں کو آوارگی آبرو باختگی سکھانے کے لیے راتوں کو سستے سے سستے پیکج فراہم کیے جا رہے ہیں تاکہ وہ برقی جنسی نشے میں گرفتار ہو کر موبائل کمپنیوں کے کاروبار میں اضافہ کریں اس نشے کی خاطر بچے ماں باپ کے پیسے چراتے ہیں امیر رشتہ داروں کے گھر میں چوریاں کرتے ہیں دوستوں کا مال چوری کرتے ہیں اور اگر یہ راستے بند ہو جائیں تو اپنی عزت کا سودا کرنے پر بخوبی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ موبائل کمپنیوں نے صرف آٹھ ہزار افراد کو روزگار فراہم کیا ہے لیکن اربوں روپے کا زرمبادلہ بیرون ملک منتقل کیا اور پاکستان کی مذہبی تہذیبی اخلاقی اسلامی اقدار کو چند سالوں میں اسطرح تہس نہس کر دیا ہے کہ اب کھربوں روپے خرچ کر کے بھی ان اقدار و روایات رویوں کی بحالی ممکن نہیں ہے کیا موبائل فون مقاصد شریعت کے لئے سازگار ماحول فراہم کر رہا ہے اس کے استعمال سے کیا ہمارا دین عقل، نفس، مال، اور نسل کی حفاظت ممکن ہے اگر مقاصد شریعت کی حفاظت اس فون کے استعمال سے ممکن نہیں ہے تو کیا کیا جائے کیا تقی عثمانی صاحب کے متبادل کے فلسفے پر عمل کیا جائے کہ آخر اس کا متبادل کیا ہے چند سال پہلے جب موبائل فون نہیں تھا اور اس سے پہلے ۱۹۷۰ء میں جب عام فون بھی لوگوں کو دستیاب نہ تھا تو زندگی کیسے بسر ہوتی تھی؟ ۱۹۷۳ء تک پاکستان میں فریج کی درآمد پر پابندی تھی تب لوگ برف اور فریج کے بغیر گرمیاں کیسے گزارتے تھے۔ جدید سائنس وٹکنالوجی کے ہولناک اثرات کا مفصل جائزہ۔ [۲۶] جدید فلسفہ مغرب، جدید سائنس وٹکنالوجی اور جدید فلسفہ معیشت یعنی سرمایہ داری کے تال میل نے کرہ ارض کے تمام انسانوں کو فطری زندگی فطری غذا فطری ماحول سے محروم کر دیا ہے اور انسان کو ایسی آلودگی، غلاظت اور گندگی میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ صاف کھلی فضاء میں سانس نہیں لے سکتا اور صاف اور غیر زہریلی غذائیں نہیں کھا سکتا ذخیرہ اندوزی کی غیر معمولی صلاحیت ٹکنالوجی کے ذریعے حاصل کرنے کے نتیجے میں اشیاء کی قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں اور عام آدمی کے لیے ان کا خریدنا ممکن نہیں رہا مثلاً نیسلے کمپنی جو دنیا میں دودھ کا سب سے بڑا کاروبار کرتی ہے اور سوئٹزرلینڈ میں دودھ کے بہت بڑے بڑے فارم ہیں لیکن سوئزرلینڈ میں نیسلے تازہ دودھ سات سو روپے فی لیٹر بیچتی ہے یہ تازہ دودھ بھی ڈبوں میں خوشبو اور بالائی کے بغیر ملتا ہے اور اس دودھ کی خشک شکل صرف آدھی سے بھی کم قیمت میں فروخت کرتی ہے ایک ایسا ملک جہاں چاروں طرف ہریالی ہے اور جانوروں کے باڑے ہی باڑے ہیں وہاں کا انسان تازہ دودھ خریدنے کے قابل نہیں ہے پاکستان میں نیسلے کمپنی ایک لاکھ ۲۵ ہزار کسانوں سے روزانہ دودھ خرید لیتی ہے اور یہ دودھ جو دیہاتوں میں بیس روپے لیٹر عام

لوگوں کو مل جاتا تھا اب نیسلے کمپنی کے ذریعے ساٹھ روپے فی لیٹر فروخت ہو رہا ہے دیہاتوں میں تو تازہ دودھ میسر ہی نہیں ہے مہمانوں کو دیہاتی میزبان اب نیسلے پیش کرتے ہیں اور تازہ دودھ لسی مکھن کے بجائے پیپسی، کوک سے مہمان نوازی کرتے ہیں اگلے چند برسوں میں دودھ کی تمام دکانیں بند ہو جائیں گی اور لوگوں کو بالائی والا تازہ دودھ نہیں ملے گا کیونکہ غیر ملکی دودھ کی کمپنیاں تمام دودھ براہِ راست خرید لیں گی بلکہ بیس پچیس سال بعد شاید تازہ سبزیاں اور گوشت بھی نہ ملے کیونکہ کارپوریٹ فارمنگ کے آغاز کے بعد کمپنیاں تمام زرعی زمینیں خرید لیں گی اور سبزیاں بھی زہریلے کیمیائی مادوں کے ساتھ پلاسٹک کی تھیلیوں میں دکانوں پر دستیاب ہوں گی سبزی کی دکانیں ختم ہو جائیں گی۔ پنجاب کے مختلف اضلاع میں نہایت سستی زمینیں مصنوعی اونچے داموں پر نہایت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت خریدی جارہی ہیں تاکہ زراعت اور زرعی مصنوعات پر چند بڑے لوگوں اور بڑی بین الاقوامی کمپنیوں کا قبضہ ہو جائے اور کارپوریٹ کلچر کے نام پر پاکستان کی زرعی اجناس وزرعی معیشت اپنی فطری زندگی سے ہٹ کر مغربی طرز کی سائنس وٹکنالوجی میں ڈھل جائے وہ دن دور نہیں جب پاکستانی خوشبو اور بالائی والے دودھ، ملائی والے تازہ دہی اور تازہ سبزیوں کو ترسیں گے اور انھیں لسی بھی نیسلے دودھ کی میسر ہوگی۔ یہ تمام دودھ زہریلے کیمیائی مادوں سے بھرے ہوئے ہیں جس کے باعث ان کا فطری قدرتی ذائقہ ختم ہو جاتا ہے۔ خوشبو ضائع ہو جاتی ہے اور عجیب سا کیمیائی ذائقہ وجود پذیر ہوتا ہے جو کھانے پینے کی لذت کا قاتل ہے۔ کراچی میں امیر گھرانے عموماً صبح کے وقت بچوں کو کیمیائی مادوں سے بنے ہوئے پھلوں کے رس اور کیمیائی دودھ پلاتے ہیں ایک خاندان کی خاتون خانہ نے نیسلے کے نارنجی رس [Orange Juice] کے ڈبے اپنے بیٹے کو دو مہینے تک صبح پلائے تاکہ وٹامن سی حاصل ہو دو ماہ بعد بچے کی جلد کی رنگت تبدیل ہو کر نارنجی کے رس کی طرح پیلی اور گلابی ہوگئی بچے کو ماہر ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا کئی امتحانات کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ رس میں ملا ہوا کیمیائی رنگ بچے کے جسم میں جذب ہو کر اس کی کھال پر نقش ہوگیا۔ یہ زہریلے کھانے جو انسانوں کے رنگ تک بدل رہے ہیں روحوں پر کس قدر اثر انداز ہوں گے؟ غیر ملکی اور ملکی کمپنیوں کی تیار کردہ ڈبل روٹیاں کسی قسم کے ذائقے سے خالی ہیں نہایت بے ہودہ بدمزہ ذائقے پر مشتمل یہ ڈبل روٹیاں لوگوں میں اس لئے مقبول ہیں کہ ناشتے میں سستی پڑتی ہیں بچے ایک دو توس سے زیادہ نہیں کھا سکتے کئی مہینے تک ٹھیک اور بالکل نرم رہتی ہیں ان کے زندگی [Shelf Life] بہت طویل ہے لہٰذا ان کا ذخیرہ کیا جاسکتا ہے اس کے برعکس چھوٹی بیکریوں کی بھٹی میں تیار کردہ تازہ ڈبل روٹیاں نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں اگر یہ روٹی تازہ اور گرم ہو تو بچے پانچ چھ توس سے زیادہ روٹی کھا لیتے ہیں ایک دن کے بعد یہی ڈبل روٹی سخت ہو جاتی ہے تین دن کے بعد اس میں پھپھوند لگ جاتی ہے کیونکہ کوئی کیمیائی مادہ استعمال نہیں کیا جاتا کھانے کی صنعتی ترقی نے بہ ظاہر انسانوں کو سہولتیں مہیا کردی ہیں لیکن یہ سہولتیں انسانوں کے جسموں اور روحوں کی قاتل ہیں نہ صرف انسان آلودہ ہو رہا ہے بلکہ تمام ماحول ارد گرد اطراف و جوانب آلودگی کا شکار ہو رہے ہیں لیکن ہمارے اہل قلم دانشور اور مفکرین ان موضوعات پر سوچنے بولنے لکھنے اور غور کرنے کے لیے تیار نہیں ایک اہم جائزہ۔ [۲۰] اکثر مسلم حکومتیں اور انقلابی اسلامی جماعتیں اس نکتے پر زور دیتی ہیں کہ زیادہ سائنس کا مطلب ہے زیادہ طاقت لہٰذا مسلمانان عام کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ ٹکنالوجی میں ترقی کر کے سائنس و ٹکنالوجی کا مقابلہ کر کے مغرب سے آگے نکل جائیں جس طرح جاپانی کارسازی کی صنعت میں امریکہ سے آگے نکل گئے [لیکن کیا جاپانی فی الحقیقت امریکہ سے آگے نکل گئے؟ یا امریکہ کی تقلید میں امریکہ سے پیچھے رہ گئے؟] کیا جدید سائنس وٹکنالوجی کی مابعد الطبیعیات، تاریخ، پس منظر، فلسفے اس کے تباہ کن اثرات جانے بغیر اس قسم کے احمقانہ اور صحافیانہ بیان دینا کوئی عقل مندی ہے؟ لیکن اس قسم کے احمقانہ بیانات چین، ملیشیا، برازیل، جاپان، تائیوان کے بارے میں عام طور پر آپ پاکستانی اور غیر ملکی دانشوروں سے روزانہ سنیں گے۔ جدید سائنس وٹکنالوجی کے نتیجے میں کس قدر ہولناک مسائل مغرب میں پیدا ہو گئے ہیں اس کا اندازہ مغربی فلاسفہ کی تحریروں سے کیا جاسکتا ہے لیکن پاکستانی قوم اور امت مسلمہ یوسف قرضاوی سے لے کر پاکستان کے سب سے بڑے جعلی فلسفی، ڈاکٹر منظور احمد [پاکستان کے سب سے بڑے فلسفی نے اپنی زندگی میں آج تک فلسفے پر ایک کتاب نہیں لکھی] اور جاوید غامدی و وحید الدین خان تک ان مباحث

سے ناواقف ہے اور جدید سائنس کے قصیدے پڑھنے میں مصروف ہیں جدید سائنس کو قبول کرنے سے پہلے اس کی تاریخ ، مابعد الطبیعیات ،مغرب میں اس کے ظہور کے خاص اسباب خصوصا عیسائیت اور یونانی فلسفے وسائنس کا باہمی تعلق اس تعلق کے نتیجے میں عیسائی الہیات وعقائد میں یونانی سائنسی فلسفیانہ افکار کی پیوند کاری کلیسا کا جبر وتشدد پروٹسٹنٹ ازم کا فروغ، مغربی استعماریت اور نو آبادیوں کا قیام، غلام قوموں سے دولت کی لوٹ مار وغیرہ۔ جدید سائنس کی ترقی کے بنیادی مباحث ہیں لیکن ہمارے دانشور اس پس منظر و پیش منظر اور تہہ منظر سے سہو نظر کر کے جدید سائنس کے قصیدے پڑھنے میں مصروف ہیں مغرب کی سائنس وٹکنالوجی میں سے کیا لیا جائے اور کیا چھوڑ دیا جائے یہ ایک اہم ترین مسئلہ ہے اگر مغرب کی جزوی یا کلی تقلید کی گئی تو ہم بھی مغرب کی طرح اخلاقی روحانی مالی معاشی خاندانی اور ماحولیاتی طور پر تباہ و برباد ہو جائیں گے جدید سائنس کی فلسفیانہ اساس سے بے خبری عہد حاضر کا المیہ ہے جدید سائنس کو اسلام کے تصور کائنات ، حقیقت مطلقہ کی ماہیت کی مابعد الطبیعی معرفت کی روشنی میں پرکھے جانچے اور دیکھے بغیر اس کی اسلام کاری ایک احمقانہ اور جاہلانہ رویہ ہے جدید سائنس وٹکنالوجی کی موجودہ ترقی اس کے سرمایہ داری سے خصوصی تعلق کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر سرمایہ داری سود، سٹّہ ، اور منافع خوری کے عناصر کو جدید سائنس وٹکنالوجی سے الگ کر دیا جائے تو جدید سائنس کا غبارہ ایک لمحے میں پھٹ جائے گا جدید سائنس وٹکنالوجی سے کیا لیا جائے اور کیا ترک کیا جائے اب اتنا آسان مسئلہ بھی نہیں ہے آزاد تجارت [Freetrade] کے فلسفے کو قبول کرنے کے بعد کیا یہ ممکن ہے کہ کچھ لیا جائے اور کچھ نہ لیا جائے اب تو ان درآمدات پر محصول عائد کرنے کا اختیار بھی WTO کے تحت جبراً ختم کر دیا گیا ہے جدید سائنس کی مابعد الطبیعیات کا مفصل جائزہ۔ [۲۷] اس اعتراض کا جائزہ کہ ڈاکٹر وقار حسینی، ڈاکٹر ریاض کرمانی، ضیاء الدین سردار، وغیرہ جو اسلامی سائنس کے زبردست علم بردار ہیں مغربی سائنس اور قدیم سائنس کے درمیان ان بڑے اختلافات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں جو تیرہویں صدی میں پیدا ہونے والی جدید مغربی سائنس کی فکری اساس اور اسلامی فکر و دانش کے درمیان پائے جاتے ہیں یہ مفکرین ثابت یہ کرتے ہیں کہ مغرب سے زیادہ سائنسی ترقی اسلام میں تھی اور اسلام دنیا کی سب سے جدید سائنسی تہذیب تھی اور اسلامی ریاست کا کام ہی ایک سائنٹفک ماڈل مہیا کرنا ہے یہ لوگ تقلید کی شدید مذمت کرتے ہیں اور اسلامی تاریخ کے ان لوگوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں جن کی اسلامی تاریخ میں کوئی خاص اہمیت نہیں کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ ان حضرات نے جدید وقدیم فلسفے کا گہرا مطالعہ نہیں کیا ہے خصوصاً کانٹ کے فلسفے سے یہ لوگ کامل آگہی نہیں رکھتے جس نے فلسفے اور مذاہب کی قدیم تاریخوں سے کٹ کر ایک نئی کائنات نئے انسان کی تخلیق کی اور ایک نئی مابعد الطبیعیات کو جنم دیا جس نے قدیم مابعد الطبیعیاتی تصورات کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے جدید انسان اور جدید سائنس کی جو فلسفیانہ بنیادیں کانٹ نے فراہم کیں اس پر ناقدانہ نظر کے بغیر کیا ہم جدید سائنس کی تباہ کاریوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ کانٹ کے فلسفے کی روشنی میں عہد جدید، جدید انسان اور جدید سائنس کا جائزہ۔ جو حق کی تلاش کا سفر ترک کر کے حق کی تخلیق کا فریضہ انجام دے رہی ہے کیونکہ کانٹ نے دنیا کو بتا دیا کہ حقیقت وہ ہے جو میرے ذہن میں ہے لہٰذا کائنات کو اپنے ذہن کے مطابق ڈھالنے اس سے ہم آہنگ کرنے اور اس ذہن کے مطابق کائنات کی تشکیل تعمیر کا فریضہ جدید سائنس انجام دے رہی ہے۔ [۲۸] وحیدالدین خان کی کتاب مذہب اور جدید چیلنج، ڈاکٹر رفیع الدین کی کتاب ''اسلام اور سائنس'' اور علم جدید کا چیلنج''، ''اسلام اور سائنس کے بارے میں سید قطب کے افکار جو فی ظلال القرآن میں جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں شہاب الدین ندوی کی کتابیں قاری محمد طیب کی علیگڑھ میں تقریر ''اسلام اور سائنس'' مولانا عبدالباری ندوی کی کتاب ''مذہب اور سائنس'' اور اس قبیل کی دیگر تمام کتابوں کا مفصل ناقدانہ جائزہ۔ اسلام اور سائنس کے حوالے سے اور عربی، فارسی، انگریزی میں لکھی گئی تمام اہم تحریروں کا اشاریہ اور ان تحریروں میں قابل تنقید پہلوؤں کا بیان اور سائنسی علم کا تعارف مغرب کے فلاسفہ اور سائنس دانوں کے اپنے الفاظ میں تاکہ وحیدالدین اور جاوید غامدی جیسے محقق مغرب کی سائنس کی اسلام کاری سے باز آ جائیں۔ [۲۹] کیا وجہ ہے کہ علامہ اقبال سے جاوید غامدی تک کسی جدید مفکر نے جدید ٹکنالوجی و سائنس کو اقداری [value

F:\Shah\March April 2008\Points

[loaded تصور نہیں کیا بلکہ اسے غیر جانبدار اور غیر اقداری[value nutral] اور انسانیت دوست تصور کیا کسی مفکر نے جدید ٹکنالوجی کے ابلیسی پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہی گوارانہ کی جو سرمایہ داری کی خباثت سے منسلک ہے اور حرص وحسد اور لالچ اس کے ارکان ثلاثہ ہیں اس ابلیسی پہلو نے ابن آدم کے ظاہر و باطن کی روحانی کیفیات کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے جدید سائنس وٹکنالوجی نے بحر و بر کو زہر سے بھر دیا ہے اور دنیا میں سانس لینے کے فطری عمل کو صنعتی فضلوں کی آلودہ فضاء کے ذریعے ایک خطرناک بھیانک اور ہولناک عمل میں بدل دیا ہے۔ عالمِ اسلام میں سائنس کے مداح مقلد ہمنوا، حاشیہ بردار، حامی تو بے شمار ہیں لیکن ان جاہل اسلامی مفکرین میں ہائیڈیگر اور اس کے استاد ہزرل کی سطح کا ایک مفکر بھی نہیں جو یورپی اور مغربی جدید سائنس پر تنقید کر سکے ڈاکٹر منظور اور غامدی کی صفوں میں ولیم میور اور جان رسکن جیسے لوگ بھی نہیں جو جدید ٹکنالوجی کا کڑی تنقیدی مطالعہ کر سکیں۔ علامہ اقبال سے جاوید غامدی وحید الدین خان اور قرضاوی تک تمام مفکرین جو تقلید کے سخت مخالف اور بندشوں کو کھولنے کے کٹر حامی ہیں سائنس وٹکنالوجی اور مغرب کی پیروی میں کامل تقلید پر انحصار کرتے ہیں یہاں ان کی جدت، بدعت، صناعی، طباعی، حاضر جوابی تو کام ترک کر دیتی ہے ان کی قوت اجتہاد مر جاتی ہے اور جدید سائنس پر یہ ایمانیات کی سطح تک یقین کر لیتے ہیں اس کے غالی مقلد بن جاتے ہیں۔ مغرب کی سائنس وٹکنالوجی کے معاملے میں یہ فضلاء ایمان سے اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں اور وہاں سے آنے والے ہر نظریے، خیال، تصور، عمل اور طریقوں کی بلا دلیل تصدیق توثیق تائید کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتے ہیں۔ جدید سائنس وٹکنالوجی اپنا خاص تصور کائنات، تصور انسان، تصور خیر وشر یا دوسرے لفظوں میں اپنی خاص مابعد الطبیعیات رکھتی ہے اور اپنی چکا چوند کے ذریعے ان مابعد الطبیعیاتی تصورات کو انسانوں پر مسلط کرنے کا غیر معمولی طریقہ کار بھی رکھتی ہے کہ جس کے نتیجے میں انسان محض ایک مشین، ایک پرزہ، ایک آلہ بن جاتا ہے اور نفس کا طالب، خواہشات کا حریص، تمناؤں کا داعی، ہوا و ہوس کا راہی بن جاتا ہے تمام مشینیں انسانوں کو ایک مشین بنا رہی ہیں کیا ہم مشین بننے سے انکار نہیں کر سکتے کیا متبادل علوم عقلیہ کی تخلیق اہم نہیں ہو جاتی [سائنس کی اصطلاح کے بجائے علوم عقلیہ کی اصطلاح اسلامی اصطلاح ہے لیکن تفہیم کے لئے سائنس کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے لیکن اس جدید سائنسی اصطلاح کا جو مطلب ہے وہ کسی تہذیب و مذہب میں کبھی قابل قبول نہیں رہا جدید سائنس یا قدیم سائنس کی اصطلاح کے ذریعے بھی یہ فرق واضح نہیں ہو سکتا قرآن نے قارون کے قصے میں قارون کے علم کے لئے علم اور اہل دین کے علم کے لئے العلم کی اصطلاح استعمال کی ہے اصل علم تو علوم نقلیہ ہیں اور علوم عقلیہ تو محض فن کاری ہے] کیا جدید سائنس کو اختیار کرنے میں تاخیری حربے اختیار کیے جا سکتے ہیں جس طرح کیوبا اور ایران نے موبائل فون کے ضمن میں تجربات کیے ہیں؟

[۳۰] اس سوال کا جائزہ کہ اب مغرب تو مغرب مشرق میں بھی لڑکے لڑکیوں کی تعلیم گاہوں میں وہ پہلا سا اسلامی ماحول میسر نہیں ہے جہاں ہماری نوجوان نسل اسلامی روایت کا زندہ تجربہ کر سکے اور اسلامی معاشرت، ثقافت، تہذیب، تربیت کا ایک اسلامی ماحول میں عینی مشاہدہ کر سکے اس کے بغیر نوجوان اسلامی روایت کیوں کر اختیار کر سکتے ہیں اور اسلامی تہذیب و تاریخ میں کیسے جذب ہو سکتے ہیں۔ دوسری جانب اسلامی تاریخ کے دینی مدرسے ایک خاص نہج سے ہٹ کر چلنے کے لیے تیار نہیں ایک زمانہ وہ تھا کہ ان ہی دینی مدارس میں فلسفہ، منطق، سائنس، ریاضیات، فلکیات تک پڑھایا جاتا تھا لیکن گزشتہ چند برسوں میں پاکستان سمیت دنیا کے بہت سے دینی مدارس میں سے ریاضیات، فلکیات، منطق اور فلسفہ خارج کر دیے گئے ہیں یا ان مضامین کی کتابیں اتنی کم کر دی گئی ہیں کہ انھیں پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہو گیا ہے۔ دینی مدرسوں کی تشکیل نو اور تجدید نو کی ضرورت اور مدرسہ کے نظام کا حقیقی اور معتبر احیاء وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے عالم اسلام کے سیکولر تعلیمی اداروں کا حال تو ان مدارس سے بھی بدتر ہے جہاں صرف ایک اسی نسل تیار کی جا رہی ہے جو مادّہ[Matter] کی پرستش اور مادہ [women] کی جستجو میں اپنی زندگی کھو رہی ہے۔ ان دو مادّوں کے حصول کے سوا ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے روایت کے احیاء کے لیے قایم کئے گئے جدید تعلیمی اداروں میں جو دین اور دنیا کی یک جائی کا دعویٰ کرتے ہیں اسلامی تہذیب وتمدن کی روح یعنی سیرت سازی، اخلاقی اقدار، روحانی اوصاف کو منتقل نہیں کیا جا سکا نہ ان اداروں سے نکلنے والی نسل کو اسلامی روایات تعلیم و

تربیت و روحانیت سے منسلک و مربوط کرنے میں کامیابی ہوئی مثلاً جامعہ ملیہ دہلی جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، کلکتہ، الہ آباد، استنبول اور تہران وقاہرہ واسلام آباد کی عالمی جامعات اسلام کو مطلوب تہذیبی شخصیت تیار کرنے میں قطعاً ناکام رہیں۔ان جامعات میں مغرب کے جامعاتی نظام کی کامل تقلید کی گئی استاد وشاگرد میں تحریم وتکریم کا رشتہ ٹوٹ گیا کہ یہاں طالب علم اور استاد صرف پیسہ کمانے کے لئے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ مغربی طرز وطریقہ تعلیم کے ذریعے ہم نے تعلیم کے حصول اور تدریس کے عمل کا مقصد صرف اور صرف پیسے سے وابستہ کردیا ہے یہ رویہ دنیا کی اکیس تہذیبوں کے تعلیمی نظام میں کہیں نہیں ملتا جس کے نتیجے میں استاد شاگرد کا روحانی تعلق اور اس تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والی روحانیت کا قلع قمع ہوگیا دنیا میں اس وقت ایک بھی ایسا مسلم ملک نہیں جہاں اسلامی مدرسہ کی روایت کو ان جدید سیکولر تعلیمی نظام کے حامل اداروں میں منتقل کیا جاسکا ہو مدرسہ اور سیکولر تعلیمی ادارے اور جدید وقدیم کے ملاپ کے مدعی تعلیمی ادارے، مسلم دنیا میں یہ تین تعلیمی نظام ایک چیلنج کا درجہ رکھتے ہیں عالم اسلام کی دینی و غیر دینی یا دین و دنیا کے امتزاج کا دعویٰ رکھنے والی جامعات میں آج تک جدید فلسفے اور اسلامی فلسفے کو بھی سنجیدگی سے نہیں لیا گیا لہٰذا دوسرے علوم عقلیہ کو بھی سنجیدگی سے پڑھنے پڑھانے، سمجھنے سمجھانے کا عمل متروک ہے۔عالم اسلام میں اسلام کے نام پر جو جدید اسلامی جامعات کھلی ہیں وہ خود ایک تماشہ ہیں جہاں شریعت الگ پڑھائی جاتی ہے اور جدید علوم الگ سے پڑھائے جاتے ہیں اس فاصلے ہجر اور دوری کا نام اسلامی یونیورسٹی ہے پاکستان کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اس کی نمایاں مثال ہے اس اسلامی جامعہ سے نکلنے والا کوئی طالب علم کسی مسجد کی امامت اور کسی مدرسے کی مدرسی قبول نہیں کرتا اس کی نظر ان نوکریوں، عہدوں اور مناصب پر ہوتی ہے جہاں گاڑی، دولت اور ایئر کنڈیشنڈ کمرہ میسر ہو آخر ان اسلامی یونیورسٹیوں کی بنیاد میں کونسا زہر رکھا گیا ہے کہ ان سے فارغ ہونے والا اسلامی تاریخ و تہذیب کے دو پیغمبرانہ اداروں مسجد اور مدرسہ سے اس قدر فاصلے پر رہنا پسند کرتا ہے اور سادگی کی زندگی کے بجائے عیش وعشرت کی زندگی کو عین اسلامی سمجھتا ہے۔ان اسلامی جامعات سے نکلنے والی نسل چوں چوں کا مربہ ہے جو نہ دین سے وابستہ ہے نہ دنیا سے بے گانہ یہ عجیب مخمصوں اور خرخشوں کا شکار نسل ہے جو باغباں اور صیاد کو یکساں سطح پر مطمئن اور راضی رکھنے کی کوششوں میں مصروف رہتی ہے یہ نسل اسلامی بنکوں، سرکاری محکموں، اعلیٰ مشاہروں، چکا چوند والی نوکریوں، دنیا سے تمتع کے مکمل مواقع کے حصول کو دینی رویے کے طور پر قبول کرتی ہے اور صرف دولت، کروفر اور تحقیق و منطق کے دائروں میں محصور رہ کر دین کی ترقی کے خواب دیکھتی ہے دین تزکیہ وتصفیہ قلب اور معرفت رب کا نام ہے۔وہ علمی موشگافیوں میں زندگی بسر کرنے کا نام نہیں علم تحقیق دین کے کل کے چند جزو ہیں کُل دین نہیں یونیورسٹیوں سے پیدا ہونے والی نسل دین کی جزئیات کو کل دین تصور کرکے ایک عجیب شخصیت اور رویے کی تخلیق کررہی ہے جو اسلامی تاریخ تہذیب علمیت مابعد الطبیعیات کے لیے غیر معتبر اجنبی اور ناقابل قبول ہے۔جدید دینی و دنیاوی جامعات سے فارغ التحصیل نسل کے اہداف مقاصد اور سرگرمیوں کا پہلا جائزہ اور محاکمہ [۳۱] اس نقطۂ نظر کا ناقدانہ جائزہ کہ اسلامی یونیورسٹی وہ ہوتی ہے جس میں تمام مضامین اسلام کے تناظر میں پڑھائے جاتے ہوں اس کی بہترین مثال مغرب میں ازمنۂ وسطیٰ کے تعلیمی ادارے ہیں اس وقت مغربی یونیورسٹیاں اسلام کے نظام کی بنیاد پر قائم کی گئی تھیں لیکن اصلاً وہ عیسائی جامعات تھیں انہوں نے اسلامی نصابات لے کر بہت سی اسلامی تعلیمی روایات و رسوم اور تدریسی طریقے اختیار کرلیے ان کو عیسائی بنا کر اپنی جامعات میں رائج کردیا انھوں نے اسلامی تعلیمی روایات وطریق کو اپنے دینی وفکری تصورات کے ساتھ مربوط کرلیا اور یوں انھوں نے جو جامعات قائم کیں وہ مکمل طور پر مسیحی تھیں اور مکمل طور پر ان اسلامی اداروں سے بالکل مختلف تھیں جن سے انھوں نے یہ سب کچھ مستعار لیا تھا اس تجربے کی روشنی میں عالم اسلام کو بھی یہی تجربہ اسی طرح دہرانا چاہیے اور مغربی علوم وفنون کو لے کر اپنی دینی وفکری روایات کے ساتھ مربوط کرلینا چاہیے عالم اسلام نے اس طرف توجہ نہیں دی جس کی وجہ سے وسیع عالم عیسائیت عالم اسلام سے آگے نکل گیا اور ہم بالکل پیچھے رہ گئے ہیں اگر ہم مغربی تعلیمی اداروں کا ماحول اسلامی تصورات وافکار ماخذات روایات کے ذریعے نیز انسانی روابط وتعلقات کے ذریعے اسلامی تعلیمی اداروں میں منتقل کردیں تو کیا مغرب سے علوم کی تحصیل

کے سلسلے میں کیا یہ رویہ معذرت خواہانہ جدیدیت کا شاخسانہ ہے یا خالص الحاد ہے۔کیا مسیحی مغرب اور اس مغرب میں کوئی فرق نہیں ہے جو سترہویں صدی کے بعد ڈیکارٹ اور کانٹ کے فلسفے کی روشنی میں اور پروٹسٹنٹ ازم، نیشنل ازم، کیپٹل ازم، سیکولر ازم اور ریشنل ازم کے جلو میں طلوع ہوا ہے۔اس سوال کا بھی جائزہ کہ اسلام اور عیسائیت کے مابعدالطبیعیاتی تصورات مسیح ابن اللہ کے عقیدے کے سوا کم وبیش یکساں تھے۔لہٰذا ایک روایت سے دوسری روایت میں علوم کی منتقلی میں کوئی مذہبی اعتقادی دشواری نہ تھی لیکن مغربی فلسفہ مغربی کیپٹل ازم اور جدید سائنس وٹکنالوجی کی منتقلی کے عمل کو مسیحی یونیورسٹیوں کے اختیار کردہ طریقہ کار کے مماثل کو قرار دینا جاہلیت جدیدہ یا اسلامی جدیدیت اور اسلام دشمن مکتب روایت تو نہیں ہے ایک اہم تحقیقی جائزہ۔[۳۵] عیسائیت کی تعلیم کے لئے قائم جارج ٹاؤن کیتھولک یونیورسٹی، یہودی تعلیمات کی تدریس کے لئے قائم کی گئی شوا یونیورسٹی، البرٹ آئن اسٹائن یونیورسٹی، بنارس کی ہندو یونیورسٹی عالم اسلام کی جامعہ ازہر، جامعہ مدینہ اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کا تقابلی جائزہ اوران جامعات کے نصابات کا تقابلی جائزہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ [۳۲] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ مغربی طرز پر اسلامی یونیورسٹیوں کے قیام کے بجائے ایک چھوٹا سا اسلامی علمی وتحقیقی تربیتی نظریاتی روحانی، احیائی اصلاحی تحریکی مرکز قائم کیا جائے جہاں بیس پچیس طلباء ایسے اساتذہ کی رہنمائی میں تعلیم وتربیت حاصل کریں جو مکمل اسلامی علمی اور روحانی روایات کے حامل ہوں کیوں کہ اگر آپ کے پاس تھوڑا سا گندم ہے تو آپ اس آٹے سے چند روٹیاں پکا سکتے ہیں اور آٹا ختم ہو جائے گا لیکن اگر آپ دانہ گندم بیج کے طور پر کھیت میں بودیں تو اگلے موسم بہار تک گندم کی پوری فصل پیدا ہو جائے گی جس سے ہزاروں لوگوں کو خوراک مہیا کی جاسکے گی اس مرکز میں کام کرنے والے طلباء نہایت اعلیٰ ذہانت فطانت متانت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ علمی اخلاقی روحانی رویوں کے حامل ہوں اور مرکز کے اساتذہ ان طلباء کو تعلیم تدریس مذاکرہ محاکمہ اور تربیت کے ذریعے اسلامی عقل وفکر وروح کی میراث نہایت اعلیٰ علمی طریقے پر منتقل کردیں اس کے نصاب میں سائنسی علوم جدید فلسفہ، جدید منطق، ریاضی دینیات روحانی علم سب کچھ شامل ہوں یہ مرکز عالم اسلام میں ایک نئے علمی عقلی روحانی انقلاب کی بنیاد بن سکتا ہے۔[۳۳] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ اسلامی علمی وعقلی روایت کو تاریخ کے کسی دور میں کبھی بھی ہر لحاظ سے زوال نہیں آیا یہ دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے کہ عباسیوں کی تاتاریوں کے ہاتھوں شکست کے بعد عالم اسلام علم تحقیق سائنس کے میدان میں مسلسل شکستوں پر شکستیں کھانے لگا اسلامی فنون جو اسلامی تہذیب کا اہم بنیادی شعبہ ہیں اس کے فن بافندگی کو آج تک زوال نہیں آیا خوبصورت دیدہ زیب قالین آج بھی ایران و پاکستان میں بُنے جارہے ہیں فن تعمیر میں بیسویں صدی تک مسلمان نہایت خوبصورت اور بڑی عمارتیں تعمیر کررہے تھے اسلامی فلسفہ جو اسلامی علمی روایت کا دل ہے وہ ایران میں بیسویں صدی میں برگ وبار لا رہا تھا اور ہندوستان میں بھی انتہائی اہم مفکر اس مدت میں پیدا ہوئے لکھنو میں فرنگی محل کے دانشور، فضل حق آبادی کا مکتب فکر اور بے شمار دوسرے ادارے اور نامور اشخاص۔جدید زمانے کے بعض دانشور مثلاً ہنری کوربن، تشہیکو آئزوٹسو حسین نصر ایک عرصے سے بار بار اس حقیقت پر زور دے رہے ہیں کہ اسلامی فلسفہ ابن رشد پر ختم نہیں ہو گیا تھا گزشتہ چند دہائیوں سے علوم طبعی کے میدان میں ایسی فاضلانہ تحقیقات سامنے آئی ہیں جو زیادہ تر مغربی مفکرین کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں جنھوں نے اس پرانے خیال کو بدل دیا ہے کہ اسلامی سائنس کا زوال سقوط بغداد یا ایسے ہی کسی اور حادثے کے ساتھ شروع ہو گیا تھا مراغہ کی رصدگاہ اور اس کا عظیم مکتب فلکیات تو سقوط بغداد کے بہت بعد کی بات ہے اس کی دریافت کا سہرا ای ایس کنیڈی اور چند دوسرے مغربی مفکرین کے سر ہے عرب مفکر جارج سالبہ بھی مغربی مفکرین کی اس صف میں اسلامی تہذیب وسائنس کے حوالے سے اہم مقام رکھتے ہیں ڈیوڈ کنگ نے مملوکیوں کی فلکیات پھر یمینیوں کی فلکیات کی دریافتوں کا دروازہ کھول دیا ہے جس کے باعث اسلامی فلکیات کی تاریخ میں ایک بالکل نیا باب کھل گیا ہے اس روشنی میں علامہ اقبال اور گولٹ تسہیر کا نقطۂ نظر بالکل غلط ہو گیا ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی پر غیر ملکی سائنسی علوم نے غلبہ پالیا تھا یہ کہ اسلامی دنیا میں تو سائنس کا قتل الغزالی نے کیا تھا دونوں مفکرین کو اسلامی تاریخ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔[۳۴] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ ایک روحانی طور پر زندہ تابندہ تنظیم جسے تہذیب کہا جاتا ہے ایسی تمام غیر مغربی تہذیبیں

آہستہ آہستہ زوال آمادہ ہوئی ہیں جبکہ مغربی تہذیب بڑی سرگرم اور تیزی سے زوال پذیر ہوئی ہے پچھلی صدی سے غیر مغربی تہذیبیں زیادہ فعال ہوتی جارہی ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی فعالیت کے باعث ان میں زوال کا عمل بند ہوگیا ہے اس لئے کہ فعالیت اکثر و بیشتر ان کے اپنے روحانی معیار و اقدار کے مطابق نہیں ہوتی۔ پچھلے کئی برسوں سے استنبول اور ترکی کے دوسرے شہروں میں عہد عثمانیہ کے سائنسی علوم پر تحقیقی کام ہورہا ہے المیہ یہ ہے کہ اسلام کی عقلی روایات کی تفہیم اسلامی فلسفہ و سائنس کے مغربی مطالعات پر مبنی ہے ظاہر ہے اسلام کی عقلی روایت پر مغرب میں غور ہوگا تو مغربی نقطۂ نظر سے ہوگا یہ قدرتی بات ہے اہل مغرب کا دعویٰ ہے کہ اسلامی فلسفہ و سائنس انیسویں صدی میں یکا یک اس وقت ختم ہوگئے جب مغرب اور مسلم دنیا کے روابط ختم ہوگئے جب مغرب اور مسلم دنیا کے روابط ختم ہوگئے جب مغرب اور مسلم دنیا کے روابط ختم ہوگئے اس جاہلانہ مغربی نقطۂ نظر کو معاصر اسلامی دنیا اور اسلامی تاریخ میں مفتی عبدہ، جمال الدین افغانی، سرسید، علامہ اقبال، یوسف قرضاوی، وحید الدین خان، جاوید غامدی جیسے نادان اور ناواقف لوگوں کے ذریعے فروغ ملا ان لوگوں نے مغربی سائنس کو اتنی اہمیت اور وقعت دی کہ ان کی نظر میں مغربی سائنس و فلسفہ ہی تہذیب اسلامی کا پیمانہ بن گئی اور مغربی معیار منہاج رویے اور تحقیقات ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا اگر اس جعلی غیر علمی مغربی معیار کو بھی علامہ اقبال اور وحید الدین خان اصل معیار یا حقیقی منہاج تسلیم کرلیں تب بھی اسلامی عقلی و فکری زوال کا دور تیرہویں صدی نہیں بہت بعد کا عہد قرار دیا جائے گا مثلاً کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر جارج سالبہ نے ثابت کیا ہے کہ شمس الدین فخری جسے ہمیشہ سے پندرہویں اور سولہویں صدی کا عالم دین یا مفکر خیال کیا جاتا رہا ہے وہ تو بہت بڑا ماہر فلکیات بھی تھا بلکہ وہ بعد کے ماہرین فلکیات میں سب سے اہم اور سب سے بڑا تھا بعد کی صدیوں میں اسلامی تہذیب کے عرب علاقوں کے سوا پوری مسلم دنیا بالخصوص ہند، ایران اور عثمانی سلطنت میں تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں بڑی نمایاں قابل ذکر سائنسی سرگرمیاں اٹھارہویں صدی میں بلکہ خاص شعبوں میں انیسویں صدی میں بھی ہوتی رہی ہیں حتیٰ کہ مسلم دنیا میں مغربی سائنس کی آمد بتدریج شروع ہوئی ہے اور رفتہ رفتہ اس نے اسلامی فلسفہ و سائنس کی روایت کی جگہ لے لی ہے فلسفے کے میدان میں تو اسلامی فکری روایت کبھی ختم نہ ہوئی بیسویں صدی میں ایران میں اسلامی فلسفے کی نمائندگی علامہ طباطبائی کررہے تھے۔[۳۵] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ اسلامی سائنس کی واضح قطعی اور مکمل تاریخ لکھے بغیر اسلامی عہد میں سائنس کے زوال کی تاریخ کو معتبر تسلیم کرنا ناممکن بلکہ محال ہے مسلم علماء ابھی تک زیادہ تر مغربی مفکرین کے فرمودات کی پیروی کرتے رہے ہیں جن کا زور تحقیقی اسلامی سائنس کے عہد اول کی تاریخ پر مرتکز رہا ہے۔ یہ اہم بات ہے کہ اسلامی سائنس پر زوال کب اور کیوں آیا کیونکہ اسلامی سائنس کی روایت سائنس کی اپنی تاریخ کا نقطۂ عروج تھی یعنی اگر جارج سارٹن کے طریق تحقیق کی پیروی میں آٹھویں تا پندرہویں صدی کی درمیانی مدت کی تاریخ پر غور کیا جائے جس کے بعد یہ عالمی سائنس کی چوٹی پر نہ رہی اور مغربی سائنس زیادہ فعال اور سرگرم ہوگئی تاہم اسلامی سائنسی روایت اپنے مخصوص تخلیقی انداز میں بارہویں تیرہویں صدی ہجری/اٹھارہویں انیسویں صدی عیسوی میں مسلسل جاری رہی۔[۳۶] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ اسلامی سائنس کی سرگرمی میں کمی کو عموماً اسلامی سائنس کا زوال سمجھا گیا زوال الگ چیز ہے اور ایک سرگرمی یعنی فعالیت میں حیرت انگیز کمی بالکل دوسری چیز ہے۔ یہ سوال ہی بے محل ہے کیونکہ اس کی بنیاد اس مفروضے پر قائم کی گئی ہے کہ ہر تہذیب کی عام فعالیت علم الکائنات اور ریاضیات کے شعبوں میں ہوتی ہے یہ مفروضہ درست نہیں ہے تاریخ سائنس کے مطالعے کے مطابق عراق میں بابلی تہذیب، مصری تہذیب، رومن چینی ہندوستانی تہذیبوں کی ہزاروں سالوں پر مشتمل تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفروضہ درست نہیں ہے اکثر و بیشتر صورتوں میں زیادہ فعال سائنسی سرگرمی فی الحقیقت ان تہذیبوں میں اس وقت دیکھنے میں آئی جب وہ تہذیبیں مر رہی تھیں دنیا کی معلومہ تاریخوں کے مطابق تہذیبوں میں سائنسی ترقی اور سائنسی عروج ان کے دور زوال میں شروع ہوتا ہے یہ جارج سارٹن کی تحقیق کا حاصل ہے بابلی تہذیب میں جو اپنے عظیم سائنسی شاہکاروں کی وجہ سے مشہور ہے سائنس نے اس وقت عروج پایا جب وہ تہذیب ختم ہورہی تھی بعض سائنسی علوم کے حوالے سے مصری تہذیب کی بھی یہی کیفیت تھی حالت مرگ میں مصری سائنس نے زبردست برگ و بار

پیدا کیئے لاشوں کو حنوط کرنے کا عظیم الشان سائنسی طریقہ، اہرام تعمیر کرنے کی سائنس وٹکنالوجی جس کا تصور عصر حاضر کا جدید انسان اور جدید سائنس تصور میں لانے سے قاصر ہے بلکہ جدید سائنس تو اس قدیم مصری سائنس کے کمالات کو سمجھنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتی ابھی تک تمام سائنس داں حیران ہیں کہ مصری ہزاروں ٹن پتھر کس طرح اور کیسے لائے جس سے پوری دنیا کے گرد دیوار چین کھڑی کی جاسکتی ہے جبکہ اس وقت نہ بحری جہاز تھے نہ طیارے نہ ٹرالران کے لیے یہ تصور ہی ہوش ربا ہے کہ ہمارے بغیر ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک اتنے بھاری پتھر کس طرح منتقل ہوسکے لیکن اہرام مصر کی سائنس زوال کی سائنس ہے جس کا دور حضرت موسیٰؑ کی آمد کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہوگیا اور بنی اسرائیل اس خطے کے وارث بنا دیے گئے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء نے اپنی قیادت وسیادت کے طویل دور میں مصری تمدن وطرز تعمیر کی پیروی نہ کی لیکن عجائبات کو عبرت کے نمونے کے طور پر زندہ رکھا لیکن انبیائے بنی اسرائیل کے طویل ترین عہد کی کوئی عمارت تاریخ میں شاہکار آثار کے طور پر محفوظ نہیں لیکن ان انبیاء کا ذکر شب وروز دنیا کے ہر کونے میں کیا جاتا ہے وہ تہذیبیں جو اپنی اساس مادی ترقی اور شان وشوکت پر رکھتی ہیں ان کے نام لیوا مٹ جاتے ہیں وہ تہذیبیں جو اپنی اساس للّٰہیت روحانیت ایمان یقین اور ذات الٰہی وسنت محبوب الٰہی پر رکھتی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ قیامت تک امر کردیتا ہے۔ عاد، ثمود، اصحاب ایکہ، قوم تبع، قوم سباء، کو اپنے عہد میں سائنس وٹکنالوجی میں کمال حاصل تھا لیکن انبیاء نے ان کا مقابلہ ان کے ہتھیاروں سے نہیں اللہ کے عطا کردہ ایمان یقین وحی اور نقل کے ذریعے کیا لہٰذا یہ تصور ایک باطل تصور ہے کہ سائنس وٹکنالوجی کا مقابلہ صرف اور صرف سائنس وٹکنالوجی ہی سے کیا جاسکتا ہے انبیاء کی پوری تاریخ اس فلسفے کے استرداد کا قرآنی ثبوت ہے ہندوستان میں موہنجوداڑو کی تاریخ تہذیب جس نے ترقی و کمالات کی بے شمار منزلیں طے کرلیں تھیں جن کی برآمدات مصر تک جاتی تھیں جن کے طرزِ تعمیر میں نکاسی آب کا عجیب وغریب نظام موجود تھا جو آج بھی موہنجوداڑو کے قریبی شہر لاڑکانہ میں جزوی طور پر میسر ہے اور اس نظام کی حالت بھی یہ ہے کہ امراء کی کوٹھیوں میں گندے پانی کی نالیاں بہہ رہی ہوتی ہیں لیکن پانچ ہزار سال قبل گندے پانی اور غلاظت کی نکاسی کا عظیم الشان نظام وہاں قائم تھا۔ ہڑپہ اور ٹیکسلا میں سماعت گاہیں Auditorium دارالاقامہ [ہاسٹل] جامعات کی عمارات غیر معمولی کارنامے ہیں لیکن یہ تمام تر ترقیات ان قوموں کے دور زوال میں نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ ترقی ان کے زوال کی رفتار کو تیز تر کرنے کا سبب بنی زوال کی رفتار کم کرنے یا اسے روکنے کا سبب نہ بن سکی۔ ابن ندیم کی الفہرست کے مطابق اس کے دور میں موہنجودرو کا رسم الخط موجود تھا اور وہاں سے لوگ عرب آتے تھے ابن ندیم نے رسم الخط کے نمونے بھی دیئے ہیں لیکن غالباً اس وقت زوال آچکا تھا کیونکہ ندیم نے موہنجوڈرو کی مصنوعات وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یونانی تہذیب کا حال بھی ایسا ہی تھا یونانی سائنس کے عظیم شاہکار مثلاً بطلیموس اور اقلیدس اور ان کے معاصرین کے کارنامے اس وقت ظہور میں آئے جب یونان کے حصے بخرے ہوگئے تھے اس کا مذہب مر رہا تھا اس کی ثقافت دم توڑ رہی تھی اور اس کی سیاسی زندگی پر رومیوں کا تسلط قائم ہو رہا تھا یہ ناقابل تردید تاریخی حقائق ہیں ہندی چینی اور دوسری تہذیبوں میں بھی جن کی تاریخ بہت طویل ہے ایک وقت ایسا آیا تھا جب سائنسی علوم اپنے جوبن پر تھے مثلاً ریاضی فلکیات طبیعیات اور کیمیا وغیرہ ایسا وقت بھی آیا جب سائنس سے زیادہ لگاؤ نہ تھا اور جس وقت سائنس سے لگاؤ نہ تھا تو اس وقت فنون سے زیادہ لگاؤ ہوگیا اور فن تعمیر ادبیات سیاسیات مدن اور ایسے دوسرے فنون نے بہت ترقی کی۔ [۳۷] پاکستانی سیاستدانوں، دانشوروں کے پچاس سالہ کردار کا جائزہ جو Craniofacial Duplication کی بیماری میں مبتلا ہیں اس بیماری میں ایک سر اور دو چہرے ہوتے ہیں کیا یہ بیماری صرف مقامی علاقائی اور ایشیائی ہے یا یہ ایک عالمگیر بیماری ہے جو جمہوریت سرمایہ داری حقوق پرستی پر مبنی حقوق کے مطالبوں سے جنم لیتی ہے جمہوریت اور جمہوری نظام کی بنیاد حرص وحسد وہوس کی عمومیت اور اقتدار طلبی پر مبنی ہے جو غصے اشتعال نفرت بہیمیت کے جذبات کو فروغ دیتے ہیں۔ سندھ اسمبلی میں ارباب غلام رحیم پر جوتوں تھپڑوں لاتوں مکوں کی بارش اور لاہور میں سابق وزیر قانون ڈاکٹر شیر افگن پر وکیلوں کا حملہ نہایت افسوس ناک سانحے ہیں جس نے پاکستان کی سیاسی زندگی سے خارج ہونے والی اخلاقیات کا بھرم کھول کر رکھ دیا ہے۔ جمہوری عمل میں جذبات آخری

انتہا تک پہنچا دیے جاتے ہیں کیونکہ اس عمل کی بنیاد تشدد اور شدت پسندی پر ہے پارلیمان میں ہمیشہ دو ایوان کیوں ہوتے ہیں قائد حزب اعتدال کیوں نہیں ہوتا دو ایوانی پارلیمانی دو متشدد انتہاؤں کے نظریے کو اجاگر کرتی ہے۔ قائد حزب اختلاف حزب اقتداران دو انتہاؤں کے نتائج و تصادم اور نفرت کے سوا کچھ نہیں اپنی نوعیت کا منفرد جائزہ۔[۳۸] اس نقطۂ نظر کا گہرا تنقیدی جائزہ کہ کسی تہذیب میں سائنس کے زوال کو اس تہذیب کا زوال سمجھنا درست نہیں کیوں کہ سائنسی زوال اور تہذیب کے زوال کا تقابل اور موازنہ بالکل غلط طریقہ کار ہے سائنس تہذیب کے کل کا ایک جزو ہوتی ہے مکمل قطعی اور حتمی کل نہیں ہوتی۔ اسی لئے معلومہ تہذیبوں میں تمام تخلیقی توانائیوں کا رخ صرف اور صرف اور بہ تمام و کمال صرف علم الکائنات اور ریاضی تک محدود و مقید محصور نہیں ہو جاتا مختلف تہذیبوں اور تاریخ کے وسیع اور گہرے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تہذیبوں میں کبھی کبھی ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب تہذیب صرف اپنے تصور کائنات ہی میں مطمئن ہو جاتی ہے اور بعد ازاں کسی بھی وقت اس کی تخلیقی فعالیت کا رخ فلسفے آرٹ تصوف ادب قانون اور دوسرے میدانوں کی طرف مڑ جاتا ہے دوسری معلومہ تہذیبوں کے مقابلے میں جن میں جدید مغربی تہذیب بھی شامل ہے اسلامی تہذیب کے اندر سائنسی علوم سے بہت زیادہ اور بہت گہرا الگاؤ رہا ہے مغرب تو یہی کوئی چار سو سال سے گلیلو کے وقت سے سائنس سے دلچسپی لینے لگا ہے اور اب مغرب سائنس کو اپنی فکری و عقلی دلچسپی کا محور بنایا ہے سائنس بابلی تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کے دورِ اول ہی میں شروع ہو گئی تھی یعنی اسلامی سائنس اسلامی تہذیب کے آغاز میں ہی اپنے عروج پر تھی مثال کے طور پر جابر بن حیان دوسری صدی ہجری کا آدمی ہے آج تک الکیمیا جابر سے آگے نہیں بڑھ سکی نویں صدی میں تو ایک سے بڑھ کر ایک عظیم علمائے فلکیات اور ریاضی داں کام کر رہے تھے دسویں صدی میں البیرونی اور ابن سینا جیسے عظیم لوگ برسرِ عمل تھے پھر ایک طویل عرصے تک کئی صدیوں تک نشیب و فراز آتے رہے اسلامی تہذیب کی صلاحیتوں اور توانائیوں کے دھارے نے رفتہ رفتہ اپنا رخ بدل لیا لیکن اسلامی تاریخ اپنے زوال کے دنوں میں بھی دنیا کی تین طاقت ور ترین سلطنتوں کا سرمایہ رکھتی تھی عثمانی، مغلیہ اور صفوی سلطنتیں معاشی، سیاسی اور عسکری لحاظ سے دنیا کی مضبوط و مستحکم اور طاقت ور سلطنتیں تھیں ان کے فنون جو تاریخ انسانیت کے عظیم ترین فن پارے ہیں اس دور میں تخلیق ہوئے آگرہ کا تاج محل، اصفہان کی شاہی مسجد، استنبول کی مسجد سلطان احمد فن تعمیر کے انمٹ نقوش ہیں پھر خطاطی ادبیات اور دوسرے فنون کے شاہکار سوال یہ ہے کہ کسی تہذیب کی عظمت ،شوکت، برتری کے پیمانے سائنس تعمیرات اور مصوری کے شہ پارے ہیں تو انبیاء کرام کی پوری تاریخ ان کی سلطنتیں، ریاستیں، حکومتیں جو صدیوں تک برقرار رہیں ان آلائشوں سے کیوں پاک رہیں کسی نبی کا کوئی مقبرہ تاریخ میں محفوظ نہیں انبیاء مقبروں، گنبدوں اور عمارتوں کی ثقافت کو زندہ کرنے نہیں آتے وہ کیسی تاریخ، تہذیب، تمدن برپا کرتے ہیں کوئی نبی سائنس داں، ماہر فلکیات و ماہر علوم عقلیہ کیوں نہیں ہوتا کیا ان سوالوں کے جواب کے لیے قصص القرآن کافی ہیں ایک اہم تجزیہ۔[۳۹] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ امت مسلمہ کی تجدید احیاء کے لیے اسلامی سائنس اور مغربی سائنس میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش ضروری ہے حکیم سعید اور حکیم عبد الحمید نے ہمدرد کے ادارے کے ذریعے طب اسلامی اور جدید ٹکنالوجی کا حسین امتزاج قائم کیا۔ مغرب اور اسلام کی سائنس میں تطبیق، تلفیق، اس مفہوم میں کہ مغربی طب کی ٹکنالوجی کا پیوند مسلم دنیا میں رائج طبی روایت میں لگایا جائے اس طرح کی اسلامی اور مغربی پیوند کاری امت مسلمہ کے لئے خیر کثیر کا باعث بن سکتی ہے سوال یہ ہے کہ جدید ٹکنالوجی کا حصول کیا سودی قرضے اور بہت بڑے پیمانے پر سرمایے کے ارتکاز کے بغیر ممکن ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اسلامی تاریخ و تہذیب میں کبھی دواؤں کو کیمیائی مرکبات کے ذریعے محفوظ کر کے ان کی عمریں بڑھا کر ان کا ذخیرہ کر کے ان کی برآمدات کے ذریعے سرمایہ اکٹھا کرنے کی کوئی روایت ملتی ہے؟ قدیم تہذیب میں ہر شہر، محلے، گاؤں میں حکمت عام تھی اور تمام مربّے۔ معجون، ادویات ان علاقوں میں مقامی طور پر مقامی حکمت خانوں میں تیار ہوتی تھیں لہٰذا لوگوں کو تازہ ادویات مقامی لوگوں کو مقامی سطح پر روزگار اور ہر علاقے میں عمدہ حکیموں کی رفاقت میسر آتی تھی فطری طلب کے مطابق ان علاقوں میں مختلف پودوں اور جڑی بوٹیوں کی کاشت بھی ہوتی تھی۔ اس طرزِ عمل سے معیشت کا فطری فروغ ہر علاقے، ہر شہر، ہر ضلع اور ہر گاؤں کی سطح پر ہوتا تھا لیکن بھاری

سرمایے کے ذریعے قدیم طب سے وابستہ طبی اداروں کے قیام کے باعث کراچی، لاہور، پشاور جیسے تین بڑے شہروں میں سرمائے کا ارتکاز ہوگیا اور قدیم طب سے وابستہ تمام افرادی قوت اپنے گاؤں، دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں میں منتقل ہونے پر مجبور ہوگئی لہٰذا صنعتی ترقی نے کئی مفاسد پیدا کر دیے گاؤں دیہاتوں کے حکیموں نے تازہ ادویات بنانے کے بجائے بڑے بڑے طبی اداروں کی ادویات خریدنی شروع کر دی لہٰذا مقامی معیشت پر برے اثرات پڑے دواؤں کی زندگی Shelf life بڑھانے کے باعث کیمیائی زہر ان مشرقی دواؤں کا حصہ بننے لگا اور تازہ دواؤں کا نہ وہ معیار رہا نہ ذائقہ نہ لذت نہ اعتبار نہ اثرات یہ ایک حقیقت ہے اس کے لیے کسی فلسفے کی ضرورت نہیں ہاتھ سے بننے والی ادویات اور مشینوں سے تیار کی جانے والی ادویہ کے ذائقے، رنگ اور خوشبو میں زمین و آسمان کا فرق آ گیا اس کی مثال گھروں میں پیسا جانے والا قیمہ، کباب کا گوشت اور مصالحہ جات ہیں۔ یہ اجزاء جب ہاون دستے، سل بٹے پر پیسے جاتے ہیں تو ان کا ذائقہ رنگت، لذت خوشبو بے حد عمدہ ہوتی ہے لیکن جیسے ہی یہ اجزاء برقی مشینوں سے پیسے کوٹے جاتے ہیں ان کا ذائقہ بدل جاتا ہے خوشبو اُڑ جاتی ہے اور لذت باقی نہیں رہتی۔ ؎ ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت

اس تناظر میں جب ہم مشرق و مغرب میں مطابقت ٹکنالوجی کے ذریعے کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس کے مقاصد، مضمرات اور نتائج پر نہایت گہری نظر کی ضرورت ہے۔[۴۰] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ مغرب کی تباہ کن جدید عسکری ٹکنالوجی نے مسلمان ملکوں اور اداروں کو تباہ و برباد کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے چونکہ عالم اسلام پر مغرب کا غلبہ تسلط اور قبضہ جدید سائنس کے ذریعے ہی ممکن ہوا ہے لہٰذا اس غلبے سے نجات کا راستہ صرف مغربی سائنس کو اختیار کرنے میں ہی مضمر ن ہے۔ کیا مغرب کی شیطانی سائنس کے ذریعے ہی مغرب کے ناچتے ہوئے شیطان سے نمٹا جا سکتا ہے یا اس کے سوا کوئی اور راستہ بھی ہے؟ کیا جدید سائنس نتیجہ ہے اپنی روح کو شیطان کے پاس گروی رکھنے کا، کیا قوموں کا عروج و زوال آلات، وسیلوں، اسباب پر منحصر ہوتا ہے یا عروج و زوال کی تاریخ امتوں کے نظریۂ حیات، تصور کائنات اور مابعد الطبیعیاتی تصورات سے پھوٹتی ہے کیا جدید سائنس غیر جانبدار ہے اور مذہبی امور سے لاتعلق ہے یا خود ایک طرح کا مذہب اور فلسفہ بن چکی ہے اور اپنے اعتقادات الہیات کو دنیا پر مسلط کر رہی ہے سائنس پرستی کا فلسفہ مغربی تصور کائنات پر کیوں چھا گیا ہے؟ جدید سائنس کی تباہ کاریوں کا ایک ثبوت 1997 Kyoto global warming protocole ہے جسے امریکہ نے تسلیم کرنے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر ہم اس معاہدے پر دستخط کر کے اپنی صنعتی ترقی کی رفتار کم کر دیں اپنی چمنیوں کو دھواں اگلنے سے روک دیں تو دنیا پر ہمارا تسلط کیسے برقرار رہے گا ہم دنیا پر اس لئے غالب ہیں کہ ہم سب سے زیادہ آلودگی پیدا کرتے ہیں۔ دنیا پر غلبہ و تسلط کے لئے بدترین آلودگی پیدا کر کے دنیا کو تباہ کرنے والا ملک ہی عالمی قیادت کا حق دار ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جب دنیا ہی نہ رہے گی تو یہ امامت کس کام آئے گی کیا مسلمان دنیا پر امامت آلودگی کے ذریعے کرنے کی کوئی علمی شرعی عقلی دلیل اسلامی منہاج علم سے لا سکتے ہیں تو کیا مسلمان ہمیشہ اصولوں کی خاطر دنیا کی امامت سے الگ رہیں گے اور امریکہ کو امامت کے لیے تنہا چھوڑ دیں گے یا کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جس سے آلودگی بھی نہ پھیلے اور منصب امامت بھی حاصل ہو جائے ایک اہم جائزہ۔[۴۱] کیوبا میں کاسترو کے جانے کے بعد جدید مغربی تہذیب کے تعیّشات تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہے ہیں مارچ ۲۰۰۸ء تک کیوبا کے عوام کو تعیّشات کی زندگی سے روکنے کے لیے موبائل فون خریدنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی چار اور پنج ستارہ ہوٹلوں میں رہنے کی اجازت تھی غیر ملکی مسافران ہوٹلوں میں ٹھہر سکتے تھے لیکن کیوبا کے مقامی باشندے صاحبِ حیثیت ہونے کے باوجود ان عالیشان ہوٹلوں میں ٹھہرنے کے مجاز نہیں تھے۔ لیکن پہلی بار اپریل ۲۰۰۸ میں یہ پابندی اٹھالی گئی اس کے ساتھ ساتھ موبائل فون رکھنے کی بھی اجازت مل گئی اب کیوبا کے امراء عالیشان ہوٹلوں میں تعیش کی زندگی بسر کر سکیں گے قبل ازیں ان ہوٹلوں میں صرف شادی شدہ جوڑوں کو ہنی مون منانے کے لیے قیام کی اجازت تھی لہٰذا ہر سال ساڑھے سات لاکھ لوگ ہنی مون منانے کے لئے ان ہوٹلوں میں قیام کرتے تھے جس سے 57 ملین ڈالر کا کاروبار ہوتا تھا پابندیاں ہٹنے کے بعد اس کاروبار کی وسعت بہت زیادہ ہوگئی کیا وجہ ہے کہ مغربی تہذیب اور اس سے ملحق ممالک میں نفس

پرستی کے مظاہرے ہی زندگی کا حاصل ہیں یہی ہدف مقصد منزل اور اصل زندگی ہے کیوبا میں آنے والی جدید تبدیلیوں کا جائزہ اور کیوبا کا مستقبل میں کردار۔[۴۲] کراچی میں ضلعی حکومت اور دودھ والوں کے مابین قیمتوں کے تعین کے تنازعے کے دو سال گزر چکے ہیں ضلعی حکومت کا اصرار ہے کہ یہ دودھ ۳۲ روپے لیٹر فروخت کیا جائے جبکہ دودھ والوں نے اس کی قیمت ۴۲ روپے لیٹر تک پہنچادی تھی تھوک کی منڈی میں دودھ ۲۸ سے ۳۰ روپے لیٹر مل جاتا ہے لہٰذا دودھ والے اس پر ۱۲ روپے فی لیٹر منافع چاہتے ہیں جو ضلعی حکومت اور عوام کو منظور نہیں لہٰذا ہر مرتبہ جب بھی دودھ کی قیمت صرف ایک روپیہ یا دو روپے فی لیٹر بڑھ جائے تو شہریوں میں شدید تشویش پیدا ہو جاتی ہے، ہنگامے شروع ہو جاتے ہیں اور احتجاج کی لہر پورے شہر کا احاطہ کر لیتی ہے سوال یہ ہے کہ منافع میں دو روپے کا اضافہ کوئی خاص اضافہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود حکومت اور عوام کا ردعمل ایک دو روپے پر نہایت شدید ہوتا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ مقامی اور غیر ملکی اداروں کی بے شمار مصنوعات اس شہر میں ہزاروں گنا مہنگے داموں پر بیچی جارہی ہیں لیکن اس پر کوئی احتجاج نہیں ہوتا نہ پرائس کنٹرول کمیٹی کو تکلیف ہوتی ہے نہ ضلعی حکومت کو نہ اخبارات کو نہ عوام کو نہ میڈیا کو۔ اخبارات اور میڈیا کو تکلیف اس لئے نہیں ہوتی کہ ان کا کاروبار انہی اداروں کی مصنوعات کے اشتہار پر چلتا ہے اور اشتہارات کی قیمت ان مصنوعات کی غیر حقیقی قیمتوں میں شامل ہوتی ہے اخبارات اور میڈیا تو سرمایہ دارانہ نظام کے کل پرزے ہیں لہٰذا وہ ان قیمتوں کے خلاف کبھی کچھ نہیں لکھیں گے لیکن عوام اور حکومت سیاسی جماعتیں خصوصاً جماعت اسلامی اور جمعیت العلمائے اسلام کیوں خاموش ہیں آٹے کی قیمت دو چار دس روپے بڑھ جائے تو پورے ملک میں کہرام مچ جاتا ہے لیکن ایبٹ کمپنی دس روپے کلو بھوسی ۶۸۰ روپے کلو بیچتی ہے تو کوئی ہنگامہ نہیں ہوتا۔ مثلاً کوک کی بوتل جس کی لاگت ایک روپے سے زیادہ نہیں ہے پندرہ روپے میں بیچی جارہی ہے یعنی پندرہ گنا منافع لیکن یہ منافع عوام خوشی سے ادا کر رہے ہیں سرف واشنگ پاؤڈر جس کی اصل مالیت ۲۰ روپے کلو ہے وہ ایک سو بیس روپے کلو فروخت ہو رہا ہے لیکن چاروں طرف سناٹا ہے Pizza Hut پر اطالوی پیزا ساڑھے سات سو روپے کا ہے جبکہ اس کی اصل مالیت صرف ایک سو پانچ روپے ہے آٹے کی بھوسی جو ۱۹۹۶ء میں آٹھ روپے کلو تھی اس وقت ایبٹ کمپنی یہ بھوسی چھ سو اسی روپے کلو بیچ رہی تھی اس قدر زیادہ منافع لوٹنے کے باوجود عوام کی خاموشی حیرت انگیز نظر آتی ہے کیا عادلانہ منافع اسلامی تاریخ و تہذیب کے لیے اجنبی تصور ہے۔ کیا آزاد منڈی کی معیشت کا مطلب یہی ہے کہ جس چیز کو جس قدر منافع پر بیچنا چاہو بیچتے رہو دنیا بھر میں رسالوں اور اخبارات کی قیمتیں کم ہو رہی ہیں لیکن پاکستان میں ان کی قیمتیں مسلسل بڑھ رہی ہیں ان میں لوازمہ [Material] برائے نام ہوتا ہے اشتہارات بھرے ہوتے ہیں۔ سرورق سے ملحق چار صفحات میں خبریں نہیں ہوتیں پھر بھی قیمت بڑھ رہی ہے آخر کیوں؟ یہ غیر عادلانہ منافع اشتہار بازی اور ٹی وی و اخبارات کی آمدنی کا اصل ذریعہ ہے۔ اگر بڑے بڑے ادارے اور کثیر القومی کارپوریشن اشتہار سازی، اشتہار بازی پر اربوں روپے خرچ کرنا بند کر دیں تو ان کی مصنوعات کو خریدار نہ ملے گا لہٰذا ہر مقبول چیز اشتہار بازی کے بل پر بیچی جارہی ہے اور عوام کو چند پیسوں کی اشیاء بھاری قیمت پر مہیا کی جارہی ہیں ذرائع ابلاغیات کمپنیوں کی اس لوٹ مار پر جان بوجھ کر خاموش رہتے ہیں کیونکہ اس لوٹ کے مال کا بڑا حصہ انہی کے حصے میں آتا ہے۔ ذرائع ابلاغیات کمپنی کی مصنوعات کی دلالی کر کے اپنی دنیا و آخرت سنوارتے ہیں بڑے بڑے چینلز پر بیٹھے ہوئے جعلی دانشور یا [Anchorperson] مختلف مصنوعات کو بیچتے ہیں علم معلومات تجزیے سڑی ہوئی چیزوں کے دھندے کی آڑ میں پیش کئے جاتے ہیں یہ صحافی، یہ اخبار، یہ ٹی وی، یہ برقی ذرائع ابلاغیات جھوٹ فراڈ بکواس دھوکے کے تاجر ہیں مصنوعات کے اشتہار پڑھ لیجئے خصوصاً موبائل فون کمپنیوں کے تو یہ اشتہار لوگوں کو بے وقوف بنا کر زیادہ سے زیادہ مال کمانے کے لیے ہیں ان میں غلط سلط معلومات، نئے نئے انداز سے رجھانے کے لئے غلط طریقوں سے دھوکہ دہی کے ذریعے پیش کر کے مصنوعات بیچی جاتی ہیں اشتہار میں لوگوں کی اشتہا بڑھانے کے لئے دلفریب اعلان جلی حروف میں ہوتا ہے اعلان کے اختتام پر ایک ستارہ بہ قدر اشک بلبل ٹپکا دیا جاتا ہے جو پچاس سال سے اوپر کے لوگوں کو نظر بھی نہیں آتا اور نوجوان نسل اس ستارے کو دیکھتی ہی نہیں اگر اتفاقاً ستارے پر نظر پڑ جائے تو اس کی تفصیلات اشتہار کے بالکل آخری یا ایک اوپری

کونے میں باریک ترین قلم سے درج کی جاتی ہے تاکہ پڑھنے میں دقت ہو اور لوگ نہ پڑھیں عبارت ایسی گنجلک ادق بے ربط اور بے سروپا لکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی پڑھ لے تو پڑھ لے لیکن ہرگز سمجھنے نہ پائے عموماً یہ عبارت لکھی جاتی ہے کہ ''شرائط وضوابط لاگو ہوں گے'' یہ شرائط وضوابط باطنی ہوتے ہیں نہ آپ کو بتائے جاتے ہیں نہ ان کو تحریری صورت میں پیش کیا جاتا ہے یہ کونسی شرائط ہیں...... جو دھوکہ دیا جارہا ہے اس کی تفصیل ان شرائط میں مخفی ہوگی اگر وہ ظاہر کردی جائے تو کوئی آدمی اس اشتہار سے متاثر نہ ہوگا PTCL سے لے کر موبی لنک، وارد سب دھوکہ دہی کے اس عمل میں شریک ہیں اور تمام اخبارات یہ اشتہارات دھڑلے سے چھاپتے ہیں اسلامی اخبار بھی کہ اگر اشتہار شائع نہ کریں تو اخبار کیسے چلے چندے سے تو اخبار نہیں چلتا اور بار بار لوگ چندے نہیں دیتے۔ موبائل فون کمپنیوں کے تمام اشتہارات جھوٹ دھوکے اور فراڈ کا شاہکار ہیں لیکن تمام اخبارات اسے کسی اخلاقی ذمہ داری کے بغیر چھاپ کر مال کمارہے ہیں گزشتہ پچاس برس سے ایمکس کریم کا اشتہار روزانہ جنگ سے لے کر اردو ڈائجسٹ جیسے نظریاتی رسالے میں شائع ہورہا ہے جس میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ کالے چہرے کو گورا کردیتی ہے لیکن آج تک اس کریم کے استعمال سے ایک لڑکی بھی گوری نہیں ہوئی نہ ہی ممکن ہے کہ قدرتی کالا رنگ کسی کریم سے گورا ہوجائے لیکن اس جدید سائنسی عہد میں جب ڈاکٹر منظور احمد ریکٹر اسلامی یونیورسٹی اور جاوید غامدی کے بقول لوگ بہت عقل مند اور شعور والے ہوگئے ہیں پچاس سال سے ایمکس کریم بک رہی ہے پچاس سال سے جھوٹ چھپ رہا ہے اور پڑھا جارہا ہے اور بک رہا ہے لیکن کمپنی بند نہیں ہوئی نہ کسی اخبار نے جھوٹ چھاپنے اور جھوٹ بیچنے سے انکار کیا نہ عوام نے ایمکس کریم کا استعمال ترک کیا نہ کسی دکان دار نے اسے بیچنے سے انکار کیا نہ کسی مذہبی جماعت نے اس جھوٹ پر احتجاج کیا نہ کمپنی اور اشتہار کو بند کرنے کا مطالبہ آج تک کسی کی جانب سے کیا گیا۔ نہ کسی کالم نگار نے کوئی کالم لکھا پچاس برس سے ایمکس کا اشتہار چھپ رہا ہے اس دور میں جب ذروں کو بھی شعور حاصل ہوگیا ہے جس عہد کا دعویٰ ہے کہ عہد حاضر کا انسان سائنٹفک انسان ہے یہ سائنسی دور ہے عقل وخرد کی عظمت کا زمانہ ہے یہ اطلاعات ومعلومات [Information Age] کا زمانہ ہے یہ عقلیت [Rationality] کا دور ہے حالانکہ یہ عہد دنیا کی تاریخ کا تاریک ترین عہد ہے اور اس دور کا انسان دنیا کی تاریخ کا جاہل ترین انسان ہے جسے اس بات کا بھی شعور نہیں کہ کالا رنگ کبھی گورا نہیں ہوسکتا یہ بات تو معریٰ نے ہزار برس پہلے کہہ دی تھی کہ کالے کوے سے کہو کہ کیا تو اپنا رنگ بدلنے پر قادر ہے؟ سائنسی عہد کا انسان معری جیسی دانش سے بھی محروم ہے۔ یہ معاشرے کی اخلاقی علمی سائنسی اور عقلی حالت ہے فلیٹوں، مکانوں اور زمینوں کے اشتہارات بھی جھوٹ فراڈ پر مبنی ہیں مثلاً ایک اسلامی تحریک سے وابستہ کچھ لوگوں نے اتحاد بلڈرز کے نام سے ۱۹۹۲ء میں فلیٹوں کا کاروبار شروع کیا بروشر میں لکھا تھا کہ ہر ماہ صرف ایک ہزار روپے ادا کیجیے اور فلیٹ کے مالک بن جائیے۔ یہ اشتہار جسارت اور اسلامی پرچوں میں بھی شائع ہوا اس طرح اشتہارات چھاپنے والے بعض عقل مند اور ذمہ دار دینی رسائل صرف آخر میں دو سطریں لکھ دیتے ہیں کہ اس اشتہار کے مندرجات سے ہمارا تعلق نہیں لوگ اپنی ذمہ داری پر کاروبار کریں یہ بے دینی کا رویہ ہے آپ کا تعلق صرف پیسہ کمانے اور اشتہار چھاپنے سے ہے اشتہار کی عبارت آپ کی ذمہ داری نہیں یہ عہد حاضر کی جدیدیت ہے جو اسلامی تحریکوں میں بھی پورے شعور کے ساتھ داخل ہوگئی ہے اصل دین تو رسالہ وقت پر نکالنا ہے خواہ حرام پیسوں کے اشتہار سے نکلے یا مشکوک اشتہار سے جو قارئین کو بے وقوف بنارہا ہو۔ یعنی اشتہار چھاپنے والے کی دلچسپی صرف اشتہار کی آمدنی سے ہے اور جھوٹا اشتہار چھاپنے والے کی دلچسپی اس دینی رسالے کے قارئین کو لوٹنے سے دونوں رویوں میں کیا اخلاقی فرق ہے ظاہر ہے لیکن جب اس انگریزی بروشر کو تفصیل سے پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ اصلاً ہر ماہ چار ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر چھ ماہ بعد مختلف مدات میں چار ہزار سے دس ہزار تک رقم ادا کرنا ہوگی لہٰذا ان تمام رقومات کا اوسط تقریباً چار ہزار روپے ماہانہ ہوگا لیکن اشتہار میں لوگوں کو لبھانے بہلانے اور اکسانے کے لیے صرف ایک ہزار روپے کا جھوٹ گھڑا گیا تھا لوگوں کی بہت بڑی تعداد ایک ہزار کے جھانسے میں آکر پھنس جاتی ہے اور کچھ ایڈوانس رقم ادا کرتی ہے تو یہ رقم بھی کروڑوں میں پہنچ جاتی ہے جب خریدار قسطیں ادا نہیں کرپاتا تو یہ رقم بلڈر ہضم کرلیتا ہے یا وعدہ کرتا ہے کہ ۴۰ فیصد کٹوتی کے بعد اور آپ کا

فلیٹ کسی دوسرے کو بیچنے کے بعد قسطوں میں یہ رقم ادا کر دی جائے گی اتحاد بلڈرز کے بروشر میں یہ بھی لکھا تھا کہ فلیٹ سائٹ حسن اسکوائر سے صرف پانچ منٹ کے فاصلے پر ہے جبکہ فلیٹ سائٹ صفورا گوٹھ کے قریب تھی جب اس بیان کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اگر رات دو بجے بعد ہم حسن اسکوائر سے ۱۲۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کار کو خالی سڑک پر سرپٹ دوڑائیں تو صرف پانچ منٹ میں یقیناً فلیٹ پر پہنچ جائیں گے بشرطیکہ راستے میں کوئی سگنل اور رکاوٹ نہ ہو اس طرح کے اشتہارات روزانہ اخبارات میں شائع ہوتے ہیں لیکن کوئی احتجاج نہیں ہوتا نہ تنقید نہ اخبارات کے دینی مالکان کا ضمیر شرم محسوس کرتا ہے عہد حاضر جھوٹ، بکواس، جہالت، حماقت کا عہد ہے اس عہد کا انسان دنیا کی تاریخ کا جاہل ترین انسان ہے لیکن اپنے آپ کو تاریخ کا سب سے اعلیٰ برتر عالم اور فائق ترین انسان سمجھتا ہے عہد حاضر کے جاہل انسان کی کہانی پہلی مرتبہ مثالوں کے ذریعے منظر عام پر۔[۴۳] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ اسلام مطلق سکون[absolute rest] ان معنوں میں ہے کہ اس کے معتقدات، ایمانیات، الہیات، مابعد الطبیعیات اور ماخذات دین [sources of knowledge] قرآن، سنت، اجماع، قیاس کسی حالت، کسی صورت، کسی کیفیت میں تبدیل نہیں ہوسکتے یہ اصول زماں ومکاں سے ماوراء عالمگیر نوعیت کے اور ابدی ہیں ان اصولوں کو کسی درخت کے تنے اور اس کی جڑوں سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے درخت کے تنے سے دین کی ہر شاخ ٹہنی پھوٹتی ہے اور ہر پتہ، گل بوٹا، کلی کونپل نکلتی ہے۔ اسلام مستقل حرکت [constant dynamism] ان معنوں میں ہے کہ درخت سے شاخیں پھوٹتی رہتی ہیں کلیاں نکلتی رہتی ہیں غنچے چٹکتے رہتے ہیں ٹہنیاں پھیلتی رہتی ہیں لیکن اس درخت کا ہر پھول ہر کلی ہر پتہ اسی رنگ روپ روغن اور روح کا نمائندہ ہوتا ہے جو اس کی جڑوں میں پیوست ہے آم کے درخت سے ابد تک آم ہی نکلے گا اس کا ذائقہ خوشبو لذت رنگ روپ وہی ہوگا جو پہلے آم کا تھا اور آخری آم بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا اسلام سکون اور حرکت انہی معنوں میں ہے کہ بدلتی ہوئی زندگی بدلتے ہوئے تقاضوں میں اپنے عقائد الہیات، مابعد الطبیعیات بدلنے کا ادنیٰ سا ارادہ بھی نہیں رکھتا وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ درخت کی طرح فرش سے عرش کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور عرش سے ہمکلام ہونے کی کوشش میں معرفت رب کے ذرائع تلاش کرتا رہتا ہے اجتہاد کا مطلب یہی ہے کہ ہر عہد، ہر دور، ہر قرن میں مشکل سے مشکل حالات میں امت کو شجر علمیت دین سے پیوستہ رکھا جائے امت کی نمود اسی خاک سے ہو جس سے وہ وجود پذیر ہوئی امت اگر فنا ہو جائے تب بھی ققنس کی طرح اسی خاک سے اٹھے جو اس کا ضمیر خمیر اور نہاد ہے ہر اجتہاد امت کو اپنے سابقہ ماضی سے جوڑنے عہد رسالت مآب ﷺ سے قریب کرنے اور صحابہ کرام کا معاشرہ قائم کرنے کے ناممکن خیال کو ممکنات کی دنیا میں لا کر عمل کی صورت دینے کا نام ہے اس کے سوا اجتہاد کا کوئی مطلب نہیں۔ انہی معنوں میں یہ امت اور اس امت کی علمیت پرسکون بھی ہے اور متحرک بھی اس کی حرکیات کا مغرب کے جاہلانہ تصور حرکت [Idea of Motion or dynamism] سے کوئی تعلق نہیں۔[۴۴] ایرانی مفکر و محقق حسین نصر کے اس دعویٰ، ادعا موقف کا پہلا ناقدانہ جائزہ کہ علامہ اقبال جدیدیت پسند [Modrenist] تھے اور حسین نصر روایت پسند [Traditionalist] ہیں حسین نصر کے الفاظ میں اقبال کیوں جدیدیت پسند ہیں۔

Iqbal is a modernist, while I am a traditionalist. He is deeply impressed by nineteenth century European philosophy while I belong to the Islamic philosophical tradition. He is often critical of major aspects of sufism while I am a follower of the sufi tradition. I am not a reformer but renewer of the Islamic intellectual tradition and a follower of the perennial philosophy within that tradition.

کیا حسین نصر کی اقبال پر الزام تراشی ٹھیک ہے؟ اقبال خطبات کی سطح پر یقیناً جدیدیت پسند بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں لیکن اقبال نے آخر عمر میں خطبات کے موقف کو رد اور ترک کر دیا تھا لہٰذا خطبات کی بنیاد پر اقبال کی شخصیت کا تعین لغو، لا یعنی اور غلط

ہے۔شاعری کی سطح پر اقبال بحیثیت مجموعی جدیدیت پسندی کے دشمنوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور نادان دشمن نہیں بلکہ نہایت دانا، زیرک اور قابل ترین دشمن جو دانش کی اعلیٰ ترین سطح اور جذبے کی آخری اعلیٰ ترین سطح سے مغرب پر حملہ آور ہو کر ذہنی خیالی اور روحانی طور پر کم از کم جدیدیت کا خاتمہ کر کے مغرب کے رعب سے امت مسلمہ کو آزاد کر دیتے ہیں کیا وجہ ہے کہ حسین نصر اقبال کی شاعری کو کوئی وقعت نہیں دیتے اقبال کو صاف اور سادہ طریقے سے جدیدیت پسند قرار دینا سفا کی ہے۔حالانکہ اصل جدیدیت پسند حسین نصر ہیں جو رینے گینوں سے متاثر ہیں اور روایت کی اپنی تعبیر پیش کرتے ہیں جو امت مسلمہ کی مسلّمہ علمی روایات کے برعکس ہے وہ خود جدیدیت پسند ہونے کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔

What I have always sought in fact strived to achieve in my own works on Islamic thought is the revival & rejuvenation of the Islamic intellectual tradition and the traditional patterns of Islamic life as I have understood the term "Tradition".

[گویا روایت کی تعریف اسلامی روایت کی پندرہ سو سالہ تاریخ نہیں کرے گی بلکہ رینے گینوں اور حسین نصر کا self کرے گا یہ جو کچھ سمجھیں گے یا ان کی دانش جو کچھ انھیں دکھا دے گی اور سمجھا دے گی وہی حقیقت یعنی اسلامی روایت یعنی خیر کُل الحق الحقائق، حقیقت الحقائق بن جائے گا یہ تصور ڈیکارٹ کے تصور I think therefore I am کے کامل تتبع و تقلید کے سوا کچھ نہیں ہے] حسین نصر چاہتے ہیں کہ جدیدیت کو گہری سطح تک سمجھنے کے بعد اس میں جو کچھ اسلام کی روح اور رنگ کے مطابق ہے اسے اختیار کر لیا جائے اور جدیدیت کی کسی خاص شکل مثلاً لبرل ازم، نیشنل ازم، کمیونزم، سوشلزم، کمیونی ٹیرین ازم، ویلفیئر ازم، ہیومن ازم، سائنسی ازم، ملٹی کلچر ازم، ملٹی ریلیجیس ازم کو ہو بہو اختیار کرنے کے بجائے اس کے تمام اچھے پہلوؤں کی اسلام کاری کر کے جدید سائنس اور جدید ٹکنالوجی کو بھی اسلامی سانچے میں ڈھال لیا جائے بلکہ حسین نصر کا خیال ہے کہ ان کا متعین کردہ اسلامی کونیات کا طریقہ وہ اسلوب فراہم کرتا ہے جس سے مغربی سائنس و ٹکنالوجی اور اسلام میں مکمل ہم آہنگی ثابت کی جا سکتی ہے وہ مغرب کی سائنس سے اچھی چیزیں لے کر اس کے خراب پہلوؤں کو ترک کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اس موقف میں اور اقبال کے خطبات کے موقف میں کیا فرق ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ

I am all in favor of renewal [تجدید] of Islamic thought and philosophy but I oppose the modernism so called reforms [اصلاح] which usually lead to deformation rather than reformation.

دوسرے لفظوں میں اگر اسلام کی اصلاح کا عمل صرف اصلاح تک محدود رہے تو حسین نصر کو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اگر اصلاح اس قدر ظالمانہ اور جارح ہو کہ صاف معلوم ہونے لگے کہ واقعی اسلام کی اصلاح ہو گئی ہے تو یہ اصلاح عالم اسلام کو قبول نہیں ہو گی اور جدیدیت اور مغربیت کے خلاف شدید ردعمل پیدا کر دے گی لہٰذا ایسی اصلاح نصر کو قبول نہیں وہ امریکی اصطلاح میں Hard war کے بجائے soft war کے قائل ہیں جو زیادہ مہلک، دیرپا اور نا قابل فہم ہونے کے باوجود معاشروں میں سرایت کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہے اس لئے اصلاح کی کوئی بھی ایسی تحریک، علمیت، رویہ، طرزِ استدلال جو اسلام کے چہرے کو مسخ کر کے مغرب کی ہو بہو تصویر بنا دے تو پھر اسلامی تشخص و شناخت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور اسلامی حمیت اسلام کی مغرب سے اس حد تک مشابہت و شباہت گوارا نہیں کرتی اگر روح ایک ہو جائے لیکن چہرے الگ الگ ہو جائیں تو یہ چہرے عالم اسلام کو قابل قبول ہوں گے۔اقبال کی اسلامیت پر حملہ اپنی جدیدیت کا زبردست علمی دفاع وہ بھی اسلام کے تحفظ کے پردے میں

ادعائے پیروی ابن مریم اور تو　　دیکھ تیری آستین سے ٹپکتا ہے لہو

ان معنوں میں حسین نصر کی جدیدیت خطبات اقبال کی جدیدیت سے زیادہ خطرناک ہے جس کا ادراک ہر شخص نہیں

کرسکتا علامہ اقبال رینے گینوں اور حسین نصر کی جدیدیت کا پہلا تقابلی جائزہ۔ [۴۵] جدید طرز زندگی [Modren life style] جدید ایجادات وٹکنالوجی سے تھوڑے بہت استفادے اور جدید نظریات و اصطلاحات [Modren Theories and Terminologies] جیسے آزادی [Freedom]، ترقی [Progress]، فلاح [Walfare] اور development حاصل کرنے کے لیے جو اسلامی انقلابیوں اور سوشلسٹوں اور لبرل کے مابین مشترکہ متفقہ اقدار انسانی ہیں ایک آدمی کو روزانہ کم ازکم بارہ گھنٹے کام کرنے کی ضرورت ہے عہد حاضر میں اگر کوئی شخص کم ازکم بارہ گھنٹے پیسہ کمانے اور مال بنانے کے لیے خرچ نہ کرے تو وہ نہ نئی کار خرید سکتا ہے نہ مناسب گھر بنا سکتا ہے نہ موبائل فون کا خرچ اٹھا سکتا ہے کام پر آنے جانے کے دو تین گھنٹے اس کے سوا ہیں گویا ہر شخص روزانہ کم ازکم پندرہ گھنٹے بنیادی ضروریات زندگی کے لیے خرچ کرے تو وہ ایک آرام دہ جدید یوروپی زندگی بسر کرسکتا ہے جو آلات مغرب یا مغربی ٹکنالوجی [Westren Technology] کے سائے میں بسر ہو سات یا آٹھ گھنٹے نیند کے رکھ لیے جائیں تو عہد جدید کا آدمی اپنے چوبیس گھنٹوں میں سے بائیس یا تئیس گھنٹے مال کمانے اور سونے میں خرچ کردیتا ہے گھر والوں کے لیے اس کے پاس صرف دو یا ایک گھنٹہ ہے کیا اس قلیل وقت میں کوئی شخص اپنی شخصیت، خاندانی معاشرت، مذہب، روایت، تاریخ، دین، اقدار کے بارے میں کچھ کرنا اور کہنا تو درکنار کیا سوچ بھی سکتا ہے؟ عہد جدید کا انسان جو [one dimensional man] ہے یعنی یک رخا آدمی اس یک رخے آدمی کا المیہ اور طربیہ پیسہ ہے اسے صرف پیسے سے غرض ہے پیسہ ہی اس کا خدا اور پیسہ ہی اس کا نبی ہے اگر وہ یہ نہ کرے تو پھر کیا کرے اگر وہ اپنے بچوں کو بیوی کو، گھر کو، خاندان کو، معاشرے کو، پاس پڑوس کو وقت دینے لگے تو کیا یہ آسائشیں، آلائیشیں، نعمتیں، ٹکنالوجی، تعیّشات، تعینات کیسے حاصل کرے کیا موبائل فون، کمپیوٹر، نئی کار، بہترین ڈرائنگ روم، ہوٹلنگ، شاپنگ، نئے نئے فیشن کے مطابق مسلسل کپڑے اتار کر پھینکتے رہنے کی مغربی روایت بیوٹی پالر سے استفادہ، بوتیک سے خریداری، گھر کی اندرونی تزئین، و آرائیش [interior decoration] ہوٹلوں سے روٹی سالن کی آمد، حِس جمالیات [Astheticsense] کو تسکین دینے والی اشیاء خریدنے کے قابل ہوسکتا ہے۔ اگر یہ تمام کام کیے جائیں تو پھر جدید انسان [modrenman] کس طرح جدید رہے اگر جدیدیت [modren life style] کو رد کردیا جائے تو کیا قدیم طرزِ زندگی کو اختیار کیا جائے کیا پتھروں کے زمانے میں واپس چلے جائیں حالانکہ یہ سوال پوچھنے والے جاہل اسلامی انقلابی خود بھول جاتے ہیں کہ وہ ہر ہفتے جمعہ دن کے دن دنیا کے ہر ملک میں اپنے امام مسجد سے یہ خطبہ پورے خشوع و خصوع کے ساتھ سنتے ہیں کہ ''عہد رسالت مآب وعہد صحابہ کرام ہی سب سے بہترین زمانہ ہے'' ''خیر القرون قرنی'' اگر وہ زمانہ سب سے بہترین ہے تو مراجعت اس زمانے کی طرف ہونی چاہیے اور وقت کو ماضی کی طرف لوٹنا چاہیے کہ خیر القرون ایک مرتبہ پھر زندہ ہو جائے دوسرے لفظوں میں ہمارے لئے ترقی یہی ہے کہ ہم پیچھے ہٹتے چلے جائیں اور ہٹتے چلے جائیں یہاں تک کہ اس دور میں پہنچ جائیں جب قرآن اتر رہا تھا اور جب خدا کا آخری پیغام خدا کے آخری پیغمبر کی زبان سے انسانوں کو سنایا جارہا تھا اسی لئے مسلمان دنیا کی واحد امت ہیں جن کا رشتہ ہمیشہ ان کے ماضی سے جڑا ہوتا ہے دنیا کی تمام قومیں امتیں ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتی ہیں مسلمان امت ہمیشہ پیچھے کی طرف دیکھتی ہے پندرہ سو سال پیچھے کی طرف اسی طرح اس امت کا رشتہ اپنے صدر اول سے کسی حال کسی صورت میں منقطع ہونے نہیں پاتا اور مادیت کے صحراء میں بارہا گم ہو جانے کے باوجود یہ امت نہایت فخر اور نہایت حسرت کے ساتھ اپنے ماضی کو دیکھتی رہتی ہے۔ مگر وہ روحانیت عہد حاضر کی مادیت [Materialism] اور جدیدیت [Modrenism] اور جدید طرزِ زندگی [Modren life style] کو ترک کئے بغیر ممکن نہیں اس مقام پر اسلامی انقلابی ساکت و صامت ہو جاتے ہیں ان کی روح کا اضطراب ہم سے دیکھا نہیں جاتا وہ اعتقادی الہیاتی علمی عقلی ایمانی روحانی طور پر لفظاً و معناً بھی عہد رسالت مآب کو خیر القرون سمجھتے ہیں لیکن عہد حاضر کی جدید سوغات چھوٹنے کا غم انہیں اس قدر شدید ہوتا ہے کہ وہ اس کے صدمے سے جانبر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے عملی طور پر وہ عہد حاضر کے اسلوب طریقے، طرزِ زندگی، ایجادات، ترقیات، فلاح و بہبود کو ہی اسلام کی اصل اساس سمجھتے ہیں سوال یہ ہے کہ اسلام اس لئے آیا ہے

کہ ایک فرد روزانہ سولہ سترہ گھنٹے سرمایہ کی غلامی [Slavery of capital] میں کھپا دے سرمایے کو خدا بنانے کے بعد اس کی پرستش و عبادت کرنے کے بعد اس کے پاس خالق کائنات کی عبادت کا وقت ہی نہیں بچتا اگر بچ جائے تب بھی وہ اس قابل نہیں رہتا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی خالق کی عبادت کر سکے وہ بائیس گھنٹے سرمایہ، سائنس وٹکنالوجی، پروگریس ڈیولپمنٹ کے خداؤں کی پرستش کے بعد خدا کی پرستش کے قابل نہیں رہتا پھر کیا کیا جائے یہ بھی تو ضروری ہے اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ عہد حاضر کے چسکے، مزے، عیش، ترک کر دی جائے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ خیر القرون قرنی کے تصور ایمان و روحانی سے دست بردار ہو جائیں تو آخر کیا کریں؟ اس سوال کا جواب کسی فلسفی یا مفکر کے پاس نہیں اس کا جواب رسالت مآب کے الفاظ میں یہ ہے کہ ''اپنے قلب سے اپنے دل سے فتویٰ لو'' اس کے لیے کسی مفتی کی ضرورت نہیں ہے یہ سادہ سا سوال ہے اس کا سادہ سا جواب ہے اس کے لیے کسی علم کی ضرورت نہیں اس کے لئے کسی سیمنار، ورکشاپ، کورس، تربیتی اجتماع، اسٹڈی سرکل، جلسے، جلوس، پمفلٹ، کتاب، کیسٹ، وڈیو، سی ڈی کی ضرورت نہیں محض ایمان کی، خشیت کی معرفت کی ضرورت ہے کہ اصل علم تو خوف خدا ہے تمام علوم کا مرکز و منبع ماخذ و مصدر صرف اور صرف خوف خدا ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ علم نہیں محض فن ہے۔ پاکستانی معاشرے میں لوگوں کے شب و روز کا پہلا جائزہ۔[۴۶] کراچی کے ایک اہم تجارتی تعلیمی ادارے colege of Business management جو کراچی چیمبر آف کامرس اور امریکی حکومت کے سرمایے سے لگایا گیا ہے وہاں کے ایک استاد نے دو سال قبل طلباء سے ایک سروے کرایا اس سروے کے لیے ڈیفنس سوسائٹی کے بیس ایسے عالیشان گھروں کو منتخب کیا گیا جن کی مالیت پچاس کروڑ روپے سے زیادہ تھی ان عالیشان محلات کے مالکان سے صرف ایک سوال پوچھا گیا کہ آپ اپنے اس عالیشان گھر میں کتنا وقت گزارتے ہیں اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ صرف چار گھنٹے دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر آپ صرف چار گھنٹے ارمانوں بھرے اس گھر میں گزارتے ہیں تو کیا فائدہ یہ وقت تو آپ سونے میں ہی گزارتے ہوں گے اس کے جواب میں ان سب کا متفقہ موقف یہ تھا ''اگر ہم اس سے زیادہ وقت اپنے گھر میں گزاریں تو ہم اس معیار زندگی [standard of life] کو برقرار نہیں رکھ سکتے اور اس گھر کے اخراجات نہیں اٹھا سکتے۔ جدید سائنس وٹکنالوجی کے کمالات کا ہر شخص اعتراف کرتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس سائنس وٹکنالوجی سے فائدہ اٹھانے کے لیے بے پناہ دولت کی ضرورت ہے اور بے پناہ دولت بے پناہ وقت خرچ کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی سائنس وٹکنالوجی کی کوئی ایجاد مفت میں نہیں ملتی تو ان ایجادات سے استفادہ پیسہ کے بغیر ممکن نہیں اور زیادہ سے زیادہ وقت عبادت سرمایہ [worship of capital] یعنی مال کمانے میں خرچ کئے بغیر ان جدید ایجادات سے استفادہ ممکن نہیں تو کیا ایک مسلمان کا مقصد زندگی صرف یہی ہے کہ وہ جدید سائنس وٹکنالوجی کی عبادت میں زندگی تج کر دے؟ اس طرز زندگی کے نتیجے میں کئی قسم کے مفاسد اور فتنے پیدا ہوئے ہیں باپ بچوں کو بیوی کو خاندان کو وقت نہیں دے سکتا اس نتیجے میں اخلاقی بے راہ روی عام ہو جاتی ہے بچے آوارہ ہو جاتے ہیں عورتیں ناجائز تعلقات کے بارے میں سوچتی ہیں اور عمل کرتی ہیں خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اولاد بگڑ جاتی ہے ہر فرد آزاد ہو جاتا ہے اور سب کا مقصد زندگی لذت کا حصول سرمایہ میں ترقی اور دنیا طلبی بن جاتا ہے ایسا شخص جدید علم بھی حاصل نہیں کر سکتا اس کی معلومات محدود ہوتی ہیں وہ صرف ٹی وی کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے اس کی مثال پاکستان میں کام کرنے والے سرجنوں اور ڈاکٹروں کی ہے بے چارے صبح کو نو بجے کام شروع کرتے ہیں اور رات دس گیارہ بجے تک کام کرتے رہتے ہیں یہ اپنے پیٹ معدہ اور نفس کی پرستش کی خاطر صبح سے رات تک مال کماتے ہیں ان کے مال میں ان کے اوقات میں غریبوں کچلے ہوئے پسے ہوئے طبقات کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ بھی نہیں ہوتا یہ ڈاکٹر صرف اپنے معیار زندگی کو بلند کرنے گھر کی آرائش بہتر کرنے، گرمیوں کی چھٹیاں بیرون ملک گزارنے، چھٹیوں میں پکنک سیر سپاٹے کرنے، کمائے ہوئے مال کی مختلف کاموں میں سرمایہ کاری کر کے مزید مال کمانے کے سوا ان کا کوئی مقصد زندگی نہیں ہوتا یہ اپنے بیوی بچوں سے بھی نئی مصنوعات کی خریداری قیمت معیار پر ہی گفتگو کرتے ہیں اس کے سوا ان بے چاروں کے پاس کوئی موضوع گفتگو ہی نہیں ہوتا ان کی علمی حالت یہ ہوتی ہے کہ آخری سند FRCS یا Diplomat لینے کے بعد یہ بے چارے اپنے میدان خاص کی نہ کوئی کتاب

پڑھتے ہیں نہ اس شعبے میں مزید علم حاصل کرتے ہیں اس شعبے سے متعلق جدید تحقیقات کا انہیں علم نہیں ہوتا یہ آخری حاصل کردہ سند سے حاصل ہونے والے تجربات کی روشنی میں ہی اپنی زندگی بسر کرتے ہیں یہ بے چارے نہ دین کے ہوتے ہیں نہ دنیا کے چند نیک اور فرشتہ صفت ڈاکٹروں کو چھوڑ کر۔ نہ ان کے پاس دین سیکھنے کا وقت ہوتا ہے نہ ہی دین پر عمل کرنے کا اور دنیا یعنی Medicin کی جدید ترقیوں سے بھی یہ قطعاً لاعلم ہوتے ہیں یہ صرف جانوروں کی طرح پیسے کمانے میں مصروف عمل رہتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر خواہ کسی اسلامی انقلابی گروہ سے ہوں یا کسی لبرل گروہ سے ان کی زندگی صرف سرمایہ کے نظریے کے محور پر گردش کرتی ہے ان کے شب و روز میں انسانیت، خدمت، غریبوں سے تعلق کی کوئی روایت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ پر احسان فرمانے کے لیے یہ کبھی سال میں ایک آدھ کیمپ لگا کر غریبوں کو دو چار گھنٹے دیکھ لیتے ہیں ان کی زندگی میں اور قارون کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ البتہ اسلامی انقلابی ڈاکٹر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی زندگی فرعون کی طرح اور آخرت حضرت موسیٰ کی طرح ہو دنیا میں یہ موسیٰ کی طرح تکالیف اٹھانا پسند نہیں کرتے۔ یہ کبھی رک کر اپنی زندگی کا جائزہ نہیں لیتے یہ ادب شاعری تاریخ مذہب فلسفے سے نابلد ہوتے ہیں ان کے پاس پڑھنے کا وقت ہی نہیں ہوتا ان کی انگلیاں مریض کی نبض پر اور ان کی آنکھیں مریض کی جیب پر ہوتی ہیں علمی ادبی محفلوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ محفلیں تو وقت ضائع کرنے اور پیسے گنوانے کی ترکیبیں بتا سکتی ہیں اس کے برعکس آپ قدیم تہذیب روایت اقدار میں حکیم کے کردار کو دیکھیں یہ حکماء ادیب شاعری فلسفی محقق ہوتے ہیں۔ ہزار سالہ پرانی تاریخ کو چھوڑئے صرف پچاس سال پہلے کی تاریخ دیکھیے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد علاج کے لیے حاذق الملک حکیم محمد احمد خان کے مطب پر دہلی تشریف لائے مولانا آزاد کو سوءِ ہضم کی شکایت تھی حاذق الملک نے تشخیص کے بعد مرض کو اسہال کبدی سے تعبیر کیا اتنے میں کسی والی ریاست کے ایک معتبر مصاحب بھی آ گئے اور انھوں نے کہا بیگم صاحبہ کو دردِ شقیقہ کی شدت کے باعث رات بھر نیند نہیں آئی'' درد کا قصہ تو رہا ایک طرف مولانا آزادؒ معاً بول اٹھے بیگم کے ساتھ صاحبہ کا استعمال غلط ہے بیگم صاحب کہیے لقب میں تذکیر و تانیث جائز نہیں۔ اس پر بحث چھڑ گئی تو مولانا آزادؒ نے کہا تو ''جنابہ بیگم صاحبہ فرمایئے'' لوگ کھل کھلا کر ہنس پڑے [ص ۲۲ مقالات شام ہمدرد ۱۹۶۶۔۱۹۶۵] دہلی کی چند ادبی صحبتوں کی یاد حکیم احمد شجاع] حکیم صاحب کے دولت کدے کی بالائی منزل پر اوقات مطب کے بعد ادیبوں شاعروں اور بڑے بڑے علماء کا جمگھٹا رہتا تھا حکیم صاحب نسخہ لکھتے وقت صرف مریض کے علاج ہی کو مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کے مرض کے کم و کیف پر تبصرہ بھی کرتے جاتے تھے طب کے علاوہ دینی اور دنیاوی علوم میں بھی انھیں تبحر حاصل تھا کبھی کمرے میں نہیں بیٹھتے تھے ہمیشہ اپنے مکان کی بالائی منزل کے صحن میں ایک تخت پر تکیہ لگا کر بیٹھے رہتے وہیں مریضوں کو دیکھتے تھے اور وہیں اپنے ادبی مشاغل کا سلسلہ جاری رکھتے شعر و شاعری کا مجالس میں گزر نہ تھا ص ۲۱] کیا عہد حاضر کے کسی سرجن ڈاکٹر کے پاس اس قسم کی محفلوں مجالس کی کوئی گنجائش ہے کیا اسے ان مباحث پر غور و فکر کی ضرورت ہے کیا یہ مباحث اس کے مطالعہ کا موضوع ہیں اسے تو پیسے کمانے سے فرصت نہیں سر کھجانے کی مہلت نہیں کیسا خدا کیسا نبی یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص جو فرعون یا ہامان اور قارون کی طرح اپنی پوری زندگی اور زندگی کے تمام شب و روز اور شب و روز کے تمام لمحات صرف اور صرف مال [capital] جمع کرنے اور اسے جوڑ جوڑ کر اس کی سرمایہ کاری کر کے مال میں مسلسل اضافہ کرنے [accumalation of capital for the sake of accumalation] میں بسر کردے وہ آخرت کو دنیا پر کیسے ترجیح دے سکتا ہے اس کی دنیا اور آخرت تو صرف مال میں محصور محدود اور مقید ہے اصلاً ہمارے بیشتر اسلامی انقلابی ڈاکٹر مارٹن لوتھر کے Protestantantism کے قائل ہیں جس کا دعویٰ تھا کہ جو دنیا میں کامیاب ہے وہی آخرت میں کامیاب ہے جو دنیا میں پھٹیچر رہ گیا وہ اللہ کے یہاں روز آخرت بھی رسوا ہوگا اور لوتھر کے اس تصور سے ہی سرمایہ داری [Capitalism] کو مذہبی جواز مل گیا اور لوتھر کی مذہبی روح اب ماشاء اللہ ہماری انقلابی احیائی اصلاحی تبلیغی اسلامی تحریکوں میں حلول کر گئی ہے کیونکہ اس سے وابستہ تمام ڈاکٹر [Lutharian Doctrine] کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو خادم خلق ہونا چاہیے لیکن ننانوے فی صد ڈاکٹر حریص حاسد اور لالچی ہیں ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے جس کے اثرات ان کی اولاد اور خاندانوں پر پڑ

رہے ہیں ایک مرتے ہوئے شخص کو صرف اس لئے ڈاکٹر نہیں دیکھتا کہ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں یہ سفاکی اور درندگی کی انتہا ہے اس درندگی کا اثر لامحالہ ان کے خاندانوں پر پڑتا ہے ان کی اولادیں بھی لالچی حریص بن جاتی ہیں پاکستان کے ایک اعلیٰ ترین طبی انسٹی ٹیوٹ میں واقع ڈاکٹرز کالونی کے بچوں کی اخلاقی دینی ایمانی اور تہذیبی حالت کیا ہے اس کا جائزہ لینے کے لیے ڈاکٹروں کے تیس بچوں کو ایک دعوت میں اکٹھا کیا گیا یہ ون ڈش پارٹی تھی سب سے کہا گیا تھا کہ اپنے ساتھ ایک ایک ڈش لے کر آئیں لیکن اکثر بچے کچھ لے کر نہیں آئے چند بچے جو اپنے ساتھ کچھ لے کر آئے تھے انھوں نے مجلس میں آتے ہی اعلان کر دیا کہ وہ اپنی چیز فلاں فلاں کو کھلائیں گے اور فلاں فلاں کو ہرگز نہیں دیں گے۔ بچوں میں اس قدر سفاکی، لالچ اور اس قدر کنجوسی حیرت انگیز بات تھی اس دعوت میں ادارے کی مسجد کے پیش امام کے تین بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا یہ بچے اس علاقے کے سب سے کمتر، نکمے، نالائق اور بے کار بچے شمار ہوتے ہیں امام صاحب کی دو بیویاں ہیں اور دو کمرے کی رہائش گاہ لہٰذا یہ بچے دن بھر باہر رہتے ہیں مالی پریشانی کے باعث ڈاکٹرز کی کینٹین کا بچا کھچا کھانا ان بچوں کو مل جاتا ہے لیکن ڈاکٹروں کے بچوں کے میزبان اس وقت حیرت زدہ رہ گئے جب کھانے کا دسترخوان بچھایا گیا تیس بچوں میں صرف یہ تین بچے تھے جو نہ کھانے پر ٹوٹے نہ بے صبری کا مظاہرہ کیا نہ کوئی چھچھورپن، بدتمیزی نہ نادیدہ پن یہ صبر و تحمل اور توکل کی تصویر بنے بیٹھے تھے اور امیر ڈاکٹروں کے بچے چھینا جھپٹی میں مصروف تھے۔ ایک غریب مولوی اور امیر ڈاکٹروں کے بچوں کے مابین اخلاقیات میں یہ بنیادی فرق صرف اس مابعدالطبیعیات نے پیدا کیا ہے جس کے نتیجے میں ایک کا مقصد آخرت کی طلب ہے اور دوسرا محض طالب دنیا ہے لہٰذا اس کے بچے بھی محض طالب لذات تعیّشات اور مفادات ہیں۔ اسلامی تاریخ و تہذیب میں کام کا آغاز فجر کی نماز کے بعد ہوتا ہے اور عصر سے بہت پہلے تمام کام ختم کر دیے جاتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتابوں میں تاجروں اور کاروباری لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ہفتے میں صرف دو دن کام کریں اور دکانیں کھولیں بقیہ وقت حصول علم، معرفت رب، خدمت، کار خیر اور آخرت طلبی میں خرچ کریں امام غزالیؒ کی اس نصیحت کو سنا گیا اور اس عہد کے انسانوں نے اس پر عمل کیا کہ آخرت کو بہر حال دنیا پر ترجیح حاصل ہے اور دنیا میں مگن ہو جانے والا بہر حال آخرت کا نقصان کرے گا کیا ہمارے اسلامی انقلابی ڈاکٹر امام غزالی کے مشوروں پر عمل کر سکتے ہیں؟[۴۷] اکبرالہ آبادی کا عجیب شعر ہے

طوفان جوش دل کی آنسو میں ایک جھلک میں موتی میں کیا دھرا ہے

کیا موتی محض ایک بوند پانی کا نام ہے؟ دریا میں اور سمندر میں ہزاروں بوندیں ہزاروں قطرے ہوتے ہیں صرف چند قطرے اور چند بوندیں پانی ہی موتی میں کیوں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ابر نیساں کا وہ قطرہ کسی خاص وقت میں سیپ کے اندر جا کر کیا قیامت برپا کر دیتا ہے۔ ایک آنسو اور ایک موتی بہ ظاہر پانی کی دو مختلف شکلیں ہیں لیکن کیا دونوں محض پانی ہیں؟ جدید سائنس اور منطقی و استخراجی ذہن اس سطح سے اوپر اٹھ کر چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے آنسو کی طبعی صورت فی الحقیقت پانی کی بوند ہے لیکن اصلاً یہ آنسو طوفانِ جوش دل ہے جو کبھی مظلوم کی آنکھ سے ٹپکتا ہے تو عرش الٰہی لرزنے لگتا ہے رحمت الٰہی جوش میں آ جاتی ہے اور مظلوم کی آہ اور آنسو اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی یہ آنسو جب بچے کی آنکھ سے گرتا ہے تو رحم مادر کو جوش آ جاتا ہے جب یہ آنسو ماں کی آنکھ میں لرزتا ہے تو دنیا بدل جاتی ہے یہ آنسو کسی جانور کی آنکھ میں بھی جگمگاتا ہے تو رحم انسانی اوج پر ہوتا ہے اور لوگ موذی جانور کی مدد کرنے کے لیے بھی آمادہ ہو جاتے ہیں یہ آنسو آہ و بکا کی صورت اختیار کر کے مظلوم مسافروں کے قلب و نظر سے گونجتا ہے تو بصرہ کے گلزاروں سے محمد بن قاسم سندھ کے ریگزاروں میں مظلوموں کی مدد کے لیے چلا آتا ہے اس آنسو نے تاریخ کے کتنے مناظر بدل ڈالے اور کتنی تاریخیں رقم کی ہیں یہ خود ایک طویل تاریخ کا حصہ ہے۔ اس لیے کہ آنسو صرف آنسو نہیں وہ تو ان دلی کیفیات، جذبات، معاملات، تکالیف، دکھ، تاریخ، اور مصائب و مشکلات کا ایسا اظہار ہے جو لوگوں کو قطرے میں دجلہ دکھا دیتا ہے۔ اور عہد رفتہ کی پوری کہانی سنا دیتا ہے اسی طرح موتی محض موتی نہیں ہے کہ چند لمحوں میں یہ وجود میں آ گیا ہے موتی بننے کا عمل ایک تاریخ ساز عمل ہے۔

موتی چند لمحوں میں نہیں بن جاتا موتی بننے کا عمل محض کیمیائی عمل یا تعمل نہیں یہ ایک کیفیت ایک لذت ایک حاضری حضوری شب و روز کی مختلف شاقہ کا وہ آخری ثمر ہے جب ایک قطرہ ابر نیساں سیپ کے منہ میں جاتا ہے اور اس کے رنگ و روپ کو شاہکار میں ڈھال کر اسے لافانی کر دیتا ہے انسانی شخصیات اور عظیم لوگ بھی اسی طرح تیار ہوتے ہیں جس طرح ایک آنسو اور ایک موتی اگر وہ حالات میسر نہ ہوں تو انسانی شخصیات بننے کا عمل ختم ہو جاتا ہے کیا امت مسلمہ ایسے ناگفتہ حالات سے نہیں گزری ہے وہ سانچے کیوں ٹوٹ گئے ہیں جن سے موتی جیسی شخصیات ڈھل کر نکلتی تھیں کیا ان سانچوں کو از سر نو جوڑ ابنایا اور ٹھیک کیا جا سکتا ہے جن سے موتی اور آنسو جیسی شخصیات ڈھل کر نکل آئیں ایک اہم جائزہ۔[۴۸] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ جدید سائنس کو گوئٹے کی دانش کے حوالے سے، فاؤسٹی یعنی شیطانی سائنس کہا جا سکتا ہے یعنی جدید سائنس نتیجہ ہے اپنی روح کو شیطان کے پاس گروی رکھ دینے کا۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس نے مغرب میں عیسائیت کے تصور کائنات کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے، بلکہ اسے عیسائیت کے لیے بربادی کا پیش خیمہ بنا دیا ہے اور اگر چہ سائنس مذہبی معاملات میں بظاہر غیر جانبدار نظر آتی ہے لیکن درحقیقت یہ غیر جانبدار ہے نہیں بلکہ بجائے خود ایک طرح کا فلسفہ بن کر بیٹھ گئی ہے۔ سائنس پرستی [worship of science] کا فلسفہ مغربی تصور کائنات پر چھا گیا ہے اور ٹکنالوجی کی صورت میں اس کے اطلاق نے [چند کامیابیوں کے باوصف] پوری دنیا کو تباہ کر دیا ہے۔ یہ فلسفہ نہ صرف ماحولیات کو بلکہ زندگی کے ہر شعبے کو تباہ کر رہا ہے۔ ایسے حالات میں دنیائے اسلام کے سوچنے کی بات ہے کہ کیا وہ مغرب کی طرح شیطان کے پاس اپنی روح گروی رکھنے کے سودے کے بغیر ویسی ہی طاقت حاصل کر سکتی ہے جیسی مغرب نے حاصل کی ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے ہم نہیں مانتے کہ ایسا کبھی ہو سکتا ہے۔ کسی محیر العقول قوت کا حصول جیسے ایٹم بم، جو مغرب کے ایٹم بموں کا جواب ثابت ہو سکے یا لیزر گائیڈڈ میزائل جو مغرب کے لیزر گائیڈڈ میزائل کا مقابلہ کر سکیں اور پھر اوپر سے یہ نعرہ لگانا کہ یہ ہے اسلامی بم، ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ محض ہماری خوش فہمی ہے۔ علاوہ ازیں ایسے تباہ کن ہتھیار بنانا روح اسلام کے بھی خلاف ہے کیونکہ جدید سائنس کا یہ پورا کارخانہ قدرت میں موجود روحانی جہات کو فراموش کر دینے کے مترادف ہے۔ یعنی قدرت سے خدا کا انقطاع، ایسے میں کوئی سائنس داں انفرادی طور پر وہ خواہ کتنا ہی متقی اور خدا پرست ہو روحانی کیفیت اس کے کسی بھی حساب کتاب اور مشاہدے میں نہیں آ سکتی۔ لہٰذا یہ سوچنا غیر ضروری ہے کہ جدید سائنس داں دنیائے فطرت کو کس نظر سے دیکھتا ہے نتیجہ یہ ہے کہ دنیائے فطرت کا مطالعہ آج ذاتِ باری تعالیٰ سے بے نیاز ہو کر خالص تجرید کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ آج سائنس کے میدان میں اب کسی کو مابعد الطبیعیات سے سروکار نہیں رہا۔ البتہ ایسا یقیناً ہو سکتا ہے کہ کچھ سائنس دان ذاتِ باری تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں اور نجی زندگی میں نیک، سچے اور صالح ہوں۔ مگر یہ بات ہمارے موضوع اور استدلال سے تعلق نہیں رکھتی۔ آپ کسی ایسے ماہر طبیعیات کا نام لے سکتے ہیں جو ملحد ہو اور ایسے بھی کسی ماہر طبیعیات کو جانتے ہوں جو کٹر عیسائی ہو اور وہ دونوں طبیعیات کے نوبل پرائز میں برابر کے شریک ہوں۔ وہ صاحب ایمان ہیں یا ملحد ہیں اس کا سائنس سے کوئی تعلق نہیں۔ سائنس تو صرف اتنا دیکھے گی کہ وہ سائنس کی جدید تفہیم کے مطابق کام کر رہے ہیں یا نہیں۔ خود سائنس کیا کر رہی ہے وہ ہے کیا وہ کس کی خدمت کر رہی ہے انسانیت کی، روحانیت کی، عوام کی، غرباء کی، مستحقین کی اس کا تصور خیر کیا ہے اس کی منزل مقصد سفر اور ہدف کیا ہے ان متقی پرہیز گار سائنس دانوں کو ایسے مباحث سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ وہ صرف سائنس کی پرستش اور اس پرستش کے نتیجے میں ملنے والی دولت کے ذریعے اپنے نفس کے الہٰ کی پرستش میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف عمل ہیں۔ اس سوال کا جائزہ کہ موجودہ حالات میں جب جدید سائنس و ٹکنالوجی کا سفر مغرب نہایت برق رفتاری سے طے کر کے بحر و بر کو فساد سے بھر رہا ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مسلم دنیا کیا کر سکتی ہے؟ یہ ممکن نہیں ہے کہ مسلمان طاقت کے تمام ذرائع یعنی ٹکنالوجی پر مکمل دسترس حاصل کر کے مسلمان بھی رہ سکتے ہیں اور مکمل طور پر خود مختار بھی۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ مغرب اپنی سائنس و ٹکنالوجی پر دسترس حاصل کرنے دے۔ ہم اس طریقے سے خود مختاری حاصل نہیں کر سکتے۔ جاپان دوسری عالمی جنگ میں شکست کھا گیا۔ اگر وہ جنگ میں نہ کودتا تو آج وہ دنیا کی بڑی فوجی طاقتوں میں سے ایک ہوتا لیکن کس قیمت پر؟

آج پچاس سال بعد جاپان کی صورتِ حال کیا ہے؟ وہاں بدھ مت کو کیا ہوا؟ جاپان کی مذہبی روایات کو کس کی نظر کھا گئی؟ الحاد اور لا ادریت بعد کی نسلوں میں جس طرح پھیلے ہیں سب کو معلوم ہے۔ یہی قصہ چین کا ہے جو دنیا کی بڑی طاقت بن سکتا ہے وہ اس وقت امریکہ کے بعد ماحولیاتی آلودگی پھیلانے والا دوسرا بڑا ملک ہے اس قیمت کے ادا کرنے کے باوجود کیا وہاں قدیم کنفیوشش کا چین برقرار رہے گا یا رخصت ہو جائے گا؟ یہ سوال ہے معاملے کی اصل جڑ، اس جڑ کو نظر انداز کر کے ہم صرف اندھا دھند سائنسی ترقی کے سوال پر غور نہیں کر سکتے۔ ہندوستان کا حال ہمارے سامنے ہے جہاں سرمایہ داری نے صرف پندرہ سال میں پانچ ہزار سال قدیم مذہبی تہذیبی اقدار تہس نہس کر دی ہیں جس معاشرے میں ماں باپ کی بے پناہ عزت تھی آج بچے ماں باپ کی خدمت کے لئے تیار نہیں لہٰذا بڑھاپے میں ماں باپ کی خدمت کو لازمی کرنے کے لیے لوک سبھا کو باقاعدہ قانون نافذ کرنا پڑا ہے سرمایہ داری خوشحالی روشن خیالی آتے ہی اولاد نے ماں باپ کی خدمت ترک کر دی ہے آخر کیوں؟ جب ہندوستان کا معیار زندگی آج کے مقابلے میں بہت کم تھا تب ہر بچہ ماں باپ کی خدمت کرتا تھا آج معیار زندگی مغرب کے برابر ہے تو خدمت کا جذبہ ہی ختم ہو گی اب قانون سے تو خدمت نہیں کرائی جا سکتی سوال یہ ہے کہ مغربی تہذیب جہاں بھی آئی پہلے فرد آزاد ہوا عورت گھر سے نکلی خاندان ختم ہوا اور اخلاقیات ختم ہوئیں آخر جدید زندگی اور مغربی تہذیب میں وہ کیا نقص ہے کہ معیارِ زندگی بلند ہوتے ہی خدا، خوف خدا، آخرت، محبت، خدمت کے جذبات خود بخود رخصت ہو جاتے ہیں وہ کیا راز ہے کہ ننگے بھوکے لوگوں نے کبھی اپنے ماں باپ کو بوجھ نہ سمجھا دنیا کی اکیس مذہبی تہذیبوں میں کبھی ماں باپ کی خدمت کے لئے قانون بنانا نہیں پڑا لیکن صنعتی ترقی اور سرمایہ داری آتے ہی ماں باپ کی محبت ختم ہوگئی کیوں؟ یہ مغرب کی ابلیسی تہذیب اور شیطانی سائنس کا کمال ہے۔اس معاملے کی تفصیل کے لیے The maintanace & walfare of parents and senior citizens Bill 2007 اور ویب سائٹ دیکھیے http://social justice. nic.in/social/sdcop/npop.pdf

[۴۹] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ مسلم مفکرین عموماً ہوائی قلعے بناتے رہیں۔ جس طرح ہمارے مسلمان مفکرین صدیوں سے بناتے رہے ہیں یا مزید آگے بڑھ کر ہم خیال کریں کہ ہم مغرب کی ٹکنالوجی کی عسکری اور دوسری صورتوں پر مکمل دسترس حاصل کر سکتے ہیں اور ہم مغربی ٹکنالوجی کے منفی اور ضرر رساں اثرات سے بھی محفوظ رہیں اور ٹکنالوجی جو اپنے ساتھ مادہ پرستی کے افکار لاتی ہے ان سے بھی بچے رہیں تو ہم اس طرح اپنے پیشے سے انصاف نہ کر سکیں گے اور ہم پر جو اجتماعی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ جو لوگ ہمارے پچھلے تمام مصلحین کے خوابوں پر اعتبار کرتے ہیں محمد علی پاشا، مفتی محمد عبدہ، جمال الدین افغانی اور ترکی کے سعید نورسی، علامہ محمد اقبال اور ایسے دوسرے حضرات کے خواب اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح بیک وقت مغرب کی سی ٹکنالوجی کی طاقت بھی ہم حاصل کر سکتے ہیں اور اسلام کے تصور کائنات اور اسلامی مابعد الطبیعیات کے بھی وفادار رہ سکتے ہیں یہ لوگ خود بھی ناممکن کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور یہی خواب امت مسلمہ کو بھی دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں یہ خواب ہے بہت خوبصورت ہے لہٰذا امت گزشتہ تین صدیوں سے اس خواب کی سحر انگیزی میں گرفتار اور اس کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر مغرب کی گلیوں میں گھوم رہی ہے۔ مسلم مفکرین کی حیثیت سے ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ دنیاوی نتائج خواہ کچھ بھی ہوں جہاں تک سائنس اور فطرت کا تعلق ہے ہمیں اسلامی تصور کائنات اور تناظر کو بہر صورت قائم رکھنا چاہیے اس تعلق فطری کی قیمت بہت زیادہ ہے کیا عالم اسلام اس کی قیادت انقلابی اسلامی تحریکیں اس قیمت کو ادا کرنے پر تیار ہیں؟ جو شخص قیمت ادا کرنے پر راضی ہو جائے اسے شکست نہیں دی جا سکتی لیکن آج عالم اسلام مسلسل شکست کھا رہا ہے کیوں؟ اسلام فطرت سے ہم آہنگ ہونے اور کائنات میں موجود تمام انواع کو فطرت سے ہم آہنگ کرنے کا نام ہے جبکہ مغرب فطرت کو اپنی خواہش نفس کے مطابق ڈھال دینے اور ڈھال لینے کا نام ہے مغرب ارادہ انسانی کو کائنات پر مسلط کرنے کا نام ہے جبکہ اسلام ارادہ انسانی کو ارادہ خداوندی کے تابع کرنے کا نام ہے یعنی اپنے آپ کو کائنات سے ہم آہنگ کر دو اسلام میں یہ کائنات جو فطرت اور قدرت کے مظاہر و آثار خدا کی تخلیق کا شہ پارہ ہے مغرب میں ذہن انسانی میں نفس کی خواہش سے تخلیق پانے والا عمل عالمی شہ پارہ ہے لہٰذا خدا کی کائنات کو

اس کے مطابق ڈھل جانا چاہیے۔ جدید سائنس وٹکنالوجی کو اختیار کرنے کے نتیجے میں مغرب کے خدا اور مذہب دشمن تصورات تہذیب اور کفر کی لغویات بھی چلی آتی ہے جسے روکنا ممکن نہیں ہے مغرب کی ایجاد سے تعلق کی قیمت بہت زیادہ ہے یہ قیمت آخرت کو خراب کرنا ہے عالم اسلام اس قیمت پر کبھی مغرب کو قبول نہیں کرسکتا ایک اہم جائزہ۔[۵۰] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ جس طرح مغرب میں بعض لوگ جدید ٹکنالوجی سے اپنے ماحولیات کے تحفظ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ہمیں بھی اپنے ماحولیات کے تحفظ کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ یہ جانے بغیر کہ اسی ٹکنالوجی نے ماحولیات کو تباہ کیا اب اس کی مدد سے ماحول کو بچایا جائے۔ یہ نقطۂ نظر اختیار کئے بغیر روایت کا مکتبہ فکر جو رینے گینوں کا مقلد ہے اور سائنس ومغرب کا سب سے بڑا ناقد یہ موقف اختیار کرتا ہے کہ ہمیں مغربی سائنسی علوم کا پوری اور گہرا مطالعہ کرنا چاہیے اور ان کو اسلامی تناظر میں جذب کرلینا چاہیے۔ اور یہ کام آگے بڑھ کر اگلے مورچے پر سائنسی علوم کی سرحدوں پر جا کر خصوصاً طبیعیات کی سرحدوں پر اور کوانٹم میکانیات کے اندر جا کر۔ کوانٹم میکانیات کی تعبیر نو کوپن ہیگن سکول اور ڈیکارٹ کے نظامِ ثنویت کے مطابق نہیں [جو جدید کونٹم میکانیات کی فکری بنیادوں میں بیٹھے ہیں] بلکہ مابعد الطبیعیات کے تناظر میں کرنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان معاملات کو فلسفیانہ طور پر سمجھنا بڑا ہی مشکل اور کٹھن کام ہے اور یہیں سے ہمارے لیے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کوانٹم میکانیات کے علاوہ دوسرے شعبوں کا بھی یہی حال ہے۔ ہمیں دنیائے اسلام میں جہاں تک ممکن ہوسکے، ایسے علاقے قائم کرنے چاہئیں جہاں عالم فطرت اور سائنس کے اسلامی تصور پر مبنی متبادل ٹکنالوجی پر تجربے کئے جاسکیں، بالخصوص طب، دواسازی، زراعت اور دوسرے شعبوں میں جہاں تجربے ہوسکتے ہوں۔ امید ہے کہ نت نئے مہلک اور تباہ کن ہتھیار بنانے کا جنون، جس کی وجہ سے دنیا میں تباہی و بربادی آرہی ہے، بتدریج ختم ہوجائے اور انسانیت کی رمق باقی رہ جائے جو مقدس اور روحانی طور پر معتبر سائنس کا بیج بوسکے اور خوش آئند مستقبل کے لیے عالم فطرت سے ہمارا سچا تعلق قائم کرسکے۔ کیا جدید سائنس اور جدید طبیعیات جس مابعد الطبیعیات سے برآمد ہوتے ہیں ان کا مطالعہ اسلامی مابعد الطبیعیات کے تناظر میں ممکن بھی ہے؟ اور کیا فائدہ مند بھی ایک اہم جائزہ۔[۵۱] ڈیوڈ کنگ اور چند دوسرے مؤرخین نے سید حسین نصر پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ نصر نے اسلامی سائنس کی تعریف متعین کئے بغیر اس کو ایک ''آئیڈیل'' بنادیا ہے حالانکہ حسین نصر نے اپنی متعدد تحریروں میں اسلامی سائنس کو بڑی صراحت سے بیان کیا ہے۔ لیکن حسین نصر نے ریاضیات کی تاریخ کے بارے میں اپنا جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ ڈیوڈ کنگ نے اس پر خاصی نکتہ چینی کی ہے۔ خصوصاً ''فسٹیول آف اسلام'' کے موقع پر نصر کی جو کتاب شائع ہوئی تھی ڈیوڈ کنگ کا اشارہ اس کی طرف تھا۔ کیا حسین نصر، وقار حسینی، ضیاء الدین سردار، مظفر اقبال، ڈاکٹر رئیس احمد، ذکی کرمانی، ریاض کرمانی اسلامی سائنس کو محض ایک آئیڈیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اسلامی سائنس اور مغربی سائنس کے مفکرین کے باہمی نقد ونظر اور ایک دوسرے پر عائد کئے گئے الزامات واعتراضات کا پہلا محققانہ جائزہ۔[۵۶] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ حسین نصر اور ان کے مکتب فکر نے اسلامی سائنس کی تاریخ کا جائزہ مجموعی تناظر میں لیا ہے جسے ڈاکٹر ڈیوڈ کنگ اور دوسرے مغربی مورخین سائنس سمجھ نہیں سکے۔ کیونکہ یہ حضرات دراصل ثبوتیت اور تجربیت کے قائل ہیں۔ وہ سائنس کی تاریخ کا مطالعہ ماخ اور جارج سارٹن کی عینک سے کرتے ہیں جنھوں نے پیری ڈوہم [Pierre Duhem] کے نقطۂ نظر کو مسترد کررکھا ہے، جس کے مطابق سائنس کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے ثبوتیت کو نہیں، غیر ثبوتیت کو بنیاد بنانا چاہیے۔ چنانچہ جونہی سائنس کی تاریخ مرتب ہونا شروع ہوئی یہ ثبوتیت کی اساس پر استوار ہوتی گئی۔ لیکن ثبوتیت کے اسلوبِ تحقیق کو اسلامی سائنس داں آغاز میں ہی مسترد کرتے ہیں۔ اس وقت زیادہ تر اس بات کی کوشش روایت کے مکتبہ فکر کی جانب سے کی گئی کہ سائنس کو اسلام کے عقلی تناظر میں سمجھا اور سمجھایا جائے۔ یعنی جہاں تک روایت کا مکتبہ فکر یعنی رینے گینوں کا حلقہ سمجھتا ہے حالانکہ یہ سمجھنا بھی کوئی آسان کام نہیں کہ سائنس اصل میں ہے کیا۔ پھر بھی روایت کا مکتبہ فکر خاصہ واضح ہے۔ اگر آپ کسی مغربی مفکر سے پوچھیں کہ سائنس کیا ہے؟ تو اس کے لیے اس سوال کا جواب دینا خاص مشکل ہوگا۔ حالانکہ اس سوال کا جواب وہی ہے جو سائنس کے ایک مورخ نے دیا تھا کہ سائنس وہی کچھ ہے جو سائنس دان کرتے ہیں۔ کیا یہ جواب بہترین جواب نہیں ہے کیونکہ اگر آپ کا جواب یہ ہوگا

کہ سائنس فلاں فلاں مخصوص سائنسی طریق پر مبنی ہوتی ہے تو یہ جواب کم از کم کیپلر یا آئن سٹائن کے موافق نہ ہوگا۔ اسی طرح آپ اس کے علاوہ کوئی اور جواب دیں تو اس کے لیے کچھ اور مستثنیات ہوں گی۔ پس سائنس تو وہی کچھ ہے جو سائنس داں کرتے ہیں۔ تو پھر اسلامی سائنس بھی وہی کچھ ہے جو اسلامی سائنس داں کرتے ہیں۔ مزید برآں روایت کے مکتب نے تو اپنی طرف سے اسلام کی عقلی کائنات کے پورے سیاق وسباق میں اسلامی سائنس کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور حسین نصر وغیرہ نے اپنی دانست میں اپنے تصور وحدت ادیان کے تناظر میں اور اس فلسفے کے سیاق وسباق میں کہ پہلے فلسفی حضرت ادریسؑ تھے اور بابل میں اللہ کے پیغمبر نے پہلی سائنسی ریاست کا سنگ بنیاد رکھا اور فلسفہ و مذہب میں کوئی تضاد نہیں ہے اسلامی سائنس کی تاریخ کے مطالعے کو اپنے تصور وحدت ادیان کے تناظر میں بڑی وضاحت سے تحریر کر دیا ہے۔ لیکن مغرب کے مورخین نے ایک عرصے تک روایت کے مکتبہ فکر کے اسلامی سائنس کے موقف کو تسلیم نہیں کیا۔ بہرصورت اب چند سائنس داں سامنے آئے ہیں جنھوں نے حسین نصر کا یہ نقطۂ نظر تسلیم کر لیا ہے کہ سائنس کی تاریخ کو متعلقہ تہذیب کے اپنے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ جوزف نیندھم پر نصر کی تنقید کا تعلق بھی اسی موقف سے تھا۔ انھیں اپنی تصنیف چین میں سائنس اور تہذیب کی مدد کے لیے کیمبرج یونیورسٹی کے علماء کی ایک پوری ٹیم میسر تھی، جبکہ نصر اکیلے تھے اور انہوں نے اورینٹل سائنس کے بارے میں ان کے خلاف ردعمل کے طور پر اسلام میں سائنس اور تہذیب نامی کتاب لکھی تھی۔ جس وقت جوزف نے اپنی یادگار کتاب لکھنی شروع ہی کی تھی اور ایک ایسے مغربی سائنس داں کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی تھی جو مارکسی اشتراکی خیالات رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ کنفیوشسیت اور تاؤمت کے تناظر سے چینی سائنس کی تاریخ لکھی جاتی تو وہ بالکل مختلف ہوتی۔ بالکل یہی معاملہ اسلامی سائنس کا ہے۔ کیا اسلامی سائنس پر مرتبہ تواریخ اس نقطۂ نظر کے تناظر میں مرتب کی گئی ہیں ایک اہم جائزہ۔ [۵۲] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ حسین نصر نے اپنے طور پر وہ منہاجِ تحقیق وضع کر دیا جسے اسلامی سائنس کی تاریخ کے مطالعے کے لیے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ نصر نے بہت پہلے ساٹھ اور ستر کی دہائی میں اس منہاج کو اپنی تصنیف میں واضح کر دیا تھا۔ اور اب حسین نصر کے پاس نوجوان مسلم دانشوروں کی ایک پوری نسل تیار ہو چکی ہے بلکہ سائنس کی تاریخ کے ایسے مغربی دانشور پیدا ہو چکے ہیں جو نصر کے نقطۂ نظر کے خلاف نہیں۔ بہت سے ایسے بھی ہیں، جو اس موضوع کے بارے میں ان کے ہم خیال ہیں۔ اگرچہ مخالفین کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ جیسے ڈیوڈ کنگ ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اس روحانی تناظر سے باہر ہیں، جو صرف مسلمان سائنس دانوں ہی کا حصہ ہے۔ نصیر الدین طوسی یا ابن سینا کا تصور کائنات مغربی سائنس داں پوری طرح نہیں سمجھ سکتے لیکن اس سے اُن کے احترام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انھوں نے اپنی اپنی جگہ قابلِ قدر خدمات انجام دے رکھی ہیں۔ مسلمان مورخین سائنس کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے انداز میں اسلامی نقطۂ نظر سے سائنس کی تاریخ کا مطالعہ کریں اسلامی سائنس کی تاریخ کے مطالعے کے لیے نصر کا منہاج تحقیق کیا ہے؟ کیا یہ منہاج تحقیق عالم اسلام کی متفقہ مشترکہ علمی اساس سے ہم آہنگ ہے یا شیعیت اور معتزلہ کی علمی روایات سے ہم آہنگ ہے کیا یہ نقطۂ نظر قرآن وسنت آثار صحابہ امت مسلمہ کی تاریخ کی حقیقی روایت کی توضیح تشریح وتوجیہہ ہے یا اصلاً نصر کا منہاج تحقیق معتزلہ کے قدیم منہاج تحقیق کا جدید دیباچہ ہے ایک اہم جائزہ۔ [۵۳] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ آغازِ تخلیق کے دو پہلو ہیں۔ آغاز تخلیق کائنات اور آغاز تخلیق حیات۔ مذہب اور سائنس کے میدان کا یہ بہت بڑا موضوع ہے۔ نصر نے اپنی تصنیف Islamic Cosmological Doctrines میں مسئلہ تخلیق پر تین خاص پہلوؤں سے بحث کی ہے لیکن جدید کونیات جو خالص طبیعی کائنات ہے۔ نصر کے نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کرتی۔ سوال یہ ہے کہ ہبل کی دوربین اور دوسرے جدید آلاتِ رصد کے مشاہدات کے ذریعے جو نئے انکشافات وحقائق سامنے آئے ہیں اُن کی تطبیق ابن سینا، اخوان الصفا اور البیرونی کے نظریات سے کیونکر ہو سکتی ہے؟ مختصر یہ کہ اب جو نئے شواہد وانکشافات سامنے آئے ہیں، اُن کی روشنی میں تخلیق کائنات کے آغاز کے بارے میں اب اسلامی نقطۂ نظر کیا ہوگا؟ اور ابن سینا اور البیرونی کے نظریات سے ان کا موازنہ کن اصولوں کی بنیاد پر ہوگا؟ کیا جدید کونیات [Modren cosmology] حتمی قطعی اور لازمی ہے کیا اس کی تحقیقات اور حاصلات ناقابلِ تغیر وتردید ہیں ظاہر ہے کہ

ایسا نہیں ہے سائنسی ایجادات و اکتشافات کو حتمی نا قابلِ تغیر قطعی اور لازمی سمجھنا سائنس کے منہاج کی نفی ہے۔ اسلام نے یا ہندومت یا عیسائیت یا کسی اور مذہب نے آغاز تخلیق کائنات کے بارے میں جو بھی تعلیمات دی ہیں۔ جدید کونیات نے انھیں غلط اور منسوخ قرار نہیں دیا ہے۔ جدید کونیات محض طبیعیات ارضی کی توسیع ہے، جو اس مفروضے پر مبنی ہے کہ طبیعیات کے تمام قوانین جو زمین پر لاگو ہوتے ہیں ان کا اطلاق تمام کائنات پر ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جس کی پیمائش آلات سے نہ ہوسکتی ہو، وہ کونیات کے دائرے سے خارج ہے پس جدید کونیات کلاسیکی طبیعیات کے علاوہ جدید طبیعیات اور کوانٹم میکانیات کی قابل پیمائش دنیا تک محدود ہے۔ جب کہ اس کے برعکس آغازِ تخلیق کائنات کے بارے میں اسلام کے یا کسی دوسرے روایتی مذہب کے عقائد حقیقت کے پورے عرفان یا جزوی عرفان پر مبنی ہیں۔ حقیقت میں صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہی نہیں بلکہ تمام ملکوتی یا غیر مادی جہات بھی شامل ہیں، جن پر کائنات کے طبیعی پہلوؤں کے بارے میں نئی تحقیقات و انکشافات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تمام جدید کونیاتی نظریات کو کوئی عقل مند کبھی سنجیدگی سے نہیں لیتا۔ یہ سب ہر دس سال کے بعد تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان نظریوں کے بارے میں قیاس آرائی بہت ہوتی ہے۔ نامعلوم کی ایک ایسی فضائے بسیط معلوم پر محیط ہے کہ جسے تخلیق کائنات کے بارے میں آخری اور حیرت انگیز نظریے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ نظریہ منصۂ شہود پر آنے کے بعد متروک و منسوخ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی دوسرا سائنس داں اپنی نئی دریافت کے ساتھ آجاتا ہے کہ اس نے مشاہدۂ افلاک کے لیے نئے صوتی آلات ایجاد کر لیے ہیں، جو نتائج کو یکسر بدل کر رکھ دیں گے یا کوئی محقق نمودار ہو کر دعویٰ کرے گا کہ اس نے ایک نیا نظام پیمائش یا نیا ہندسی فارمولا دریافت کر لیا ہے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے نظریات کی قطار لگ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر زمانہ حال میں متعدد نظریے مشہور ہیں۔ کثیر نوعی کائناتیں[Multiple Universes] سٹرنگ تھیوری[String Theory]، بگ بینگ تھیوری [Big Bang Theory] بلکہ گزشتہ پچاس برس کے اندر کونیات کے پانچ چھ بڑے نظریوں کی صحت کے بارے میں دلائل کا انبار لگ چکا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نیا سائنسی نظریہ اپنے سے پہلے کے سائنسی نظریے کو غلط قرار دیتا ہے یعنی وہ غیر سائنسی نظریہ ہو گیا جو لوگ جدید طبیعیات و کیمیا کی اساس پر کائنات کے بارے میں نظریہ سازی کرتے ہیں انھیں اصطلاح کونیات[Cosmology] استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ کونیات کا مطلب ہے کون یعنی کائنات کی سائنس۔ اور کائنات صرف مادی یا قابل پیمائش یا مرئی چیزوں تک محدود نہیں ہے۔ یہ چیزیں کائنات کا حصہ تو ہیں لیکن یہی کل کائنات نہیں ہیں روایت کے مکتبہ فکر کی یہ دلیل یہ نقطۂ نظر یہ بات اسلامی تناظر میں تو ٹھیک ہے لیکن جدید فلسفے کے تناظر میں جو کانٹ کے بعد نہایت مضبوط نئی مابعد الطبیعیات کے ساتھ جلوہ گر ہے اور جس کی روشنی میں جدید سائنس نے اپنا سفر طے کیا ہے بالکل غلط غیر علمی اور مغرب کے لئے قطعاً نا قابل قبول ہے وہاں غیر مرئی کائنات کو موجود اور محسوس کر کے تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس تک رسائی کو محال قرار دے کر اس کو سائنس اور علم انسانی کے دائرے سے باہر نکال دیا گیا ہے لہٰذا جدید سائنسی تناظر میں اس غیر مرئی غیر مادی کونیات کی سائنس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض سنجیدہ مفکرین بھی ایسی نظریہ سازی کو سنجیدگی سے نہیں لیتے لیکن اکثریت کی رائے یہ نہیں ہمارے لئے جو کرنے کا کام یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق پہلے کائنات کے متعلق اسلامی نظریہ قائم کریں۔ پھر یہ دیکھیں کہ جدید ماہرین کونیات کیا کہتے ہیں؟ اسلامی نظریے اور جدید نظریوں میں خواہ مخواہ کی ظاہری مماثلتیں ڈھونڈنے کی بھی ضرورت نہیں، جیسے یہ کہنا کہ ہاں بگ بینگ کے بارے میں تو قرآن نے پہلے ہی کہہ رکھا ہے ''کن فیکون'' یا جیسے کہ بعض مسیحی علمائے دین کہا کرتے ہیں، امر ربی[Fiat Lux]۔ یا ہمارے ذاکر نائیک صاحب بھی یہی فرماتے ہیں اس طرح کے مذہبی اقتباسات کو سائنسی نظریات پر منطبق کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ عنقریب کوئی سائنس داں اٹھے گا اور ثابت کر دے گا کہ بگ بینگ نہیں ہوا تھا۔ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ دس پندرہ سال پہلے کی بات ہے فلاڈیفیا میں یہودی علماء دین اور یہودی ماہرین کونیات کے مابین بگ بینگ کے مسئلے پر ایک بڑی کانفرنس ہوئی تھی۔ آج بھی ایسے کئی ماہرین کونیات موجود ہیں جو بگ بینگ کو یا اس کے نظریے کو تسلیم نہیں کرتے۔ مذہبی کونیات کو جس کی اساس ماورائے طبیعی عرفان یا تصور کائنات پر ہے اور جدید کونیات کو ایک

دوسرے میں خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ یہ علم کے دو جداگانہ طریق ہیں اور ان کی اصطلاحیں باتیں اور اخذ کردہ نتائج جداگانہ ہیں۔ کیوں کہ دونوں دو مختلف مابعدالطبیعیاتی تصورات سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا یکساں نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ جدید کونیات اس نظریے کی بنیاد پر کھڑی ہے کہ کرۂ ارض کی طبیعیات کے مطابق جو قابل مشاہدہ چیز قابل پیائش ہے، اس کا اطلاق پوری کائنات پر ہوتا ہے یعنی ستارے جس مادے سے بنے ہیں اسی مادے سے وہ گلیاں بنی ہیں۔ جن پر آپ اور میں چلتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ادعا ہے جسے سائنسی طور پر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ جدید تجزیہ پسندی، جدید سائنس پرستی کی نظریہ بازی کی تحریک کا ایک حصہ ہے۔ ہمارے لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ یہ بات ثابت کریں کہ اسلامی کونیات کا جدید نظریوں اور مفروضات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک بالکل مختلف آرٹ، بالکل مختلف سائنس اور بالکل مختلف اندازِ فکر و نظر ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دو بالکل مختلف و متضاد چیزوں، دو بالکل مختلف و متضاد علوم، دو بالکل مختلف و متضاد عقلی مشاغل کے لیے ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے۔ روایتی کونیات اور جدید کونیاتی مفروضات میں زمین آسمان کا فرق ہے، جو پچھلی صدی میں وضع ہوئے ہیں اور جو محض ارضی طبیعیات کی توسیع ہیں۔ جدید قدیم کونیات کے مباحث کا مفصل جائزہ [۵۹] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ مغرب کے تخلیق حیات کے تصورات گزشتہ تین صدیوں میں سرعت سے تبدیل ہوئے ہیں اور سائنس داں کسی ایک نقطۂ نظر پر متفق نہیں ہوسکے اس کے برعکس تخلیقِ حیات کے آغاز کے تعلق کے بارے میں پوری اسلامی عقلی روایت کا فیصلہ ہے جس کی توثیق حکمتِ قدیمہ نے کر رکھی ہے کہ ہر چیز کا مبدا ذات باری تعالیٰ ہے۔ ہر چیز جو موجود ہے، اس کا وجود ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اگر مغربی فلسفے یا مذہب کی زبان میں بات کریں تو کہا جائے گا کہ تمام مخلوقات کا مصنف خدا کا ہاتھ ہے۔ جو چیز بھی خلق کی گئی ہے وہ اسی مصنف اعظم نے پیدا کی ہے۔ زندگی ایک عجیب اور مختلف نوعیت کی چیز ہے جو کرۂ ارض کی سطح پر پائی جاتی ہے جہاں ہم اس کا مشاہدہ بے جان مادے کے مقابل کرتے ہیں اور یہ خیال کہ خالق اور اس کی مخلوقات کا باہمی تعلق صرف مبدائے کائنات کے نقطۂ آغاز سے ہے اور اس کا نقطۂ آغاز بگ بینگ ہے اور بگ بینگ کے فوراً بعد خالق و مخلوق کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ یہ خیال محض ایک خود ساختہ مفروضہ ہے جسے اسلام ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام کے نزدیک رضائے الٰہی ہر وقت ہر دم اپنی مخلوقات کے ساتھ رہتی ہے۔ رضائے الٰہی آپ کے ساتھ بھی ہے، میرے ساتھ بھی ہے لہٰذا مخلوقات کی ابتداء کا مسئلہ بہت آسان اور قابل فہم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک اور امر ربی ہے، ایک اور خداوندی شانِ نزول، مادی دنیا میں شمولیت، حقیقت مطلقہ کے ایک اور مکانی تانے بانے کا تعارف۔ پس اگرچہ ہم کیمیاوی اور حیاتیاتی عناصر میں زنجیری عمل پیدا کرنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں لیکن ان مادوں میں کوئی مکمل تعامل پیدا نہیں ہو پاتا۔ کہا جاسکتا ہے کہ اگر تسلسل نہیں تو پھر ایک جست سہی، ایک لمبی کوانٹم چھلانگ۔ جدید سائنس میں اگرچہ قدرت کی تخلیق سے 'خدا کا ہاتھ'' کاٹ دیا گیا ہے۔ یعنی تخلیق سے خدا کا کوئی تعلق نہیں۔ پھر بھی تخلیق کی قوت کائنات کے اندر الوہیت وحدت اور ماورائیت کی صورت میں جاری و ساری محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ سائنس داں ایسی اصطلاحات استعمال نہیں کرتے۔ یوں لگتا ہے جیسے تخلیق کی قوت خدا کے ہاتھوں سے لے کر قدرت کے ہاتھوں میں دے دی گئی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی یکا یک کیمیاوی عناصر کا ملغوبہ چھلانگ لگا کر ایک زندہ مخلوق بن جاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ چھلانگ خود دنیائے فطرت کے اندر سے لگائی گئی ہے۔ اور یہ سوچ کر کہ یہ سب کچھ خود بخود ہوا ہے لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ اس پودے کا عمل ایک ماورائی سبب ہے تو وہ مضطرب ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ اُس فلسفے کی وجہ سے عین ممکن ہے جو آج دنیائے جدید پر مسلط ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی منطق سمجھ میں نہیں آتی۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ چھلانگ بیرونی عوامل کے سبب سے نہیں بلکہ اندرونی عوامل کے سبب سے لگی ہے تو یہ بڑی اہم، قابل فہم اور قابل ذکر بات ہے۔ یہ بات اس چھلانگ پر بھی صادق آتی ہے، جو زندگی سے شعور کی طرف لگائی جاتی ہے بلکہ یہ چھلانگ زیادہ بڑی اور لمبی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک پرندے کو اڑتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس سوچ میں پڑ جانے کی کوئی منطق نہیں ہے کہ پر ایک ایسے عضو سے بتدریج پیدا ہوئے تھے جس کا پرواز سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یا یہ فرض کرنے بیٹھ جائیں کہ آنکھ کسی عجیب عضو سے ارتقاء

پارہی تھی کہ یکا یک اس نے دیکھنا شروع کردیا۔اس قسم کی سوچ بالکل فضول ہے۔لیکن ایسی باتوں پر ہم یقین کر لیتے ہیں اور حقیقت کی ان نشانیوں پر یقین نہیں کرتے جو قدرت میں نظر آرہی ہیں اور جن میں کثرت ہے،تنوع ہے،متنوع حقائق ہیں،متنوع اشکال ہیں، متنوع انواع ہیں،زندگی کی متنوع صورتیں ہیں،متنوع صلاحیتیں اور توانائیاں ہیں۔اسلامی کونیات کے تصورات اسلامی تاریخ وتہذیب کے لئے اجنبی نہیں ان کی دریافت شناخت اور فروغ کا عمل جاری وساری ہے۔اگر ہمارے پاس باصلاحیت مسلمان فلسفیوں اور سائنس دانوں کی کھیپ موجود ہو جن کی جڑیں اپنی روایت میں بہت گہری ہوں تو وہ تمام چیزوں کے درمیان کمال درجے کا ارتباط پیدا کر سکتے ہیں۔اسلام اور سائنس اور مغرب کے تعلق پر دس برسوں میں کئے گئے کام کا ایک طائرانہ جائزہ ان لوگوں کا بھی تذکرہ جو جدید سائنس اور اسلام میں ارتباط پیدا کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔[۵۵] ڈیوڈ کنگ نے حسین نصر کی کتاب اسلامی سائنس: باتصویر مطالعہ پر ایک تنقیدی تبصرہ کیا تھا جو تاریخ فلکیات کے جریدے میں چھپا تھا۔اس تبصرے میں انھوں نے لکھا تھا: نصر کا فلسفہ اور اس کے ساتھ ساتھ مغربی سائنس اور تہذیب سے بہ حیثیت مجموعی اُن کی نفرت جس کا اظہار ہر باب میں ہوا ہے۔ان کے کام کو ایک ذاتی تشریح وتعبیر کی چیز بنادیتی ہے بجائے تاریخی جائزہ لینے کے نصر نے ریاضی اور فلکیات کے ابواب میں تو خاص طور پر ایسی غلطیاں کی ہیں جو اسلامی فلکیات اور ریاضی کے نقطۂ نظر سے بڑے سنجیدہ مباحث کا تقاضا کرتے ہیں۔اسلامی فلکیات کے تین بنیادی پہلو ہیں۔اوّل ہر نئے ماہ نئے چاند کی رؤیت کی تعین،پانچ نمازوں کے اوقات کی تعیین اور قبلے کی صحیح سمت کی تعین۔نصر صاحب نے ان پہلوؤں کو تو بالکل ہی نظر انداز کردیا ہے اور دوسرے اور تیسرے پہلو کے بارے میں بھی اپنی طرف سے کوئی حتمی رائے دیے بغیر ’’اسلامی شعائر کی کائنات جہت‘‘ کہہ کر ٹرخادیا ہے۔مسلمان ہیئت داں ہزار برس سے رؤیت ہلال،اوقاتِ نماز اور سمت قبلہ پر خاص زور دیتے رہے ہیں۔یہ اور اسلامی لٹریچر کے دیگر امور پر چند فقروں سے زیادہ پوری سنجیدہ توجہ کی ضرورت تھی۔ایک ایسی کتاب میں جس کا نام ہی اسلامی سائنس ہے۔کیا ڈیوڈ کنگ کا یہ تجزیہ تبصرہ درست ہے؟ روایت کا مکتب فکر ایک جانب جدید مغربی سائنس سے نفرت کا اظہار کرتا ہے لیکن عملاً جدید سائنس سے بے پناہ دلچسپی بھی رکھتا ہے اور اسلامی کونیات کے تناظر میں یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ جدید سائنس نے زندگی کے بارے میں جتنی چیزیں بھی دریافت کی ہیں ان سب میں اسلامی کونیات کے ذریعے ایک کامل ہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہے حیرت انگیز طور پر روایت کا مکتبہ فکر حسین نصر کی عالمانہ قیادت میں یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ سائنس کی ہر دریافت حقیقت کو حقیقت جان کر کی گئی ہے اور محض مفروضات پر مبنی ایسی تشریحات وتعبیرات کو،جو حقیقت مطلقہ کے عرفان اور طبعی کائنات کے ہر مظہر میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے ہم آہنگ نہ ہوں، سائنس بھی ان کو تسلیم نہیں کرتی۔وہ یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ ہم جدید سائنس اور اسلام میں ایسا کامل درجے کا ارتباط انسلاک اور اشتراک پیدا کردیں گے جس سے ثابت ہو جائے گا کہ زندگی کی بنیاد محض غیر ثابت شدہ اور قیاسی مفروضات پر نہیں بلکہ حقیقت پر قائم ہے۔ایسا کرتے وقت نہ تو کسی مذہبی عقیدے کو قربان کیا جائے گا نہ سائنس کی کسی دریافت کو نظر انداز کیا جائے گا۔کیا روایت کا مکتبہ فکر اسلامی مابعد الطبیعیات علمیت تہذیب وتاریخ میں جدیدیت کے نفوذ اور نفاذ کی مخفی کوشش تو نہیں کیونکہ اس مکتب فکر کے پاس اندلس اسلامی تاریخ و تہذیب کا واحد استعارہ ہے اہم جائزہ۔اس مکتب فکر کا ایمان ہے کہ اسلام کی وہ تعلیمات جن کا خاکہ چند ماہرین کونیات نے تیار کیا تھا جس کا تذکرہ نصر کی کتاب Islamic Cosmoligical Doctrins میں کیا تھا آج بھی معتبر ہیں۔اس دعوے کا ایک اہم جائزہ۔

[۵۶] پاکستان نے ۲۰۰۷ تا ۲۰۰۸ء میں ایک ارب ڈالر کھانے کا تیل درآمد کیا۔ایک ایسے ملک میں جو زرعی ملک کہلاتا ہے خوردنی تیل کی درآمد زرعی حکمت عملی کی مکمل ناکامی کا نمونہ ہے۔لوگوں کے ذوق کی تبدیلی بھی تیل کی درآمد کا اہم ترین ذریعہ ہے پام آئیل،سویابین اور سورج مکھی کے تیل کے رنگوں نے جو کیمیائی مادے سے تعدیل کرکے نہایت خوبصورت بنائے جاتے ہیں اور آنکھوں کو نہایت بھلے اور خوبصورت لگتے ہیں لوگوں کی جمالیاتی حس کے لئے تباہ کن ضرورت کا درجہ اختیار کر گئے ہیں ہمارے روایتی تیل سرسوں اور بنولہ لوگوں کو پسند نہیں آرہے سرسوں کے تیل کا رنگ اور بو ناپسندیدہ ٹھہری اور اسے تیل کے زمرے سے ہی تقریباً خارج کردیا گیا ہے کیونکہ یہ جمالیاتی

جس کے لے نا قابل قبول ہے بالکل اسی طرح جس طرح لال آٹا لوگوں کی جمالیاتی حس اور زبان کی لذت کے لئے نا قابل قبول ہوگیا ہے اس کے برعکس بغیر بھوسی کا سفید آٹا لوگوں کی پسندیدہ خوراک ہے کیونکہ اس کا رنگ دلوں کو بھاتا ہے گوری عورت اور گوری روٹی عہد حاضر کے پاکستان کے نہایت پسندیدہ عناصر ہیں لوگ لال روٹی حقارت سے رد کر کے میدے کی چمڑا روٹی شوق سے کھاتے ہیں جو ٹھنڈی ہوجائے تو کھانے کے قابل نہیں رہتی اور ایک ایسی قوم جس کی اکثریت کالوں پر مشتمل ہے اس کی تمام مائیں جو خود کالی ہیں اپنے کالے بیٹوں کے لئے گوری لڑکیاں ڈھونڈتی پھرتی ہیں پوری قوم کا پسندیدہ مشغلہ یہی ہے اور بلا تفریق مذہب و مسلک تمام خواتین و مرد یہ کام نہایت ذوق شوق تندہی سے فریضے کے طور پر انجام دیتے ہیں عہد حاضر میں پس جدیدیت فلسفے [Post modren philosphy] سے نکلنے والے جمالیاتی فلسفے نے پاکستانی معاشرے پر کس قدر اصل ڈالا ہے اس اثر کی غیر فلسفیانہ سطح پر عملی زندگی سے مندرجہ بالا دو چھوٹی سی مثالیں بتا رہی ہیں کہ جمالیاتی ذوق بلند ہونے کے باعث زندگی کا معیار بہت بلند ہوگیا ہے آرزوئیں تمنائیں اور خواہشات بھی بہت بلند ہوگئی ہیں جس کے باعث لوگوں کی آمدنی کفایت نہیں کر رہی لہٰذا طرح طرح کی بیماریاں، وبائیں اور چوری بدعنوانی، رشوت ستانی، ڈاکے عام ہوگئے ہیں جمالیاتی ذوق کو لمحوں میں بلند کیا جاسکتا ہے لیکن اس شوق کی قیمت ہر شخص اپنے وسائل سے ادا نہیں کر سکتا لہٰذا اس کی قیمت معاشرے کو ادا کرنا پڑتی ہے اعلیٰ جمالیاتی ذوق نے لوگوں کے رویے میں کیا تبدیلی پیدا کی اس تبدیلی نے ہماری معاشرت معیشت صحت اور خاندانی نظام پر کتنے مضر اثرات مرتب کئے ہیں اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تقی عثمانی صاحب کے اسلامی سود اور کالے سود کے ذریعے نئی گاڑیوں کی قسطوں پر فراہمی نے پاکستان کو شدید معاشی نقصانات سے دوچار کیا ہے۔ تو دوسری طرف پاکستانی معاشرے کی اقدار کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے اسلامی تاریخ میں قرض پر معیار زندگی بڑھانے کو ہمیشہ حرام سمجھا گیا ہے مقروض کے لئے جنت حرام ہے شہید اگر مقروض ہے تو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا رسالت مابؐ جب بھی جنازہ پڑھانے جاتے تو پہلا سوال یہ کرتے کہ مقروض تو نہیں ہے اور مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جب تک کہ قرض ادا نہ ہوجائے رسول اللہ نے فرمایا میں کفر اور قرض سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور رقرض کو کفر کی صف میں رکھتے ہیں فرمایا ہاں [نسائی] ایک صحابی نے حضورؐ کے پاس آکر دریافت کیا کہ اگر میں اپنے جان و مال سے جہاد کروں اور اس حال میں مارا جاؤں کہ ثابت قدم رہوں۔۔۔تو کیا میں جنت میں جاوں گا فرمایا ہاں انہوں نے دو تین بار یہ سوال دہرایا ہر بار حضورؐ نے یہی جواب دیا اور آخر میں فرمایا بشرطیکہ تم پر کوئی ایسا قرض نہ ہو جس کی ادائیگی کا سامان نہ کیا ہو [احمد ربزار] گاڑی یا مکان اسلامی سود یعنی نام نہاد اسلامی بینکوں المیز ان وغیرہ سے لیا گیا ہو یا غیر اسلامی سود سے سوال یہ ہے کہ وہ آپ کی ملکیت نہیں ہے آپ ہر ماہ قسط ادا کر رہے ہیں جب آپ صاحب حیثیت نہیں تو اپنی حیثیت سے بڑھ کر طرزِ زندگی کیوں اختیار کر رہے ہیں اور اپنے پاؤں چادر سے باہر کیوں پھیلا رہے ہیں رسول اللہ نے سب سے بڑی فکر قرض کی فکر قرار دی ہے [اوسط] ممنوعہ کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ بندہ قرض چھوڑ کر مرے اور ادائیگی کا کوئی سامان نہ کرے [ابوداؤد] آنحضرتؐ کسی ایسی میت کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جو قرض چھوڑ کر مرا ہو [ابوداؤد، نسائی احمد] اسلامی سود پر صرف نئی کار نہیں آتی بلکہ اس کے ساتھ آرام آسائش، اللّلے تللّلے سہولیات، عیش و عشرت کا ایک جامع وسیع الاطراف تصور [Package] بھی آتا ہے قرض پر نئی کار لینے والا اس کار کے لحاظ سے اپنے گھر کی نئی تزئین و آرائش کرتا ہے بلکہ مسلسل کرتا رہتا ہے کہ فیشن آئے دن بدلتے رہتے ہیں لہٰذا کار کے لحاظ سے اپنے معیار زندگی کو تبدیل کرتا رہتا ہے لہٰذا قرض لینے کا ایک نیا چکر شروع ہوجاتا ہے اسی لئے اسلامی بینکاری پرانی گاڑی، گدھا گاڑی کے لئے قرض نہیں دیتی کہ اس کا انشورنس کوئی نہیں کرتا اور اس سے فرد کے طرزِ زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور اس کے نتیجے میں زیادہ منافع حاصل نہیں ہوتا اور مقروض کمیٹی ڈال کر کبھی بھی قرض کی تمام اقساط یکمشت ادا کر سکتا ہے لیکن اسلامی بینکاری یا سودی بینکاری صرف اس باعث قابل ملامت نہیں کہ وہ صرف سود لیتی ہے۔ اگر بینکاری کا موجودہ نظام سود نہ لے تب بھی یہ نظام اپنی اصل میں مابعد الطبیعیاتی طور پر حرص و ہوس وحسد کی عمومیت کا قائل ہے اور انسان کو ایک ایسا جانور تصور

کرتا ہے جس کا مقصد صرف یہ دنیا اور اس دنیا کے تقاضے ہیں لہٰذا یہ مادیت کو اصل روحانیت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ جدید بینکاری خواہ وہ سودی ہو یا اسلامی ہو اس کی مابعد الطبیعیات انسان کو [Pleasure seeking animal] طالب لذات جانور قرار دیتی ہے اس بات پر ایمان رکھتی ہے کہ انسان کی خواہشات بے پناہ اور اس کے وسائل بہت محدود ہیں لہٰذا اس دنیا میں مسرت لذتوں کا حصول محدود وسائل میں زیادہ سے زیادہ کس طرح ممکن بنایا جائے۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ پیسہ کمایا جائے اور سرمایہ میں بڑھوتری برائے بڑھوتری [Accumalation for the sake of accumalation] کو کیسے ممکن بنایا جائے۔ اس کا افسانہ آدم اسمتھ کی کتاب Theory of Moral Centiments میں پڑھا جاسکتا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں یَحسبُ مالاً عددًا، اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ. حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِر یا حدیث کے الفاظ میں ابن آدم کو اگر سونے سے بھری ہوئی دو وادیاں دے دی جاتیں تو بھی وہ اس کے لئے ناکافی ہوں یعنی حرص وحسد پر مبنی طرز زندگی اور زندگی سے ہمہ وقت تمتع زندگی کے ہر ہر خوشے سے رس نچوڑنے کا یہ مغربی فلسفہ اور مغربی مابعد الطبیعیات بنکاری کے پورے ادارے کو حرام قرار دینے کے لئے کافی ہے جاپان میں آج کل بینک صفر سود پر قرضے دیتے ہیں تو جاپان میں صفر سود لینے سے یہ بینک کا پیسہ حلال نہیں ہو جائے گا کہ اس کی بنیاد کافرانہ ہے۔ اس کا مقصد محض پیسے سے پیسہ کمانا ہے پیسہ جمع کرنا اسے سینت سینت کر رکھنا اسے جمع کرتے چلا جانا اس سے مسلسل معیار زندگی بلند کرتے رہنا اس کے ذریعے زندگی کی رعنائیوں رنگینیوں میں مسلسل غرق رہنا اسلامی وسودی بنکاری کی اصل مابعد الطبیعیات ہے جس کی بنیاد پر یہ حرام کے درجے میں چلی جاتی ہے۔ یہ تو صورت حال کا اسلامی نظریاتی پہلو ہے یعنی روح کا زیاں اب اس کے معاشی پہلو کی طرف آیئے یعنی جان کا زیاں۔ اربوں کھربوں روپے کی گاڑیاں سڑکوں پر گردش کر رہی ہیں اور بھاری زرمبادلہ بیرون ملک منتقل ہو رہا ہے ان ہزاروں کاروں کو رواں دواں رکھنے کے لئے پاکستان نے جولائی ۲۰۰۷ تا جنوری ۲۰۰۸ء ۳ کھرب ۴ ارب کی مصنوعات تیل درآمد کی ہیں گویا ایک سال میں ہم ۶ کھرب روپے صرف توانائی کی درآمد [import] کے لئے خرچ کر رہے ہیں اس کا نام ترقی ہے۔ یہ درآمدات ہماری کل برآمدات [Exports] سے دوگنا زائد ہیں اس کے باوجود پورا ملک لوڈ شیڈنگ میں مبتلا ہے پاکستانی قوم کی اکثریت معاشی تباہ حالی کے باوجود اسے اپنی ترقی سمجھتی ہے۔ تیل کی اس بے تحاشہ کھپت کے نتیجے میں ماحولیات کس طرح تباہ و برباد ہو رہی ہیں اس کا ہمیں اندازہ نہیں ہے کراچی میں تتلی، جگنو، کوئل اور مینڈک ختم ہو چکے ہیں اس سال کراچی میں بہار اور خزاں کا موسم ایک ساتھ آیا ہے پت جھڑ بھی ہے اور نئے شگوفے بھی پھوٹ رہے ہیں لِلی جو مئی میں پھول دیتا ہے دسمبر ۲۰۰۷ء اور مارچ ۲۰۰۸ء میں وقت سے پہلے پھول دے رہا ہے موتیا جو اپریل میں پھول دیتا ہے دسمبر ۲۰۰۷ء میں پھول دے رہا تھا موسم کی ان تبدیلیوں کا اندازہ کسی کو نہیں ہے یہ تبدیلیاں پودوں اور درختوں کی قوت تولید کو ختم کر دیں گی اور پودے درخت وقت سے بہت پہلے بوڑھے ہو کر انسانوں کے ہاتھوں مر جائیں گے انھیں فطری موت نہیں مل سکے گی اس کے نتیجے میں انسانوں کو فطری زندگی سے محرومی گوارا کرنا ہوگی۔ غیر اسلامی طرز معاشرت ومعیشت کے اثرات عالم اسلام پر ایک نیا جائزہ۔ [۵۷] ترقی کے جدید تصورات [Ideas of modren Development] نے لوگوں سے احساس سود و زیاں بھی سلب کر لیا ہے کیا اس کا بنیادی سبب دنیا سے زیادہ سے زیادہ تمتع کا مغربی فلسفہ ہے جو صرف consumption پر یقین رکھتا ہے اور بہترین انسان اسے تصور کرتا ہے جو سب سے اچھا صارف [Best consumer] ہو کیونکہ صرف کی بہترین صلاحیت [best consumption capability] ہی وہ واحد پیمانہ ہے جو آزادی [freedom] اور سرمایہ [capital] کا واحد مادی مظہر ہے آزادی ایک مادی قدر [value] ہے جس کا اظہار انسان مارکیٹ [Market] میں قوت خرید یعنی سرمایہ [capital] کے ذریعے کرتا ہے جس شخص کے پاس زیادہ چیزیں خریدنے کی مالی استطاعت ہے وہ شخص دنیا میں اسی قدر آزاد ہے آزادی کا مفہوم مغربی فکر و فلسفے میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے آزادی ایک مادی قدر ہے کیونکہ مغربی فلسفے کے تحت man is pleasure seeking animal انسان طالب لذات جانور ہے لہٰذا لذتوں کی تکمیل آزادی کے ذریعے ہوتی ہے اور اس آزادی کا زیادہ سے زیادہ حصول صرف اور صرف زیادہ سے

زیادہ سرمایے کے ذریعے ممکن ہے لہٰذا جس فرد کی قوت خرید[Purchasing power] مارکیٹ میں سب سے زیادہ ہے وہی شخص سب سے زیادہ آزاد ہے آزادی کو ناپنے کا پیمانہ مغرب میں عددیت [quantification] ہے اعداد بتاتے ہیں کہ آپ نے کتنی مسرت حاصل کی pleasure مغربی فلسفے میں ایک خالص مادی تصور ہے۔ پوری مغربی تہذیب اعداد کے گرد گھوم رہی ہے اقدار کا تعین، معاشرے میں مقام اور جنت کا تعین اعداد کرتے ہیں کون بڑا عالم ہے سروے کے اعداد وشمار بتائیں گے کون بڑا اداکار ہے اس کا تعین اس اداکار کی فلم سے حاصل ہونے والے کاروبار اور منافع کا حجم کرے گا کون بڑا مصنف ہے اس کا تعین اس بات سے ہوگا کہ کونسی کتاب سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب [Best seller] ہے کون عوام میں مقبول ہے جو سروے کے اعداد وشمار کے مطابق مقبول ہے۔ مسرت اگر دینی، روحانی، باطنی، ذہنی، علمی، اور تصوراتی ہو جیسے کہ مشرق میں ہے کہ غریب کی مدد کر کے بیمار کا علاج کرا کے ماں کی خدمت کر کے، یتیم کے آنسو پونچھ کر، خود بھوکا رہ کر، بھوکے کو کھانا کھلا کر، خود محروم رہ کر، دوسرے کو عطا کر کے، روزہ رکھ کر، خیرات کر کے مسرت حاصل ہوتی ہے مغرب میں مسرت کے اس غیر مادی تصور کو مسرت تصور نہیں کیا جاتا مسرت وہ ہے جو جس کو ہم اعداد وشمار کی جادوگری کے ذریعے جان سکیں لہٰذا طالب مسرت یعنی طالب سرمایہ ہی اصل انسان ہے اور جو آدمی ان تصورات کو تسلیم نہیں کرتا مغربی فکر وفلسفے کے مطابق وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے بہت سے مذہبی اور غیر مذہبی اسکالر آزادی کی مغربی اصطلاح کو تحریک آزادی ۴۷ء، آزادی کشمیر کی تحریک، تحریک آزادی فلسطین کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور اسلام سے مغربی تصور آزادی [Freedom] کا اثبات کرتے ہیں جدید مغربی اصطلاحات نے اسلامی مفکرین اور علماء کو کس قسم کے مغالطّوں میں مبتلا کیا ہے اس کا مفصل جائزہ ایسے مغالطّوں کی جامع فہرست کے ساتھ۔[۵۸] مغرب سے متاثر جدید مسلم مفکرین کے اس جاہلانہ نقطہ نظر کا جائزہ کہ اسلامی تاریخ وتہذیب اداروں سے ہمیشہ خالی رہی ہے اس لئے زیادہ عرصے نہیں چل سکی اگر اسلام کے پاس مغرب جیسے مضبوط ادارے ہوتے تو اس تہذیب کو کبھی شکست نہیں ہوتی مثلاً اسلامی تاریخ بڑے صنعتی ادارے، یونیورسٹی، بڑی تجربہ گاہیں، اسٹاک ایکسچینج منی مارکیٹ، بینک بڑے صنعتی سائنسی ڈھانچے Huge Scientific Complexes، پارلیمنٹ، کارپوریٹ معیشت سے خالی رہی جس کے باعث مسلم تہذیب ختم ہو کر رہ گئی ان جہلا نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ پہلی صدی ہجری میں اسلامی تاریخ وتہذیب کا سیل رواں روم اور ایران کی دو عظیم الشان طاقتوں کو بہا کر لے گیا جو عربوں کے مقابلے میں تہذیب وتمدن میں بہت آگے تھے اور ان کے پاس بڑے بڑے ادارے بھی موجود تھے رومی قانون سازی فن تعمیر فن حرب وضرب اور دیگر تمدنی معاملات میں عربوں سے بہت آگے تھے لیکن ان مسلمانوں سے شکست کھا گئے جن کے پیغمبرؐ اتنے چھوٹے حجرے میں مقیم تھے جس میں صرف تین قبریں ہی سما سکتی تھیں۔ ان جہلا کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جب مسلمانوں نے قیصر وکسریٰ کو فتح کیا تو مدینۃ النبی میں ایک بھی کتب خانہ [Library] چھاپہ خانہ [press] مدرسہ [school] جامعہ [University] قرآن کے سوا کوئی ایک مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کتاب [Printed or un printed book] تک نہیں تھی کوئی فوج، انتظامی اشرافیہ [Bureaucracy] خزانہ، بینک، کارخانہ، اسٹاک مارکیٹ، حصص مارکیٹ کچھ بھی نہیں تھا۔ مسجد نبوی کھجور کے تنوں پر کھڑی ہوئی تھی اور اس کا فرش سنگ ریزوں سے چنا گیا تھا جو پاؤں میں چبھتے تھے عیسائیت نے جب سلطنت رومۃ الکبریٰؒ کو فتح کیا تو ان کے پاس رومی سلطنت کے مقابلے میں کوئی مادی شوکت وطاقت نہ تھی لیکن عیسائیت کی تعلیمات نے اس قدر عظیم الشان سلطنت کو تسخیر کر لیا۔ امتیں مادیت کے سہارے فتوحات نہیں کرتی ان کی اصل طاقت ان کی مابعد الطبیعیات ایمان، عقائد اور یقین میں پوشیدہ ہوتی ہے یہ یقین جس قدر تازہ ہوگا اسی قدر طاقت ور ہوگا۔ اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ کسی تہذیب تاریخ اور امت کے ادارے اس کی مابعد الطبیعیات الہیات اور کونیات سے وجود پذیر ہوتے ہیں اور اس الہیات کی روحانیت کو مضبوط ومستحکم کرنے میں مددگار ہوتے ہیں اداروں کے ذریعے وہ علمیت اور روحانیت معاشروں اور عالم میں سرایت کرتی ہے۔ ماڈرن ازم کو علمی طور پر پوسٹ ماڈرن ازم نے تہس نہس کر دیا اس کی علمیت عملیت عقائد، فلسفے، نظام فکر ونظر، کو ریزہ ریزہ اور پرزہ پرزہ کر دیا لیکن عملاً پوسٹ ماڈرن ازم

ماڈرن ازم کو تباہ نہ کرسکا کیونکہ اس کے پاس ماڈرن ازم کے اداروں کے متبادل ادارے موجود نہ تھے لہٰذا پوسٹ ماڈرن ازم صرف انار کی پھیلانے والا مدلل عقیدہ اور فلسفہ سمجھا گیا اسلامی تاریخ وتہذیب میں خاندان، مسجد و مدرسہ، بیت المال و بازار وہ بنیادی ادارے ہیں جنھوں نے زکوٰۃ وصلوٰۃ کے نظام کے قیام کے ذریعے عبادات کی روحانیت کو اداراتی صف بندی کے ذریعے مقامی معاشرت اور عالمگیر معاشروں تک وسعت دی اور اسلامی علمیت کو محفوظ رکھا لیکن تاریخ میں چار نمایاں دور ایسے آئے کہ جب امت بیرونی اور اندرونی یلغار کے باعث ان تین بنیادی اداروں سے بھی محروم ہوگئی لیکن آخر کار اسلامی مابعد الطبیعیات ایمانیات روحانیات کی طاقت کے ذریعے اداروں کے بغیر بھی اسلامی علمیت زندہ رہی اور ایک صدی کے اندر اندر اپنی مخفی توانائی کو حرکی توانائی میں بدل کر غلبے واستحکام کو ممکن بنا دیا یا کم از کم اپنی تاریخ تہذیب ثقافت علمیت اور اداروں کو دوبارہ زندہ کردیا اور امت کو نئی زندگی مل گئی۔ پہلی مثال معتزلہ کے دورِ ستم کی ہے معتزلہ کا جبر وتشدد ۸۰ سال تک برقرار رہا اہل سنت والجماعت کے مدارس مساجد بند ہوئے ریاستی طاقت سے علماء کو بے دخل، بے روزگار، اور بے کار کرنے کی مسلسل کوشش کی گئی جو آخر کار شدید ناکامی سے دوچار ہوئی اور معتزلہ کا نام ونشان تاریخ سے مٹ گیا فاطمیوں کے عہد میں اہل السنّت والجماعت کے مدارس مساجد ایک صدی تک بند رہے حتیٰ کہ خانہ کعبہ سے حجر اسود بھی اکھاڑ لیا گیا لیکن جبر وتشدد کی یہ سیاہ رات بھی آخر کار ڈھل گئی اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس رات کے خاتمے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ایران میں صفوی حکومت کے زمانے میں جو کچھ ہوا اس کی تاریخ براؤن کی کتاب میں پڑھی جاسکتی ہے لیکن اس کے باوجود اہل السنّت والجماعت کو ایران سے مٹایا نہ جاسکا مغلیہ ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ظلم وتشدد کا طویل دور شروع ہوا ۵۷ ہزار علماء کا قتل کیا گیا مساجد مدرسے بند کردیئے گئے دہلی کی مسجد کو اصطبل میں تبدیل کردیا گیا لیکن ظلم کی یہ سیاہ رات بھی ڈھل گئی اسلامی علمیت تاریخ وتہذیب زندہ رہی۔ وسط ایشیا میں مساجد و مدارس ستر سال تک بند رہے عربی رسم الخط ختم کردیا گیا عربی زبان عربی مدرسے بند کردیے گئے لیکن اس کے باوجود نوے کے عشرے میں پابندیاں کم ہوئیں تو پانچ ہزار مساجد تعمیر کی گئیں یہ درست ہے کہ اب وسط ایشیا کے مسلمانوں کا اسلام بہت کچھ آلودگی کا شکار ہے لیکن اسلام کی مابعد الطبیعیات ابھی زندہ ہے۔ ۱۸۵۷ء کے خونین ہنگامے میں ۵۷ ہزار علماء کو قتل کیا گیا اور ہزاروں مساجد بند کردی گئیں لیکن یہ ہنگامہ سرد ہوتے ہی مدارس کا ایسا جال بچھا کہ ماضی میں اسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا دوسری جانب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اندلس میں مسلمانوں نے بڑے شاندار ادارے قائم کئے کتب خانے سڑکیں محلات کتابوں کی دکانیں سب کچھ بنادیا گیا سائنس وٹیکنالوجی میں غیر معمولی ترقی ہوئی مغربی مورخین کے مطابق جب فرانس و برطانیہ میں کتابوں کی چھ دکانیں تھیں تب اندلس میں تین سو دکانیں تھیں جب پیرس اور لندن کی گلیاں اندھیروں میں اور کیچڑ میں لت پت رہتی تھیں تب اندلس کی شاہراہوں پر روشنی کے قمقمے روشن رہتے تھے لیکن یہ ادارے اور یہ ترقی اندلس کو تباہی و بربادی سے نہیں بچاسکے اور اندلس سے مسلمانوں کو مٹادیا گیا لہٰذا جدیدیت پسند مسلم مفکرین کا یہ دعویٰ کہ جدید ادارے امت کی بقاء وسلامتی کے ضامن ہیں ایک احمقانہ دعویٰ ہے اس دعویٰ کے خلاف مزید تاریخی حقائق۔[۵۹] مسلمانوں کے زوال پر عربی فارسی، اردو اور انگریزی میں اب تک راسخ العقیدہ نقطۂ نظر سے جو کچھ لکھا گیا ہے اور اس سلسلے میں زوال کے جتنے ذیلی، ضمنی اسباب بیان کئے گئے ہیں ان کو ایک مرکزی سبب میں مرکوز کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے مقصود سے غفلت اور اس کے حصول کے لئے شعوری کوشش کا فقدان۔ اسلامی معاشرہ بالفعل موثر نہیں رہا جب اس نے اپنے منصب [شہادۃ علی الناس] سے گریز کیا اور اس نے اپنے منصب سے روگردانی تب کی جب اسلام کے اس مقصود سے غفلت کی جو دین کی طرف سے عائد ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی فتوحات کا مقصد زمینی فتوحات نہیں قلوب انسانی کی فتوحات ہے یعنی لوگوں کو دائرۂ اسلام میں کثرت سے داخل کرنا اس راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے جہاد بھی ایک موثر ذریعہ ہے بلکہ توسیع دعوت کی روحانیت جہادی جذبے میں مقید ہے اگر اسلامی سلطنت پھیل رہی ہو اور لوگ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہورہے تو یہ لمحہ فکریہ ہے کہ لوگ دین حق سے کیوں متاثر نہیں ہورہے۔ یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ اسلام کا سیاسی پہلو وسیلہ ہے یا مقصود؟ قرآن میں اس کی تین جہات ملتی ہیں۔ اولاً یہ کہ انسان کو دنیا میں

خدا کے خلیفہ کے طور پر پیدا کیا گیا ہے۔اس منصب کی تکمیل کے لیے اسلامی ریاست کی تشکیل اور قیام بھی ایک درجے میں مقصود قرار پاتا ہے اور صرف وسیلہ نہیں رہتا۔ دوسری طرف قرآنی اصولوں پر ریاست کا قیام ایک لازمی وسیلہ بنتا ہے کیونکہ حدود و تعزیرات کا نفاذ اور قیام صلوۃ و زکوۃ کا نظام حکومت کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتا لہٰذا حکومت کے بغیر شریعت پر مکمل عمل درآمد ممکن ہی نہیں رہتا دوسرے یہ کہ ترویج اخلاق و احکام اس وقت تک ناممکن ہوتا ہے جب تک فضائل اخلاق کے حصول کی راہ میں حائل خارجی موانع رفع نہ ہوں۔اس کے لیے ریاست کی قوت ضروری ہے۔ نیز اللہ نے خلافت کا وعدہ ایمان اور عمل صالح سے مشروط کیا ہے۔نتیجہ یہ کہ اسلام ایسے افراد کا معاشرہ تخلیق کرنا چاہتا ہے جو روحانیت کے حامل اور فضائل اخلاق کے لیے کوشاں ہوں اور جو حضرت عیسیٰ کے الفاظ میں اس دنیا میں اللہ کا حکم نافذ کرنا چاہتے ہوں۔ بنا بریں اہل اسلام کی ترقی کا دارومدار اس آدرش کے حصول کے لیے جدوجہد پر ہوگا اور ان کے زوال کا سبب اس سے غفلت قرار دیا جائے گا۔اس اعتبار سے دیکھیے تو مسلم دنیا کا زوال اس چیز کا شاخسانہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو ایک ذاتی شخصی معاملہ بنا کر رکھ دیا اور خلافت کو صرف ضرورت اور مصلحت کی چیز بنالیا۔مسلمانوں کا عروج یہ ہے کہ اسلام کے دامن میں روئے ارض کے تمام لوگ پناہ لے لیں اور اپنے رب کی اس جنت کے طلب گار و حقدار ہو جائیں جس کی وسعت زمین و آسمان سے زیادہ ہے کامیاب وہ ہے جو روز آخرت اپنے رب کے حضور کامیاب ہو جائے جہاد، دعوت، تبلیغ، تعلیم۔لوگوں کو روز آخرت فوز عظیم کے قابل بنانے کے لیے ہے ان معنوں میں امت مسلمہ کا زوال اس دن سے شروع ہوا جس دن سے لوگوں کے قلوب کو تسخیر کرنے کے بجائے تسخیر ارض اور تسخیر کائنات شان و شوکت، رعب و دبدبہ، ترقی، برتری، طنطنہ، ہمہمہ، غلغلہ، طبل و علم، جاہ و حشم، لشکر و سپاہ، اس امت کے اصل اہداف ٹھہرے ہندوستان اور یورپ اسلام کے دائرے میں اس لئے نہ آسکے کہ خلافت اسلامیہ نے تسخیر ارض پر توجہ دی اور سترہویں صدی کے بعد تسخیر ارض کی صلاحیت کھونے کے بعد پوری امت مسلمہ تسخیر کائنات کے مغربی سائنسی خلجان میں مبتلا ہوگئی تسخیر کے ایک چکر سے نکلے تو دوسرے گورکھ دھندے میں گرفتار ہو گئے لہٰذا یہ امت دوہرے عذاب کی حقدار ٹھہری ہے پہلے کم از کم دین کی دولت تھی یعنی خلافت اور حکومت میں اسلام قانون ریاست [Public Law] تھا اب تسخیر کائنات، بنیادی حقوق انسانی، ترقی کل عالم اسلام کا متفقہ مشترکہ Public Law ہو گیا ہے لہٰذا دین کی دولت بھی گئی اور اب دنیا کی دولت بھی باقی نہیں رہی دین و دنیا کی دولت صرف ایمان اور عمل صالح اور صبر و شکر کے ذریعے ملتی ہے اس کے سوا کوئی راستہ ہمارے رب نے ہمیں نہیں بتایا اس نقطۂ نظر کا تاریخ کی روشنی میں جائزہ۔

[۶۰] اس جاہلانہ نقطۂ نظر کا جائزہ کہ جمہوریت ہی واحد، قطعی، حتمی درست طریقہ سیاست ہے بلکہ عہد حاضر کے سب سے بڑے جاہل اور جعلی عالم جاوید غامدی نے آج ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''جمہوریت کو ایمانیات کے زمرے میں داخل کر کے اسلامی عقائد کا حصہ بنا دینا چاہیے'' ان جہلاء کو یہ تک معلوم نہیں کہ دنیا کی سیاسی فکر مسلسل ارتقا پذیر ہے اور رہی ہے اور سیاسی فکر کی نشو و نما کی تعبیر بھی اسی اصول پر کی جاسکتی ہے جس پر فلسفیانہ فکر کی ترقی مبنی ہے۔سیاسی فکر کی پہلی سطح پر شہنشاہیت کو واحد طریقے کے طور پر جائز بتایا جاتا تھا اور ایک شخص کو حاکمیت کا استحقاق دیا جاتا تھا۔ یہ استحقاق اس بنیاد پر تھا کہ بادشاہ ریاست و حکومت کی اقدار و اقتدار [Values and authority] کی نمائندگی کرتا تھا اس نمائندگی کا اظہار وہ صرف ایوان حکومت اور محلات میں بیٹھ کر عیش و عشرت کی زندگی میں مبتلا ہو کر نہیں کرتا تھا بلکہ وہ ریاست کے دفاع، تحفظ، عزت اور استحکام کی خاطر ہر لمحہ ہمہ وقت اپنی اور اپنے پورے خاندان کی جان کو قربان کرنے پر آمادہ رہتا تھا تمام بادشاہ جنگوں میں اپنی فوج کے آگے آگے حصہ لیتے تھے فوج کی قیادت خود کرتے تھے وہ صرف سیاستدان ہی نہیں سپہ سالار بھی ہوتے تھے اس کے برعکس جمہوری حکومتوں میں آنے والے عوامی نمائندے اور وزیر اعظم پارلیمان میں صرف الفاظ کی جنگ لڑتے ہیں یہ کبھی میدان جنگ میں نہیں گئے یہ فوجوں کے لئے بجٹ منظور کر سکتے ہیں لیکن ریاست کی حفاظت کے لئے خون نہیں بہا سکتے۔ جمہوری تاریخ کے کسی صدر اور کسی وزیر اعظم اور کسی ممبر پارلیمنٹ نے کبھی میدان جنگ میں لڑتے ہوئے جان نہیں دی لیکن تمام بڑے چھوٹے بادشاہوں امراء نے اپنی ریاست اور سلطنت کی حفاظت کی شہادت اپنے خون سے دی ہے اور میدان جنگ میں اپنی ذمہ داری

اور منصب کی قیمت اپنے خون سے ادا کی ہے۔ بادشاہوں کے زمانے میں وہ مظالم، وہ قوانین، اور حکومت کی وہ گرفت عوام پر نہیں ہوتی تھی جو جدید جمہوری نظام کے ذریعے تمام انسانوں کو قواعد و قوانین کے جال میں جکڑ لیتی ہے جس سے نکلنا جسے کاٹنا جس کو توڑ دینا ناممکن ہے جدید جمہوری ریاستیں قوانین کے شکنجوں میں کسی ہوئی ریاستیں ہیں جہاں پرندوں کے پر کاٹ کر انھیں آزادی کا پروانہ دیا جاتا ہے جبکہ بادشاہتوں میں قوانین اور قدغنوں کا دائرہ بہت محدود دائرے میں ہوتا تھا فوکالٹ کی Diciplin and Punishment جدید جمہوری ریاستوں کے جبر و استبداد کا مرثیہ اور بیان ہے۔ عہد حاضر میں دنیا جدید جمہوری نظام کے انتہا پسندانہ نظریے پر پہنچی جو جزوی حقیقت ہی تھا اور اس کے پیچھے تین انقلابات تھے۔ یہ نظریہ تھا کہ حاکمیت عوام کا نہیں بلکہ اشرافیہ کا حق ہے لیکن اس حق کی تصدیق عوام کریں یہ ان کا حق ہے۔ [برطانیہ ۱۶۴۶ء۔ امریکہ ۱۷۷۰ء۔ فرانس ۱۷۸۹ء] اس ردعمل کو ری پبلیکن یا اصول جمہوریت کہا گیا۔ ابھی دنیا اس مرحلے سے آگے نہیں بڑھی۔ جدید جمہوریت کا کافرانہ نظریہ حقیقت سے کاملاً ہم آہنگ نہیں۔ جمہوریت کا بہ ظاہر مقتضی مساوات اور اخوت ہے جس کے لیے لازم ہے کہ عوام بھی اپنی باری پر شریک حکومت ہوں۔ لیکن انسانی مساوات عمل کی دنیا میں افسانہ ہے امر واقعہ نہیں۔ اسلام میں اس کا متبادل مواخاۃ ہے۔ مساوات سے اپنا حق حاصل کرنے کا دعویٰ ابھرتا ہے جو جدید انسان کی جدید مابعد الطبیعیات سے مکمل ہم آہنگ ہے یہ جدید مابعد الطبیعیات نفس انسانی کو ماخذ مرجع مصدر اور منبع علم سمجھتی ہے اور نفس انسانی میں ہی انفس و آفاق کی نشانیاں دیکھتی ہے تمام علوم کا ماخذ یہی نفس اس نفس کی تابع عقل اس سے ملحق وجدان اور اس نفس کے اعتقاد و الٰہیات حواس خمسہ میں محصور مقید اور محدود ہیں حقیقت انسان اندر ہے inwardnece حقیقت باہر نہیں ہے خالق کو پہچاننے کے لئے نفس کو پہچاننا ضروری ہے یہی تو خالق ہے لہٰذا باہر دیکھنے کی ضرورت نہیں اپنے اندر دیکھنے کی ضرورت ہے اس تصور سے انسان خدا بن گیا اور نفس کا مطالبہ خدا کا مطالبہ ہو گیا حقوق انسانی اسی خدائی کے اعلامیہ کا امریکی منشور ہے جو فیڈرلسٹ پیپرز [Fedralist papers] کے بطن سے برآمد ہوئے اور حقوق انسانی کا منشور اقوام متحدہ امریکی صدر روز ویلٹ کی اہلیہ ایلینا روز ویلٹ نے تحریر کیا اس منشور کو بیشتر مسلم مذہبی مفکرین عین اسلامی قرار دیتے ہیں جہالت کی یہ آخری انتہا ہے اسلام میں مساوات کے برعکس مواخات ہے۔ جبکہ مواخاۃ کا مقتضی ہے کہ اگر میں کسی معاملے کو خود بخوبی انجام نہ دے سکوں تو یہ کام دوسرے مسلمان بھائیوں کے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے کہ وہ مجھ سے بہتر انجام دیں۔ میرے یا ملت یا ریاست یا دین کے مفادات کا تحفظ ان کے سپرد کرنا ممکن ہے۔ جمہوری طرزِ فکر میں مضمر برابری کا دعویٰ اور اور اسلامی ریاست کی مساوات یا مواخات الگ چیزیں ہیں اس طرح جمہوریت میں مضمر فاعلی جدوجہد کا منبع وہی حقوق طلبی کا داعیہ ہے جس کے پسِ پشت ڈیکارٹ کا فلسفہ *I* عبد کے بجائے فاعل خود مختار [Autonomous or human] ہر خارجی قید سے آزاد [Soverigen] تمام خارجی ذرائع علم [External Resources of Knowledge or revealed knowledge] سے بے نیاز اور ماوراء اور ہر قسم کی مقتدرہ [Authority] کا انکار ڈیکارٹ اور اس کے بعد کے مغربی فلسفے کی الحادی بنیاد ہے۔ مغرب کا اصل بحران مقتدرہ کے نہ ہونے کا بحران [Crises of Authority] ہے جب نفس [Self] اور ہر فرد کی عقل [Rational] ہی مقتدر [Authority] ہو تو معاشرہ لازماً بحرانوں کا شکار ہوگا مغرب نے مذہب کی اتھارٹی کا انکار کر دیا جس کا نتیجہ سامنے ہے۔ جبکہ اسلامی ریاست میں یہ چیز اللہ کے حقوق ادا کرنے اور منظّم معاشرے کے لیے یا افراد کے لیے اپنا فریضہ انجام دینے سے مربوط ہے۔ یہاں کوئی انسان [Human] نہیں سب عبد ہیں کوئی آزاد خود مختار نہیں سب خالق کے حضور سر بسجدہ مخلوق ہیں جمہوریت میں منتخب اسمبلی عوام کو جواب دہ ہے جبکہ عوام کسی کو جواب دہ نہیں۔ اسلامی ریاست میں امیر [یا خلیفہ] اور عوام دونوں خدا کو جوابدہ ہیں۔ اس طرح جمہوریت میں عوام کے نمائندوں کا فیصلہ سربراہ کے لیے واجب العمل ہے جبکہ اسلام میں شوریٰ کا فیصلہ امیر کے لیے لازم العمل نہیں ہے۔ یہ ریاست نہ تو آمریت ہے نہ استبداد نہ ہی جمہوریت بلکہ اپنے انداز کی الگ طرز حکومت۔ اگر اسلام کو جمہوریت یا ری پبلکن طرزِ حکومت کے مترادف کہیں تو مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اسلام کے نظام سیاسی کا محاکمہ۔ [۶۱] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ عہد حاضر کا انسان تاریخ انسانی کا سب سے

زیادہ عاقل بالغ روشن خیال اور عقلیت پسند [Rational] انسان ہے جو بہت ذہین ہے اور جس کے ذہن کی وسعت پچھلے تمام انسانوں سے زیادہ ہے عہد حاضر کے ذروں کو بھی شعور حاصل ہے آج کا بچہ بھی پچھلے زمانے کے بڑے دانش وروں سے زیادہ دانش رکھتا ہے اور اس کا I.Q. بہت بلند سوچنے کی رفتار بہت تیز اور نتائج اخذ کرنے کا طریقہ بہت عمدہ ہے یہ ایک بالکل غلط اور جھوٹا دعویٰ ہے عہد حاضر ایمان [Faith] سے بھی محروم ہے خیر [Good] سے بھی حقیقت [Reality] سے بھی، عقلیت [Rational] سے محروم اور دانش سے عاری، عرفان سے خالی ایک کھوکھلا وجود ہے جو ریت کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔ تہذیب جدید میں لوٹنے والے اور لٹنے والے دونوں ہی عجیب و غریب کیفیت میں مبتلا ہیں مثلاً دنیا بھر میں سگریٹ سے سرطان کی تصدیق ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود تمام مہذب یورپی ممالک کے بڑے بڑے ادارے سگریٹ تیار کر رہے ہیں موت کا یہ دھواں نہایت مہنگے داموں بیچا جاتا ہے۔ لیکن صرف اس پر ایک سطری انتباہ درج کیا جاتا ہے کہ سگریٹ نوشی صحت کے لئے مضر ہے'' یہ روشن خیالی ہے سگریٹ بیچنے والا ایمان سے محروم ہے اور خریدنے والا عقل سے حواس خمسہ سے چھٹی حس سے وجدان عرفان سے اپنے برے بھلے کا سوچنے سے قاصر ہے وہ زہرِ قاتل بیچ رہا ہے یہ منہ مانگے داموں خرید رہا ہے۔ ریاست کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ مارکیٹ میں زہر بیچا جا رہا ہے کیونکہ ریاست سرمایہ دارانہ ہے جس کا مقصد پیداوار [Production] میں اضافہ اور مسلسل اضافہ ہے۔ یہ آزاد مارکیٹ ہے زیادہ پیداوار کا مقصد استعمال [Consumption] نہیں بلکہ تبادلہ [Exchange] ہے تاکہ سرمایہ میں اضافہ ہو سکے۔ لہٰذا پیداواری عمل میں خواہ وہ زہر کی پیداوار ہو سرمایہ دارانہ مارکیٹ کوئی اخلاقی قدغن عائد نہیں کرتی کہ اس سے سرمایہ داری کا پہیہ رک جائے گا۔ سرمایہ دارانہ معاشرے میں فرد مارکیٹ اور ریاست کے سوا نہ کوئی وجود ہوتا ہے نہ کوئی اجتماعیت ہوتی ہے لہٰذا فرد کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ سگریٹ کمپنی کے خلاف زہر کھلانے پر ہرجانے کا دعوے کرے اور مال کمائے اور اس سرمایہ کاری کے موقع پر وکیلوں کو بھی مال بنانے دے کیونکہ اس کے نتیجے میں بھی مال میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن ریاست کبھی مداخلت نہیں کرے گی وہ کبھی سگریٹ کے کاروبار کو بند نہیں کرے گی کہ فرد کو آزادی ہے کہ وہ چاہے تو سگریٹ نہ پیئے وہ کبھی اشتہار پر پابندی نہ لگائے گی کہ سرمایہ دارانہ معیشت سیاست ریاست کا اخلاقیات سے کوئی تعلق نہیں اس کا تعلق صرف ارتکاز سرمایہ [Accumlation of Capital] سے ہے فرد کینسر سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے ریاست کو پروا نہیں ہے وہ چند خیراتی ہسپتال ضرور کھول دے گی تاکہ مرنے والے کبھی غصے میں سرمایہ دارانہ نظام کو تہس نہس نہ کر دیں لیکن ریاست سگریٹ بند نہیں کرے گی حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ موت کا زہر ہے اسے بند ہونا چاہیے۔ اسی لئے عہد حاضر ایمان اور عقل دونوں سے خالی ہو چکا ہے کہا جاتا ہے کہ عہد حاضر کا انسان بہت سائنسی حفظان صحت کے اصولوں کا پابند اور صفائی ستھرائی کا خوگر ہے یورپ سے لے کر پاکستان تک کے بڑے بڑے امراء کے محلات اور چھوٹے چھوٹے گھروں میں سونے کے کمرے سے متصل بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں آج سے پچاس برس قبل کے طرزِ تعمیر میں بیت الخلاء [Toilet] ہمیشہ گھر کے سب سے دور دراز حصے میں ہوتا تھا اور حمام [Washroom] سے بالکل الگ۔ یا بیت الخلاء چھت پر ہوتا تھا اور حمام الگ ہوتا تھا چھوٹے گھروں میں ترتیب یہ تھی کہ باورچی خانہ پھر حمام پھر بیت الخلاء لیکن جب سے سائنس اور عقلیت کا زور وشور اٹھا ہے بیت الخلاء اور حمام [Attached Bath] ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور سونے کے کمرے کے اندر ہوتے ہیں۔ جس بیت الخلاء میں بول و براز کیا جاتا ہے، جہاں تھوکا جاتا ہے، میل کچیل دھویا جاتا ہے، جہاں دنیا کی غلیظ ترین H2S ہائیڈروجن سلفائڈ گیس سب سے زیادہ ہوتی ہے اس بیت الخلاء کی غلاظت بھرے ماحول میں ہمارے منجن، ٹوتھ پیسٹ، برش، صابن، شیمپو، کریم، تیل اور وہ تمام چیزیں ہمہ وقت رکھی ہوتی ہیں جنھیں ہم اپنے منہ، دانتوں، سر، بالوں، جسم پر کثرت سے استعمال کرتے ہیں یہ عہد حاضر کے انسان کا سائنسی مزاج ہے۔ اس غلاظت کا نام سولائزیشن ہے یہ سول سوسائٹی ہے۔ عہد حاضر کا انسان دنیا کا جاہل ترین اور لالچی ترین انسان ہے جو رات کے ایک ڈیڑھ بجے شادیوں میں کھانے پر ٹوٹتا ہے اور پھر کھا کر فوراً سو جاتا ہے اس لئے بڑے شہروں میں ہر چوتھا آدمی دل کی بیماری میں مبتلا ہے اور ہر شخص قبض میں مبتلا ہے اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اے لیول او لیول کے طلباء کو قبض

کی تعریف بھی نہیں معلوم ہے وہ نہیں بتا سکتے کہ قبض کیا ہے اور کیسے ختم کیا جا سکتا ہے یہ ہے سائنسی مزاج یہ عقلیت پسند انسان کا عہد ہے جو ایئر کنڈیشنڈ میں سوتا ہے گاڑیوں میں سفر کرتا ہے پیدل نہیں چلتا وہ دنیا کی تمام نعمتیں کھاتا ہے۔ اور اپنے وزن میں روزانہ کئی سیر اضافہ کرتا ہے Fast food جو اتنے زیادہ درجہ حرارت پر پکتے ہیں کہ اس غذا میں کوئی غذائیت نہیں ہوتی اور سوائے گھی اور جلے ہوئے گوشت کے کچھ نہیں ہوتا عصر حاضر کا انسان اس زہر کو خریدنے کے لیے لمبی لمبی قطاروں میں کھڑا ہوتا ہے یہ جاہل انسان سردیوں میں ٹھنڈی بوتلیں پیتا اور آئس کریم کھاتا ہے اور اس جاہل انسان کا ہر بچہ پورا سال نزلہ، زکام کا مریض بنا رہتا ہے لیکن اپنی فضول عادتیں ترک کرنا پسند نہیں کرتا یہ انسان ہر وہ چیز کھاتا ہے جو مضر صحت ہے اور ہر وہ چیز نہیں کھاتا جو اس کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ لیکن عہد حاضر کا وہ انسان جو مزدور ہے جو شب و روز مزدوری کرتا ہے جسے زیادہ خوراک [کیلوریز] کی شدید ضرورت ہے اسے کھانے کے لئے کچھ میسر نہیں وہ بھوک سے مر رہا ہے اور پڑھے لکھے امیر سائنسی ذہن والے بے وقوف کھا کھا کر مر رہے ہیں جسے سب کچھ کھانا چاہیے وہ بھوکا ہے جسے بہت کم کھانے کی ضرورت ہے وہ سب کچھ کھا رہا ہے اور اپنے لئے موت کے سامان اپنے پیسے اور لالچ کے ذریعے تیار کر رہا ہے یہ عصر حاضر کا عقل مند انسان ہے

غریب شہر تو فاقے سے مر گیا لیکن　　　　امیر شہر نے ہیرے سے خودکشی کر لی

عہد حاضر کے جاہل انسان کے فن تعمیر کا حال یہ ہے کہ کراچی جیسے ساحلی شہر میں جہاں راتیں ٹھنڈی ہوتی ہیں تمام گھروں کے اندر آگ برستی ہے اور باہر ٹھنڈک رہتی ہے سمنٹ ریت اور بجری کے گھروں کا حال یہ ہے کہ سردی میں سرد اور گرمیوں میں گرم ہو جاتے ہیں یہ عصر حاضر کے انسان کی عقلیت کا حال ہے اور اس گرمی سے بچنے کے لئے وہ ائیر کنڈیشنڈ استعمال کرتا ہے جو ماحول میں مزید گرمی پھینک کر اسے بھی گرم کر دیتا ہے یہ ہے عصر حاضر کے انسان کے فن تعمیر کا حال جو عقل مند ترین انسان ہے۔ عصر حاضر کا انسان اتنا عقل مند ہے کہ کراچی جیسے ساحلی شہر میں جہاں دن بھر سمندری ہوائیں چلتی ہیں اور کوئی گھر ہوا سے محروم نہیں رہ سکتا اس شہر میں لاکھوں گھر مغرب کی سمت نہیں بنائے گئے نتیجہ یہ ہے کہ غلط سمت پر گھر بنانے کے باعث گھروں میں حبس گھٹن ہے اور گرمیوں میں پنکھے کے بغیر جینا عذاب ہو جاتا ہے فلیٹ تک مغربی رخ پر نہیں بنائے جاتے حالانکہ پورے شہر کا طرز تعمیر مغربی رخ پر کر دیا جائے تو کراچی میں پنکھوں کی ضرورت کم از کم رات کو محسوس نہ ہو۔ اس شہر کے امراء کا حال یہ ہے کہ ان کے گھروں میں درخت نہیں ہیں پتھروں کی عمارتیں کھڑی کر دی ہیں بڑے بڑے گھروں کا حال [جن کی مالیت کروڑوں روپے] یہ ہے کہ اگر بجلی چلی جائے یا جنریٹر اور UPS بند ہو جائے تو ان گھرو ں میں سانس لینا محال ہو جاتا ہے اور لوگ سڑکوں پر نکل آتے ہیں یہ کس قسم کے گھر ہیں جن میں ہوا کے گزرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تازہ ہوا سے محروم یہ امراء اپنی پوری زندگی ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں گزار دیتے ہیں۔ تازہ سمندری ہوا سے محرومی نہایت بدترین محرومی اور بدبختی ہے لیکن یہ پاکستان کے سب سے زیادہ عقل مندوں کا شہر ہے۔ امیر گھروں کے بچوں میں وٹامن ڈی کی کمی ہوتی ہے کیونکہ یہ دھوپ سے محروم رہتے ہیں سورج کی روشنی ان پر سایہ فگن نہیں ہوتی۔ عہد حاضر کے عقل مند انسان کی حالت یہ ہے کہ ہر الّم غلّم شے پر ایمان لے آتا ہے بازار میں دواؤں، پانی کی بوتلوں، کھانے پینے کی اشیاء کی پیکنگ پر ان اشیاء کی تیاری کا وقت استعمال کے لیے مقررہ معیاد درج ہوتی ہے دس پیسے کے اس کاغذ کو کوئی بھی شائع کر کے بوتل پر لگا سکتا ہے لیکن ہر عاقل انسان دس پیسے کے کاغذ پر تاریخیں پڑھ کر سامان خرید لیتا ہے اس انسان نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ آیا یہ تاریخیں درست ہیں یا غلط۔ کمپنی کے اس بیان کو عقل کی میزان اور تجربہ گاہ کے فیصلان کی روشنی میں کبھی جانچنے پرکھنے کی کوشش نہیں کی گئی یہ ایمانیات کی منزل ہے کہ مغرب کے اداروں سے جو کچھ تیار کر آ رہا ہے وہ خیر اور سراپا خیر ہے کوئی یہ سوچنے پر آمادہ نہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ کاغذ ہی جعلی ہوں اس کاغذ پر لکھے گئے اجزاء کو کبھی کسی انسان نے کسی لیبارٹری میں پڑتال کے لئے نہیں بھیجا جبکہ کراچی، لاہور، اسلام آباد میں بہت سی تجربہ گاہیں کام کر رہی ہیں ہمیں آج تک ایک ایسا آدمی نہ ملا جو بازار میں مہیا اشیاء پر درج اجزاء اور تاریخ استعمال معیاد پر ایمان نہ لایا ہو جبکہ اس ایمان کی توثیق و تائید کی کوئی سند نہیں ہے لیکن یہ جاہل انسان

اسلام کی سند مانگتا ہے قرآن وسنت پر اعتراض کرتا ہے اس دین پر اعتراض کرتا ہے جس کے ایک ایک راوی کی سند محفوظ ہے جو پندرہ سو سال سے محفوظ طریقے سے امت کو مسلسل منتقل ہو رہی ہے۔ لیکن دس پیسے کہ کاغذی ٹکڑے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ اس پر ایمان غائب رکھتا ہے اور کمپنی سے کمپنی کے دعوؤں کی کوئی سند نہیں مانگتا، کمپنی نے کاغذ پر جو کچھ لکھ دیا ہے اسے آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتا ہے نہ کبھی بے چارے نے کمپنی دیکھی نہ اسکے اندر چیزوں کو تیار ہوتے دیکھا نہ اجزاء کا معیار دیکھا نہ کبھی اسے کسی تجربہ گاہ میں پڑتال کے لیے بھیجا۔ فوکویاما کی کتاب Trust کے مطابق عصر حاضر کا انسان اعتماد پر چلتا ہے یہ اعتماد Brand پر ہوتا ہے مارکیٹ کی قوتیں اس برانڈ کی ضمانت ہوتی ہیں جب کہ فی الحقیقت یہ سب ضمانتیں جعلی ہیں برانڈ سے قطع نظر عہد حاضر کا انسان تو ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہوئے کبھی اٹھ کر اس کے باورچی خانے میں نہیں جھانکتا کہ وہاں صفائی کی کیا صورت حال ہے جس حلوائی سے پکوڑے حلوہ پوری خریدتا ہے کبھی اس سے یہ سوال نہیں کرتا کہ تم کون سا گھی تیل استعمال کرتے ہو اس جاہل انسان کا حال یہ ہے کہ اسے گوشت خریدتے ہوئے یہ تک معلوم نہیں ہوتا کہ گردن، کمر، ران، سینے اور مچھلی کے گوشت میں کیا فرق ہے۔ عہد حاضر کے نوجوان جن میں اسلامی انقلابی تحریکوں کے بھی نوجوان شامل ہیں شدید گرمی میں جینز کی پتلون پہنتے ہیں جس سے ہوا نہیں گزرتی پتلون کے پائنچے زمین پر گھسٹ ہو رہے ہوتے ہیں گندگی اور غلاظت میں سڑکوں پر پتلون کو آلودہ کرنے کے بعد اسی پتلون سے مسجد میں نماز پڑھنے آ جاتے ہیں اور مسجد میں اس گندی پتلون کے پائنچے اوپر چڑھا لیتے ہیں غلاظت میں جسم کے کپڑوں کو لتھڑنے دینا جدید سائنس کا المیہ ہے ایسی جاہل نسلیں نہ دین کی ہیں نہ دنیا کی لیکن یہ جاہل انسان دین پر اعتراضات کرتا ہے عہد حاضر کے جعلی انسان کا جائزہ۔ [٦٢] فروی ۱۹۱۰ء یکم محرم بروز جمعہ کو شبلی اپنے طلباء کو ندوہ کی زیر تعمیر عمارت کے قریب لے گئے علم تفسیر کے کمرہ دار التفسیر کی تعمیر کرنے والے مزدوروں کو وہاں سے ہٹا دیا اور خود شبلی اور طلباء اپنے ہاتھ سے چونا گارا، اینٹیں لا کر معماروں کے سپرد کرتے رہے اس رسم کے خاتمے پر شبلی نے ایک تاریخی تقریر کی اور کہا ''اے خدا یہ چند نا تواں کم حیثیت کم مایہ بچے تیرے گھر میں مزدوری کرنے آئے ہیں ان کی مزدوری قبول کر، مغربی خیالات کا سخت سیلاب مسلمانوں کو اپنی رو میں بہا لئے جاتا ہے جس کے ساتھ ان کی مذہبی حالت مذہبی [علوم] مذہبی شعائر سب اس طوفان کی زد میں ہیں اے خدا ان چند نا تواں بچوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اس سیلاب کی ٹکر کو سنبھال لیں گے یہ بہت بڑا دعویٰ ہے کہ جو کسی طرح ان کے چہرے پر نہیں کھلتا تو ہی ہے'' جو ان کی آبرو رہ جائے شبلی کی یہ خواہش اور ندوہ کی کوشش کے باوجود مغربی خیالات کا سخت سیلاب مسلمانوں کو اپنی رو میں بہا لئے جاتا ہے اس کی کاٹ کا اندازہ ہی نہیں ہے مغرب کے سیلاب سے اٹھنے والے سوالات شکوک شبہات کی حیثیت جھاگ سے زیادہ نہیں جو دور سے بڑا طاقت ور، پرزور اور پر جوش نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا لیکن امت پر ایسا خوف، دہشت ہیبت، دبدبہ، اور وہن طاری ہے کہ پتہ بھی اگر گرتا ہے تو ہمارے دل خوف سے لرزنے لگتے ہیں ایک صدی گزرنے کے باوجود ہم تاریخ کے اس موڑ پر کھڑے ہیں اور حالت خوف سے باہر آنے کے لیے تیار نہیں اس خوف کی اصل وجہ مغربی فلسفہ جدید سائنس کے مباحث سے عدم واقفیت ہے جس دن علماء نے ان مباحث کو پڑھ لیا تو وہ دن جدیدیت پسندوں کے بے پناہ خوف حزن ملال اور الم کا دن ہوگا امت کی تاریخ میں وہ دن جلد طلوع ہونے والا ہے طلوع ہونے والے دن کی چند علامات کا جائزہ۔ [٦٣] شبلی نعمانی ترکی میں سرکاری دینی مدارس کی افتادہ حالت سے سخت افسردہ تھے لیکن اس سے زیادہ قلق انہیں ہندوستان کا تھا جہاں ''حکومت اسلام کی شش صد سالہ مدت کی ایک علمی یادگار بھی موجود نہیں'' [سفر نامہ ۸۰] کیا شبلی کا یہ بیان تاریخی طور پر درست ہے کیا مسلمانوں نے ہند میں چھ سو برس کی حکومت میں کوئی مدرسہ کوئی جامعہ کوئی علمی یادگار قائم نہ کی شبلی کا یہ مبالغہ کیا تاریخی حقائق سے صرف نظر ہے یا ایک جذباتی بیانیہ ہے جو ترکوں کی محبت میں دیا گیا جس کا مقصد مسلمانان ہند کو غیرت دلا کر ان میں علمی یادگاروں کے قیام کی امنگ پیدا کرنا تھا ایک اہم تنقیدی جائزہ۔ [٦٤] برطانیہ نے وزیر اطلاعات کا عہدہ ۱۹۴۶ء میں ختم کر دیا اور جرمنی میں اس عہدے پر فائز آخری آدمی ڈاکٹر پال جوزف گوبلز تھا برطانیہ نے وزیر اطلاعات کے عہدے کا اجراء پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۸ء میں کیا اس عہدے کا دوبارہ احیاء دوسری جنگ عظیم کے دورا ہوا جب ۱۹۳۹ء میں لارڈ میکملین نے

اس عہدہ کو سنبھالا لیکن جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی اس عہدے کا خاتمہ کر دیا گیا اس وزارت کا مقصد جنگ کے دوران خبروں اور ذرائع ابلاغ پر قومی مفاد میں پابندیاں عائد کرنا برطانیہ کے اندر اور غیر جانبدار ملکوں میں برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کی تشہیر کا فریضہ انجام دیتا تھا سوال یہ ہے کہ یورپ میں وزیر اطلاعات کے منصب کو کیوں ختم کر دیا گیا کیا اس کا سبب یہ تھا کہ وہاں کی حکومتوں کا ذہنی ارتقاء مکمل ہو گیا یا عوام کا شعوری ارتقاء اعلیٰ درجے پر پہنچ گیا لہٰذا نہ عوام کو بے وقوف بنانے کی ضرورت حکومت کی سطح پر باقی رہی نہ حکومتی پر پیگنڈہ اس قابل رہا کہ عوام اس سے متاثر ہو سکیں؟ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ وزیر اطلاعات کا منصب تمام ذرائع ابلاغ نے حکومت کے خفیہ تعاون کے ساتھ خود سنبھال لیا دونوں کا مقصد سرمایہ داری کا تحفظ کارپوریٹ کلچر کا دفاع عالمی استعماریت کا قیام تھا لہٰذا حکومت اور ذرائع ابلاغیات نے یہ محاذ مشترکہ طور پر سنبھال لیا لہٰذا وزارت اطلاعات کا خاتمہ حکومت کے لئے بدنامی سے بچنے کا موثر طریقہ ثابت ہوا۔ ایک اہم جائزہ۔ [۶۵]Edward Herman اور Noam Chomsky نے اپنی کتاب Mannfacturing consent: The Political economy of the Mass Media میں لکھا ہے کہ The 20th century has been characterised by three developments of great political importance the growth of democracy, The growth of corporte power & the growth of corporate propaganda as a means of proptecting corporate power against democracy.

کیا نوم چومسکی نے یہاں جہالت کے پردے میں چھپنے کے بجائے نور کے پردے میں [Curtains of Light] چھپنے کی کوشش کی ہے فیڈرلسٹ پیپرز کے مطابق جمہوریت اور انسانی حقوق کا اصل مقصد امریکہ میں سرمایہ دارانہ اقلیت کا [corporate minority] تحفظ سالمیت اور دفاع تھا بیسویں صدی میں اس دفاع کا کام میڈیا نے سنبھال لیا جمہوریت کا مطلب سرمایہ داری کا دفاع، تحفظ، پھیلاؤ اور توسیع ہے جو کارپوریٹ پاور کے بغیر ممکن نہیں معیشت اور مارکیٹ کی سطح پر انسانی حقوق کی شکل سرمایہ داری ہے اور ریاست کی سطح پر جمہوریت دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے لہٰذا یہ سمجھنا کہ کارپوریٹ پاور، کارپوریٹ پروپیگنڈہ اور ڈیموکریسی ایک دوسرے کے دشمن ہیں ایک جاہلانہ تصور ہے فیڈرلسٹ پیپرز کی روشنی میں نوم چومسکی کے مقدمے کا ناقدانہ جائزہ۔ [۶۶]Steren coll کی کتاب Ghostwars کے مطابق ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں صرف ۲۴۵ مدرسے تھے جبکہ اس وقت مدارس کی تعداد اٹھائیس ہزار ہے۔ جن میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد ۱۸ لاکھ سے زیادہ ہے ایک اور تحقیق کے مطابق ۱۹۷۱ میں مدارس کی تعداد ۹۰۰ تھی اور وسط ۱۹۸۸ء تک یہ تعداد آٹھ ہزار تھی غیر منظور شدہ مدارس کی تعداد پچیس ہزار سے زائد تھی جو گلی کوچوں، گھروں محلوں میں بے قاعدہ طور پر اپنا نظام قائم کر چکے تھے حکومت کے مطابق صرف دس فیصد مدرسے متشدد کاموں میں ملوث ہیں جبکہ نوے فی صد مدرسے این جی او کے طور پر کام کرتے ہیں اور بے سہارا غریب بچوں کو تعلیم روٹی رہائش مفت مہیا کرتے ہیں اور ریاست کی بنیادی ذمہ داریاں خود اٹھا رہے ہیں کیا معاملہ صرف اس قدر سادہ اور آسان ہے جیسا کہ کہا گیا ہے مدرسوں کی کثرت کے باوجود پاکستان میں اخلاقی زوال روز افزوں کیوں ہے؟ اس کا ایک سادہ جواب یہ ہے کہ مدسہ بھی معاشرہ کا آئینہ ہے جیسے لوگ معاشرہ پیدا کر رہا ہے ویسے ہی علمائے دین پیدا ہو رہے ہیں اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ پاکستانیوں کا اخلاقی زوال مدرسوں کی کثرت کے باعث ابھی اس سطح تک نہیں پہنچ سکا جہاں مصر ترکی اور دیگر مسلم ممالک کا پہنچ چکا ہے؟ اس اہم موضوع کا جائزہ۔ [۶۷] سید سلیمان ندوی کے اس موقف کا جائزہ کہ ۱۹۱۰ء تک حضرات علماء جس قسم کے مضامین پر رسائل تالیف فرما رہے تھے، وہ دو تین موضوعوں سے باہر نہ تھے۔ تصوف وفقہ کے اختلافی مسائل کی تحقیق یا فرق باطلہ کی تردید۔ یعنی اکثر و بیشتر علماء نے تاریخ، کلام، فلسفہ، منطق دیگر علوم نقلی اور خاص طور پر جدید مذہب سرمایہ داری، جدید فلسفہ، جدید منطق، جدید سائنس وٹیکنالوجی کے مباحث پر تفصیل سے کچھ نہیں لکھا۔ کیا یہ دعویٰ درست ہے؟ اس اعراض واغماض کی وجوہات کا ناقدانہ تاریخی جائزہ۔ [۶۸] عالم اسلام کے دینی مدارس کی اصلاح کی تحریک ۱۸۹۲ء میں ہندوستان کے مدرسہ فیض عام کانپور میں ندوۃ

العلماء کے قیام سے شروع ہوئی ۔عالم اسلام میں بڑے پیمانے پر اس اصلاحی تحریک کے برپا کرنے کا اعزاز ہندوستان کے علماء کو حاصل ہوا حیرت انگیز طور پر دینی مدارس کی اس اصلاحی تحریک میں تمام مکاتیب فکر کے جید علماء صوفیاء دانشور شریک تھے مثلاً استاد العلماء حضرت علماء لطف اللہؒ علی گڑھی، حافظ شاہ حسینؒ الہٰ آبادی، اشرف علی تھانویؒ، خلیل احمد سہارنپوریؒ، ثناء اللہ امرتسریؒ، نور محمد پنجابیؒ مدرسہ اسلامیہ فتح پور، احمد حسنؒ کانپوری، سید محمد علی ناظم اول ندوہ، محمود الحسنؒ دیوبندی، شاہ سلیمانؒ پھلواری، حکیم محمد ظہور الاسلامؒ فتح پوری، عبدالغنی خانؒ، مئو رشید آبادی، حکیم فخر الحسنؒ گنگوہی، حافظ سید شاہ، تجمل حسین دیسنوی، خلیفہ شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی۔ ہندوستان کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کے کام کی بازگشت ۱۸۹۹ء میں جامع ازہر کی اصلاح کی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوئی۔اس تحریک کے چار اہم ستون تھے۔سید رشید رضا، شیخ احمد جان روسی، شیخ شنقیطی مغربی[مراکش]اور شیخ شبلی نعمانی ہندی۔اس کے بعد ۱۹۱۴ء میں اصلاح مدارس کے لئے تحریک جامعۂ مدینہ کا آغاز ہوا لیکن یہ تحریک بھی ناکام رہی اس کے برعکس ۱۸۹۲ء میں جاری ہندی اصلاحی تحریک جس کا پہلا پتھر مدرسہ فیض عام کانپور کی دستار بندی کے اجلاس منعقدہ ۱۸۹۲ء میں ندوۃ العلماء کی تاسیس کے ذریعے رکھا گیا اس کا پہلا اجلاس ۲۲/اپریل ۱۸۹۴ء کو مدرسہ فیض عام کانپور میں منعقد ہوا۔اس اجلاس میں ہر مکتب فکر کے صنادید علماء شریک تھے۔اہل حدیث میں سے مولوی ابراہیم آروی، مولوی محمد حسین بٹالوی، شیعہ مجتہدین میں سے مولوی غلام الحسنین کنتوری اس موقع پر اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلی نے ایک رسالہ پیش کیا جس میں مفتی عنایت احمد، مولوی لطف اللہ صاحب اور مولوی احمد حسن کی بڑے شاندار الفاظ میں مدح وثناء کی تھی۔[استاد العلماء ص۴۲، ۴۳ حبیب الرحمان شیروانی] ہندوستان کے علماء کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اصلاح مدارس کے لیے انھوں نے سب سے پہلے جدوجہد کی۔واضح رہے کہ ہند میں عربی مدرسوں میں طلباء کے قیام کی روایت مولانا ابراہیم آروی نے شروع کی تھی۔۱۸۹۰ء میں اُن کے قائم کردہ مدرسہ احمدیہ بمقام آرہ میں پہلی بار دارالاقامہ کھولا گیا۔ یہاں انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی جب کہ ندوۃ میں انگریزی تعلیم کا آغاز ۱۹۰۴ء سے ہوا۔ ہندوستانی علماء کو خوب معلوم ہو چکا تھا کہ سیلاب کا یہ بہاؤ کس رخ پر ہے اور اس سیلاب میں ہمارے مذہبی علوم و فنون کا کیا حال ہوگا اور جو شکوک وشبہات جدید مغربی تعلیم کی بدولت پیدا ہو رہے ہیں ان کے جواب دینے کے لیے کس استعداد کے علماء کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کے علماء کو اپنی اصلاحی تحریک کی ضرورت کا وہ شدید احساس تھا جو عالم اسلام کے دوسرے دیار کے علماء کو نہ تھا۔اصلاحی تحریک کو اس بات پر اصرار تھا کہ قدیم یونانی فلسفہ کی کتابیں نکال کر جدید فلسفہ کی کتابیں داخل کی جائیں، دوسری یہ کہ علماء جدید تعلیم یافتوں کی اصلاح، یورپ میں تبلیغ اور مستشرقین یورپ کے اعتراضات کے جواب اور غلطیوں کی اصلاح کے لیے انگریزی پڑھیں۔آرہ لکھنو، دیوبند کانپور کے بڑے بڑے مدارس نے انگریزی کی تعلیم وتدریس کی اہمیت سے اتفاق کیا اور مختلف طریقوں سے تعلیم وتدریس کا یہ سلسلہ شروع بھی ہوا۔اصلاحی تحریک میں یہ بات بھی زیر بحث آئی کہ موجودہ نصاب میں معقولات کی کتابیں ضرورت سے زیادہ ہیں۔منطق کی کتابوں میں متاخرین نے الٰہیات کے مسائل مخلوط کر دیے ہیں۔منطق کی تعلیم کو اس سے پاک رکھا جائے کتابوں کے لفظوں کی نہیں فن کی تعلیم دی جائے۔قرآن پاک وعلوم قرآن کی کتابیں داخل کی جائیں۔طریق تعلیم درست ہو اس پر اتفاق تھا کہ علوم زیر درس پر کسی اور علم کا اضافہ نہ ہو۔لیکن جب ندوہ کے ایک اجلاس میں علوم جدیدہ کے اضافے کی تجویز آئی تو علماء کی اکثریت نے حمایت کی صرف مولانا فاروق چریا کوٹی اور دو علماء نے اس کی مخالفت کی۔ندوہ کا وفد ۱۸۹۶ء میں پٹنہ گیا اور خانقاہ عمادیہ میں اس کا پہلا جلسہ ہوا۔دوسرا جلسہ پٹنہ کالج بانکی پور میں ہوا جہاں چار ہزار لوگ شریک تھے۔ندوۃ کے مفتی مولوی عبداللطیف مولانا لطف اللہ کے آخری شاگردوں میں تھے۔مدرسہ صولیتہ مکہ میں مدرس رہے پھر خانقاہ رحمانی سے منسلک ہوئے اور جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر مقرر کیے گئے۔تاریخ القرآن اور سیرت ابوحنیفہ کے منصف ہیں وہ بھی جدید فلسفہ کی تدریس کے حامی تھے۔قدیم فلسفہ ومنطق کی کتابوں کو نصاب سے خارج کرنے کا سبب علماء کی نظر میں یہ تھا کہ یہ یونانی علوم نہ ہمارے مذہبی علوم ہیں اور نہ ہمارے مذہب کی فہم ومعرفت ان پر موقوف ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ سے ان علوم کو علماء کے نصاب میں اس لیے داخل کیا تا کہ ان یونانی علوم کے اثر سے جن کو اس زمانہ میں

زیادہ تر باطنیوں نے پھیلا رکھا تھا علمائے اسلام واقف ہوکر اس زمانہ کے الحاد کا مقابلہ کرسکیں، لیکن اب نہ وہ ملحد رہے نہ وہ یونانی علوم رہے، نہ ان کے ان مسائل کی صحت کا یقین عقل کے مدعیوں کو رہا، اس لیے ان کا اثر خود بخود زائل ہوگیا اور اب ان سے اسلام کو کسی گزند کا خوف نہیں رہا، اب اس کی جگہ نئے علوم ہیں، نئے مسائل ہیں، نئ تحقیقات ہیں، اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے علماء ان نئ چیزوں سے واقف ہوکر مسلمانوں کو درپیش نئ مشکلات کا حل نکالیں اور نئے شبہات کے تحقیقی جواب دیں۔ ہندوستانی علماء کے دل میں عالم اسلام میں سب سے پہلے مدارس کے طلبہ کے لیے انگریزی کی تدریس کا خیال اس سبب سے پیدا ہوا تھا کہ نئ تعلیم تیزی سے پھیل رہی تھی۔عربی زبان کی تعلیم اعلیٰ مسلمان خاندانوں سے مٹتی جارہی تھی۔لہٰذا اب نئے تعلیم یافتوں کی مذہبی واقفیت کا مدار انگریزوں کی کتابوں اور اسلامی کتابوں کے ترجموں پر رہ جائے گا۔اس وقت ہمارے مذہبی علوم کی کیا حالت ہوگی۔اس دور میں مذہبی تعلیم یافتوں کو قرآن پاک کے سمجھنے کا شوق ہوتا ہے تو وہ اپنی اس پیاس کو سیل کے انگریزی ترجمہ سے بجھا رہے تھے یا فقہ اسلامی کا مدار ہدایہ کے انگریزی ترجمہ پر رہ گیا تھا۔کیا یہ کام ہمارے علماء کا نہیں ہے۔ندوۃ میں تمام امور پر اتفاق کے باوجود انگریزی کی تدریس کے مسئلے پر علماء میں اختلافات ہوگئے تھے لیکن ایک گروہ انگریزی کی تدریس کا قائل تھا جس میں دیوبندی، اہل حدیث، بریلوی، شامل تھے۔[پاکستان میں بریلوی مسلک کا مدرسہ المرکز الاسلامی تو انگریزی میں دینی تعلیم کے اعتبار سے ایک اہم مدرسہ ہے] تحریک اصلاح کے اہم فرد شبلیؒ کا خیال تھا کہ علماء کو اس بات کا مطلق خوف نہیں کرنا چاہیے کہ علوم جدیدہ مذہب اسلام کے برخلاف ہیں، اور ان کی تعلیم سے عقائد مذہبی میں خلل آجاتا ہے، کیونکہ جب امام غزالیؒ کی طرح وہ ان علوم کو خود حاصل کریں گے تو ان کو وہ مسائل معلوم ہوجائیں گے جن میں مذہبی مخالفت کا احتمال پیدا ہوسکتا ہے۔اس صورت میں وہ ان مسائل کی تردید یا اسلام سے ان کی مطابقت بخوبی کرسکیں گے اور جدید تعلیم یافتوں کو مذہبی شکوک و شبہات سے محفوظ رکھ سکیں گے، صاف ظاہر ہے کہ جب تک ہماری قوم کے علماء جدید فلسفہ اور جدید علوم کو بذاتِ خود حاصل نہ کریں ناممکن ہے کہ وہ ان اعتراضات کا جواب دے سکیں، جو یورپ کے ملاحدہ مذہب اسلام پر کرتے ہیں اور ان کا اثر ہماری قوم کے جدید تعلیم یافتوں پر پڑتا ہے۔خطبات شبلی] اس تناظر میں دینی مدارس کے نصاب کی اصلاح کے لئے قائم نئ تحریک اصلاح تعلیم کے دس سالہ کام کا جائزہ جو تمام سنی وفاق کی سرپرستی میں ڈاکٹر امین کے زیر اہتمام لاہور میں قائم کی گئی ہے اور جس کے زیر اہتمام دینی مدارس کے اساتذہ کرام کے لئے انگریزی زبان، مغربی فکر و فلسفے، اور جدید مسائل کے جوابات کی تعلیم تدریس تربیت کے تجربات جاری ہیں اس کے ساتھ ساتھ مولانا فضل الرحمان انصاری کے قائم کردہ ادارے المرکز الاسلامی میں جدید مغربی فلسفے کی تدریس کے نصاب کا جائزہ جو عالم اسلام میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے پہلی مرتبہ علماء کرام دینی مدارس میں جدید مغربی فلسفے کا براہِ راست مطالعے کررہے ہیں ان تجربات کا مفصل جائزہ۔[۴۷] پانچویں صدی کے فقہ حنفی کے مشہور امام سرخسی المتوفی ۴۹۰ھ مبسوط میں معترض کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اگر جزیہ کفر کا معاوضہ ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ مسلمان دنیا کے چند خزف ریزوں کو لے کر کفر کی بقاء کو انگیز کرسکتے ہیں۔فرماتے ہیں:

پھر مسلمان ان ذمیوں سے ان کی اُس ذاتی جسمانی امداد کے معاوضہ میں جس کے یہ ذمی اپنے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اہل نہیں ہیں، جزیہ لیتے ہیں، اس لیے کہ دارالاسلام کی مدافعت و مدد اس کے سبب رہنے والوں پر یکساں واجب تھی، اور چونکہ ذمی جسمانی امداد کے قابل نہیں، کیونکہ وہ دل میں دشمنوں کی طرف طبعاً مائل ہیں تو اگر ان کو اسلامی فوج میں داخل کرلیا جائے تو وہ دشمنوں کو مدد پہنچائیں گے۔اس لیے ان سے جسمانی مدد کے بدلہ مالی مدد لی جاتی ہے تاکہ وہ ان کی امدادی رقم مسلمان غازیوں پر صرف کی جائے جو دارالاسلام کی طرف سے لڑ رہے ہیں اور اسی لیے ان ذمیوں سے ان کی مالی حالت کی کمی اور زیادتی کے سبب سے ان کے جزیوں کی رقم بھی کم و بیش رکھی گئی ہے کیونکہ امداد کرنے والوں میں بھی اس حیثیت کی کمی بیشی کا اعتبار رکھا گیا ہے[مبسوط سرخسی جلد ۱۰ ص ۷۸ مصر] اس اعتراض و جواب کو سید محمود آلوسی مفتی بغداد نے اپنی تفسیر روح المعانی میں نقل کرکے کہتے ہیں کیونکہ دارالاسلام میں سب رہنے والوں پر دارالاسلام کی امداد جان و مال سے ضروری ہے اور اس کے بجائے غیر مسلم سے اس لئے کہ وہ طبعاً دارالحرب والوں کی طرف اعتقاداً

میلان رکھتا ہے جزیہ [مالی معاوضہ] لیا جاتا ہے جوان مسلمان سپاہیوں پر خرچ کیا جاتا ہے [جلد عاشر ص۷۲]

علمائے احناف کا یہی مسلک ہے چنانچہ کتاب ہدایہ الجزیہ اوراس کی شرح فتح القدیر میں یہ مسائل مذکور ہیں۔شبلی نے امام سرخسی کے نظریے کی تائید میں مغازی وفتوح کی کتابوں سے تائیدی واقعات جمع کر دیے ہیں شبلی کے اس موقف کا ائمہ اربعہ کے موقف کی روشنی میں جائزہ ۔ [۷۰] اس نقطۂ نظر کا پہلا جائزہ کہ عالم اسلام کے بعض متکلمین آج کل خواہ مخواہ ہندومت اور عیسائیت سے مناظرے، مباہلے اور مجادلے میں مصروف ہیں۔اس کی کیا وجہ ہے کیا آج دنیا کے کسی حصے میں کوئی ہندو یا عیسائی ریاست موجود ہے؟ کیا اسلام کو عیسائیت یا ہندومت سے دنیا کے کسی حصے میں کوئی خطرہ درپیش ہے کیا دنیا کے کسی ملک میں آج عیسائی اور ہندو مذہبی بنیادوں پر مذہبی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا جارہا ہے کیا دنیا میں کوئی ایسی تحریک تنظیم جماعت موجود ہے جو اپنے اپنے ملکوں میں ریاست اور حکومت کو خالصتاً عیسائی اور ہندومت پر چلانے کا ارادہ، منشور، دستور، ہدف رکھتی ہو اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر ہندومت اور عیسائیت سے مناظروں کا جواز کیا ہے؟ عیسائیت خود اپنے وطن میں اجنبی ہے عیسائیوں کی اکثریت مذہب بیزار ہوچکی ہے اور سترہویں صدی میں پیدا ہونے والے نئے مذہب سرمایہ داری اور بنیادی حقوق پر ایمان لاکر سرمایے کی پرستش میں مبتلا ہے۔ دنیا کو اصل خطرہ سرمایہ داری، جدید فلسفے، جدید سائنس وٹیکنالوجی اور مغرب کی عالمی یلغار سے ہے لیکن ان موضوعات پر گفتگو کے بجائے مردہ موضوعات پر خطابت کے جوہر دکھانے کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔اسلام کی آمد کے بعد دنیا کا کوئی مذہب اسلام کی مابعدالطبیعیات اور علمیت کے لیے چیلنج نہ بن سکا، لیکن سرمایہ داری اور جدید فلسفے نے اسلام کے لیے ایک خطرہ پیدا کیا ہے۔لیکن اس کا جواب دینے کے بجائے ان مباحث میں الجھنا جو اسلام کے لیے خطرہ نہیں سادہ لوحی کے سوا کیا ہے۔ یہ رویہ نہایت نیک نیتی اور اخلاص کے باوجود عالم اسلام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ یوروپ میں آئے دن چرچ فروخت ہوتے رہتے ہیں جبکہ پندرہ سوسالہ اسلامی تاریخ میں آج تک کوئی مسجد فروخت نہیں ہوئی لہٰذا فارسی میں یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے کہ ''چوبِ مسجد نہ سوختنی نہ فروختنی'' حتیٰ کہ ان مسلمان ملکوں میں جنھیں انگریزی، ہسپانوی، فرانسیسی، بلجیئم، المانوی، ولندیزی استعماری طاقتوں نے نوآبادیوں [colonies] میں تبدیل کر دیا وہاں بھی کبھی مسجد فروخت نہیں کی جاسکی لہٰذا عیسائیت اور ہندومت کو ایک خطرے کے طور پر پیش کرنا کیا دانش مندی ہے؟ عیسائیوں اور ہندوؤں تک اسلام کی دعوت پہنچانا تو مسلمانوں پر فرض ہے لیکن دعوت اور مناظرے میں فرق ہے مناظرے اور علم کلام سے اسلام کی تاریخ میں کبھی کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا لیکن دعوت دین سے کروڑوں لوگ مسلمانوں ہوئے مناظرے سے آپ لوگوں کو مرعوب، مغلوب، لاجواب اور خاموش کر سکتے ہیں لیکن لوگوں کے قلوب کو تسخیر نہیں کر سکتے علم کلام اور علم مناظرہ سے آپ اپنی علمی دھاک بٹھا سکتے ہیں داعی نہیں بن سکتے اور مدعو کے دروازہ دل پر دستک دینے کی سعادت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجاتے ہیں۔مناظرہ مجادلہ اور مباحثہ سے کبھی دعوت دین عام نہیں ہوسکتی فتنوں کا عارضی قلع قمع ہوسکتا ہے اس لئے انبیاء کرام اور دعوتی وتبلیغی تحریکیں عقل کے بجائے قلب کو مخاطب کرتی ہیں اور لوگوں کے دروازہ دل پر دستک دے کر ان کی روح میں اتر جاتی ہیں مناظرے کے ذریعے آپ مد مقابل یا مدعو کو مغلوب مرعوب اور لاجواب کر سکتے ہیں ان کے ذہن کی گرہیں نہیں کھول سکتے اور قلب کی الجھنیں دور نہیں کر سکتے لہٰذا یہ کہنا کہ مناظرے سے اسلام پھیل رہا ہے تاریخی، علمی اور واقعاتی طور پر ایک غلط اور جھوٹا دعویٰ ہے شیخ احمد دیدات نے عیسائیوں سے بڑے کامیاب مناظرے کئے لیکن ان مناظروں کے نتیجے میں کوئی عیسائی مسلمان نہیں ہوا ذاکر نائک صاحب نے کئی ہندوؤں سے مناظرے کئے لیکن ان مناظروں سے کوئی ہندو مسلمان نہیں ہوا اگر ہندو مسلمان ہو جاتے تو راشٹریہ سیوک سنگھ RSS اور بھارتی جنتا پارٹی ذاکر نائیک کا ہندوستان میں جینا حرام کر دیتے چند سال پہلے عیسائی مبلغین کی کوششوں کے باعث ہندوستان میں بہت سے ہندو عیسائی ہوگئے تو ہندوؤں کی انتہا پسند تنظیموں نے عیسائی کلیساؤں اور عمارتوں کو جلا کر خاکستر کر دیا دسمبر ۲۰۰۷ء میں کرسمس کی تقریبات پر حملے کئے اور عیسائی بستیوں کو آگ لگادی گئی یہ کیسے ممکن ہے کہ ہندوستان میں ہزاروں ہندو مناظروں

سے مسلمان ہورہے ہوں اور اس پر کوئی ردعمل نہ ابھرے۔ یہ سوال بھی نہایت اہم ہے کہ ہندوستان میں مذہبی انتہا پسندوں کی جانب سے مولانا وحید الدین خان، ذاکر نائیک اور بوہری برادری کو مکمل تحفظ کیوں حاصل ہے؟ احمد آباد میں چار سال سے مسلمانوں کی زندگی خطرے میں ہے عرصہ حیات تنگ ہے ان کے کاروبار املاک، کارخانے، بازار، محلے جلا دیے گئے ہیں لیکن مسلمانوں کی بوہری برادری کی املاک، ادارے، کارخانے، محلے، بازار بالکل محفوظ ہیں اور تمام انتہا پسند تنظیموں اور حکومتی اداروں نے واضح طور پر ہدایت کردی ہے کہ مخصوص سفید لباس اور ٹوپی پہننے والوں کو مکمل امان دی جائے اس کے ساتھ ساتھ وحید الدین خان اور ذاکر نائیک پر آج تک انتہا پسندوں نے کوئی حملہ نہیں کیا جبکہ دونوں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے ہزاروں ہندوؤں کو مسلمان کردیا ہے اور اسلام کی دعوت ان کے علمی و کلامی مباحث کے باعث ہند کے طول وارض میں آندھی طوفان اور آگ کی طرح پھیل رہی ہے مختلف مذاہب کے علم کلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ متکلمین کے دلائل کے ذریعے اس مذہب کے ماننے والوں کا اپنے مذہب سے اٹھتا ہوا یقین و ایمان تو بحال ہوسکتا ہے لیکن پوری تاریخ انسانی میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ متکلمین و مناظرین کے دلائل کے ذریعے غیر مذہب والے دوسرے مذہب کو اختیار کرلیں غزالیؒ اور رازیؒ کسی غیر مسلم کو کلامی دلائل سے مسلمان نہ کرسکے تو وحید الدین خان اور ذاکر نائیک کسی غیر مسلم کو مسلمان کیسے کرسکتے ہیں مسلمان کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ دعوت نہ کہ مناظرہ، مباہلہ۔ مجادلہ، اور مباحثہ لہٰذا مناظروں، مباحثوں، سیمنار، کانفرنسوں، کیسٹوں، تقریروں سے لوگوں کو مسلمان کرنے کے دعوے صرف دعوے ہیں جو کوئی حقیقت نہیں رکھتے ہندوستان میں مسلمان ہونے والے ہندوں کا تازہ جائزہ کہ وہ کس سے متاثر ہوکر مسلمان ہوئے؟[۷۱] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ اکثر جدیدیت پسند علماء مسلم مفکرین عقائد و خیالات کے لحاظ سے عقلیت پسند ہیں اس عقلیت پسندی کے تقاضے کے تحت یہ تمام احکام مذہبی کو مصالح و حکم پر مبنی سمجھتے ہیں اور احکام الٰہی کی مصلحتوں اور حکمتوں کے ادراک و فہم کے بغیر وہ اپنے دین کو ناقص تصور کرتے ہیں جبکہ انسان کی عقل ناقص یقیناً ان احکام کے مصالح اور حکمتوں کے کلی اور حقیقی ادراک سے قاصر ہے وہ احکامات الٰہی کے منشاء کو محض مشیت الٰہی یا حکم الٰہی یا حکم محبوب الٰہی یا سنت محبوب الٰہی کے منہاج میں تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ ان کی کوئی عقلی و منطقی توجیہہ نہ تلاش کرلیں اسی عقلیت پرستی کے باعث معجزات کا انکار کرتے ہیں کہ وہ خرق عادات پر مبنی ہوتے ہیں اور بہ ظاہر خلاف عقل معلوم دیتے ہیں اگر معجزات کو طوعاً و کرہاً مان بھی لیں تو اس کی دوراز کار تاویلات اس طرح کرتے ہیں کہ ان کی تلمیع معجزہ کی روحانیت کا خاتمہ کردیتی ہے عموماً یہ جدیدیت پسند مفکرین معتزلہ کی عقلیت سے بالواسطہ یا بلا واسطہ متاثر ہوتے ہیں اور قدیم مفکرین فقال، ابومسلم اصفہانی، ابوبکر اصم کے راستے کو اختیار کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے آخر کار معجزوں کے وجود سے انکار کردیتے ہیں جبکہ یہ تینوں مفکرین بھی خرق عادت کے قائل ہیں مگر ان کے یہاں قرآن میں مذکور معجزات کی فہرست بہت محدود و مختصر ہے جدیدیت پسند احادیث صحیحہ میں مذکور معجزات رسول اللہؐ کے بھی منکر ہیں بعض جدیدیت پسند مولانا روم اور مولانا بحر العلوم شارح مثنوی کی تصریح کی پیروی میں ملائکہ کا اطلاق بعض ملکات نبوی اور ملکات بشری پر بھی کرتے ہیں لیکن مولانا روم کے افکار خیالات زندگی اور ان کے تفقہ فی الدین کو ان کے کل سے کاٹ کر بطور دلیل استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں جدیدیت پسند حشر و نشر، جنت دوزخ واقعات بعد الموت وغیرہ کو محض روحانی چیز سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اس لہر سے علامہ اقبالؒ اور شبلی نعمانیؒ تک مدتوں متاثر رہے اور حشر و نشر جنت دوزخ کے بذاتہٖ وجود کے منکر رہے لیکن اللہ کی توفیق سے آخر کار اس کے قائل ہوگئے یہ انقلاب ان دونوں شخصیات میں احادیث کے گہرے مطالعے کے باعث پیدا ہوا تھا اور اختتام زندگی تک قائم رہا دونوں کے ذہن و عقل کی دنیا بدلنے میں امام ابن تیمیہؒ کی تصانیف کا خاص کردار ہے۔ کیا جدیدیت پسندوں کی گمراہی کا راز ''سنت''، ''اجماع'' اور اسلامی تاریخ سے انکار اور ذریعہ علم کے طور پر صرف عقلیت پر اصرار میں تلاش کیا جاسکتا ہے؟[۷۲] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ شافعی عموماً امام ابوالحسنؒ اشعری[م۳۲۴ھ] اور احناف امام اعظمؒ کے شاگرد در شاگرد امام ابو منصور ماتریدیؒ حنفی[م۳۳۳ھ] کے مقلد ہوئے بہت سے اصولی مسئلوں میں اشعریوں اور ماتریدیوں کا اتفاق ہے لیکن پندرہ بیس مسائل

میں اختلاف ہے۔ کچھ کی رائے یہ ہے کہ یہ اختلاف اصلاً محض لفظی ہے مگر بہت سوں کی رائے ہے کہ دونوں کے بعض اہم مسائل میں شدید اختلافات کسی لفظی تاویل سے نہیں مٹ سکتے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علم کلام میں اشعریہ کے مقابلے میں ماتریدیہ کی شہرت بہت کم ہے ایک وجہ یہ بھی ہے علمائے احناف نے علم کلام پر بہت کم کتابیں تصنیف کیں یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ علم کلام میں جس قدر مشہور اور معرکۃ الآ راء کتابیں ہیں وہ شافعیہ کی تصانیف ہیں جو عموماً اشعریہ تھے یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تصوف میں بھی اہم ترین کتب شافعیہ کی ہیں احناف کی نہیں یہ عجیب بات ہے کہ احناف کو سب سے زیادہ عقلئیں اور منطقین کے طبقات میں شامل کیا جاتا ہے لیکن علم کلام اور تصوف میں شافعیہ ان سے آگے ہیں کیا شافعیہ کی علم کلام میں سبقت امام ابوالحسنؒ اشعری کے معتزلہ والے مناظر کے باعث ہوئی یا محض اتفاق ہے۔ ماتریدیوں کی علم کلام میں عدم شہرت کے باعث اکثر علمائے احناف اشاعرہ ہی کے ہم عقیدہ ہیں حالانکہ عہد قدیم میں کسی حنفی کا اشعری ہونا نہایت تعجب کی بات سمجھا جاتا تھا۔ علامہ اثیر نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ ''یہ بات نہایت عجیب ہے کہ کوئی شخص حنفی ہو مگر اشعری ہو''۔ سوال یہ ہے کہ احناف عقائد میں امام ماتریدیؒ کے مقلد ہیں یا امام اشعریؒ کے اگر امام اشعریؒ کے ہیں تو وہ شافعی ہیں پھر احناف مقلد کیسے ہو گئے۔ تطبیق و تلفیق مذاہب کی یہ روایت اسلامی تاریخ میں کب کب اور کہاں کہاں ملتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اشاعرہ جو اہلسنت مکتب فکر کا ایک چھوٹا مکتب تھے ان کی پیروی میں تمام اہل سنت اب اشاعرہ میں شامل ہو گئے ہیں اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ اہل سنت کے چاروں مکاتب فکر اپنے اختلافات کے باوجود اور تقلید پر اصرار کے ساتھ ساتھ تطبیق و تلفیق بین المذاہب اربعہ کے قائل ہیں تاریخی طور پر ماتریدی اور اشعری اہلسنت کے دو مقابل کے مکتب فکر تھے علامہ سبکی اشعری نے شرح عقیدہ ابن حاجب میں لکھا ہے کہ ''حاصل یہ ہے کہ اہل سنت کے تین گروہ ہیں پہلا گروہ اہل حدیث ہے اور ان کے اصول کی بنیاد نقلی دلیلوں پر ہے اور دوسرا گروہ عقلی اور فکری علم و استدلال والے اور وہ اشعریہ اور حنفیہ ہیں اشعریہ کے امام ابوالحسن اشعری اور حنفیہ کے امام ابو منصور ماتریدی ہیں [اتحاف السادۃ، ج ا ص ٦] اشعریہ اور ماتریدیہ کے اختلافات کی جھلک امام ماتریدی کی شرح فقہ اکبر، امام بزودی کی کتاب العقیدہ ابو شکور سالمی کی کتاب التمہید ابن ہمام کی مسایرہ اور ملا علی قاری کی شرح فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اشاعرہ کے شدید ترین مخالفین بھی اشاعرہ کے سحر سے باہر نہیں نکل سکے وہ اشاعرہ پر نقد کرتے حملے کرتے اور ان کو منہدم کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کے سحر سے اس لئے نہیں نکلتے کہ راس الاشاعرہ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کی گرفت میں آنے والا ان کی گرفت سے باہر نہیں جا سکتا۔ اس نقطہ نظر کا تاریخی تنقیدی جائزہ۔ [۷۳] اس نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ کہ امام رازیؒ اشعری ہوتے ہوئے بھی اپنی کتاب ''مطالب عالیہ'' بلکہ تفسیر میں بھی بعض حقائق کی حکیمانہ تشریح میں اشعریت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے امام غزالیؒ بہ ظاہر کبھی معتزلہ کبھی صوفیہ کبھی حکماء کے ہم زبان نظر آتے ہیں اس علمی خوشہ چینی سے جل کر قاضی ابن رشد نے اپنی کتاب ''کشف الادلہ'' میں امام غزالیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''......غزالی کا کیا کہنا وہ اشعریوں کے ساتھ اشعری، معتزلیوں کے ساتھ معتزلی اور صوفیوں کے ساتھ صوفی ہیں'' ابن رشد کا اعتراض درست ہے یا غلط ہے کیا امام غزالیؒ و رازیؒ کی وسعتوں کو اشعریت میں محصور ہو جانا چاہیے تھا کیا دونوں اکابرین مقلد محض تھے یا مجتہد فی الدین بھی؟ کیا غزالیؒ کی کتابوں جواہر القرآن، المنقد من الضلال التفرقہ بین الاسلام والزندقہ، المضنون بہ علی غیر اہلہ میں موجود علم کلام کے تمام جواہر کیا اشعریوں سے مستعار ہیں کیا یہ جواہرات محض تقلید کا ثمر ہیں یا ان کی خلاقیت تخلیقیت اور وسعت نگاہی کا ایک اہم تجزیہ۔ [۷۴] کیا وجود باری تعالیٰ کی فلسفیانہ اور متکلمانہ دلیلیں اعتراضات اور شبہات سے بری ہیں کیا دلائل عقلی سے وجود خدا کو سو فی صد ثابت کیا جا سکتا ہے؟ کیا وجود باری کا اقرار فطری ہے یا نظری منطقی اور عقلی کیا وجود باری دلیل منطقی کا محتاج ہے؟ کیا قرآن پاک نے وجود باری کے لئے جو تنبیہی شہادتیں پیش کی ہیں ان سے زیادہ بہتر شہادتیں عقل فلسفہ منطق و کلام آج تک پیش کر سکتے ہیں امام جوینیؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ اور قاضی رشدؒ نے اخیر زمانہ میں قرآنی دلائل وجود باری کو صحت ایمان کا راز کیوں سمجھا وجود خدا کے اثبات میں متکلمانہ فلسفیانہ دلیلوں اور قرآنی دلائل کا پہلا جامع تقابلی جائزہ۔ [۷۵] مولوی غلام محمد شملوی نے اپنی جوانی میں ترک دنیا اور فقر

اختیار کرلیا تھا۔ گیروا کپڑے پہنتے تھے جنگل میں رہتے تھے اور جنگل کی جڑی بوٹیاں کھاتے تھے ندوہ کا شوروغل سن کر اس کے بریلی والے جلسے میں شریک ہوئے اور ایسے متاثر ہوئے کہ جوگ چھوڑ کر ندوہ کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے کر ساری عمر ندوہ کی خدمت میں بسر کردی اب ایسے مولوی کیوں ناپید اور نایاب ہیں جو دین کے لیے دنیا کو ترک کردیں اور صرف دین کے فروغ کے لئے ترک دنیا کو ترک کردیں اور اس عالم خاک وآب سے دوبارہ اپنا رشتہ جوڑ لیں؟ اس کے برعکس دوسرا کردار مظہر الحق کا ہے۔ پٹنہ کے بیرسٹر مظہر الحق انٹر کے بعد انگلستان گئے اور بیرسٹری کے امتحان میں کامیابی حاصل کی کانگریس کے حامی اور مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے کانگریس لیگ کے ملاپ میں ان کا بڑا حصہ تھا خلافت تحریک میں ترک موالات کے باعث وکالت کا پیشہ ترک کردیا پٹنہ میں ''صداقت آشرم'' کے نام سے ایک سیاسی خانقاہ بنا کر اس میں گوشہ نشین فقیر بن کر بیٹھ گئے پہلے زندگی سراسر انگریزی تھی اب بدلے تو ایسے کہ گلاس میں پانی تک نہ پیتے کہ یہ انگریزی چیز ہے۔ مس کے کٹورے میں پانی پیتے تہبند باندھتے انگرکھا پہنتے سپید داڑھی سینے تک لمبی ہوگئی تھی زمین پر بیٹھتے اور اس پر سوتے روحانیات سے دلچسپی پیدا ہوگئی اسی حال میں زندگی بسر کردی۔ تیسری مثال جماعت اسلامی کے رکن مستری محمد صدیق کی ہے جو عہد حاضر کے ظلمات میں جماعت اسلامی کی کوششوں سے غیر مطمئن ہوکر مایوس ہوئے تو بکریاں لے کر دور افتادہ جنگل میں چلے گئے اور دنیا کے ظلمات سے بچنے کے لئے ایک گوشہ کوہ میں پناہ گزیں ہوگئے تاکہ اپنے ایمان کو سلامت رکھ سکیں۔ کیا وجہ ہے کہ عہد حاضر غلام محمد شملوی بیرسٹر مظہر الحق اور مستری محمد صدیق جیسے مخلصین سے خالی ہے کیا وجہ ہے کہ ماضی میں قدیم نظام تعلیم، جدید انگریزی نظام تعلیم اور قدیم وجدید کے آمیزے سے بننے والے نظام تعلیم سے نکلنے والے تین مختلف گروہوں کے اندر کوئی نہ کوئی غلام محمد، مظہر الحق اور مستری صدیق جیسے مخلصین موجود تھے عہد حاضر میں ان گروہوں کے ایسے مخلصین کہاں چلے گئے؟ کیا مادہ پرستی نے ہمارے وجود کا احاطہ نہیں کرلیا ایک اہم تجزیہ جس میں برعظیم پاک وہند کی ان تمام شخصیات کا جائزہ لیا جائے گا جنہوں نے دین کی خاطر ترک دنیا کو مقصد زندگی بنالیا تھا۔ [۷۶] کاظم علی کے فارسی روزنامچے کے مطابق ہندوستان میں اثنا عشری شیعہ کے یہاں جمعہ اور جماعت کا التزام نہیں تھا۔ مولوی غفران ماب اثنا عشری شیعہ جماعت کے سربراہ تھے۔ لکھنو میں مولوی محمد عسکری اخباری شیعہ تھے۔ انھیں جمعہ وجماعت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مولوی دیدار علی عراق سے اجتہاد کی اجازت حاصل کر کے لکھنو تشریف لائے تو انھوں نے شیعہ حضرات میں جمعہ وجماعت کا آغاز کیا۔ آپ ہند میں جماعت وجمعہ کے بانی مبانی ہیں۔ کیونکہ آپ کی آمد سے پہلے شیعان ہند کو جمعہ وجماعت کی نمازوں کا کوئی علم نہ تھا۔ کاظم علی کے روزنامچے کے مباحث کا پہلا تنقیدی جائزہ۔ [۷۷] ان دعاوی کا جائزہ کہ کیا علی گڑھ یونیورسٹی انگریزوں نے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لئے قائم کی تھی سید سلیمان ندوی کا بیان ہے کہ طرابلس وبلقان کے ہنگاموں کے سبب سے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلی ہوئی تھی انگریزوں نے فیصلہ کیا کہ صورت حال کے تدارک کے لیے ملک میں کوئی ایسی عالمگیر اسلامی تحریک شروع کردی جائے جو مسلمانوں کے رخ کو ادھر سے ادھر پھیر دے یہ چیز ایک مسلم یونیورسٹی کا تخیل تھا جس کو لے کر سر آغا خان آگے بڑھے جو اس وقت مسلم قومی رہنما اور انگریزوں کے معتمد تھے علی گڑھ پارٹی کے ہاتھ سے مسلمانوں کی رہنمائی کی باگ نکل رہی تھی اس کو دوبارہ ہاتھ میں لینے کے لیے یہی تدبیر کارگر ہوسکتی تھی بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ خود آغا خان نے صوبوں کا دورہ کیا اور امراء سے چندے وصول کیے اکتیس لاکھ روپے کی رقم حاصل ہوگئی [ص ۵۳۱] اس مقصد کے لیے مسلم یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی قواعد وضوابط کے لئے قائم کی گئی شبلی ابوالکلام راجہ صاحب محمود آباد محمد علی جوہر وغیرہ اس کمیٹی میں شامل تھے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مجوزہ یونیورسٹی کے آثار دیکھ کر ۲۵ مارچ ۱۹۱۱ کو لکھ دیا تھا کہ یونیورسٹی کا چارٹر تو مل جائے گا قطعی ہے باقی یہ کہ وہ کیا ہوگی اس کو وہ لوگ خود جانتے ہیں لیکن بہر حال نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے''۔ گویا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی تجویز ایک سیاسی چال تھی جو کامیاب رہی شبلی اقبال ابو الکلام محمد علی جوہر جیسے زعماء اس تحریک کے ہمنوا محض اس لئے تھے کہ یہ ایک قومی تحریک تھی اور مسلم قوم پرستی کے جوش کا بھرپور اظہار تھی اس تحریک کے پس منظر سے ان لوگوں کی عدم واقفیت کا کیا راز تھا شبلی نے ندوہ کی طرف سے علی گڑھ یونیورسٹی کے لئے دس ہزار روپے کا

عطیہ دیا جس پر اعتراض ہوا تو شبلی نے جواب دیا کہ ندوہ خود محتاج ہے تو کیا اسلام میں ایثار نفس کی مثالیں موجود ہیں کہ محتاجوں نے محتاجوں کی مدد کی ہے۔ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر کے افادیت پسند فلسفے نے برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو آج کہاں پہنچا دیا ہے۔ ایک اہم جائزہ۔[۷۸] سید سلیمانؒ ندوی کے اس موقف کا جائزہ کہ ہندوستان میں عربی مدرسوں کی نئی بدعت جس میں دارالاقامہ بھی درس و تدریس بھی ہو اور انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہو اس کا آغاز نذیر حسینؒ محدث دہلوی کے شاگرد اور مشہور اہل حدیث عالم مولوی ابراہیم آرویؒ نے ۱۸۹۰ء میں آرہ میں مدرسہ احمدیہ کے نام سے قائم کر کے کیا'' [ص ۳۰۸] مدرسہ سرسید کی وفات ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ سے دس سال پہلے قائم ہو چکا تھا کیا اس سے پہلے ہند میں اقامتی مدرسوں کی روایت نہیں تھی کیا ہندوستان کا پہلا باقاعدہ اقامتی مدرسہ ابراہیم آوری کا تھا تاریخ و تحقیق کی روشنی میں بعض نئے انکشافات۔[۷۹] علم کلام مسلمانوں کی خاص ایجادات فن میں سے ایک مہتمم بالشان علم اور ان کا سرمایہ ناز ہے علم کلام نے اثبات عقائد اور ابطال فلسفہ کے متعلق کیا خدمات انجام دیں اور کس حد تک کامیابی حاصل کی یہ تاریخ کا سرمایہ ہے لیکن سترہویں صدی کے بعد جب یونانی فلسفے کی جگہ جدید مغربی فلسفے Modrenism اور اب پس جدید مغربی فلسفے [Post modrenism] نے لے لی ہے تو مسلمان جدید علم کلام کی تشکیل و تعمیر نہیں کر سکے کیونکہ اس کے لئے مغربی فلسفے سے گہری واقفیت ضروری ہے شبلی نے عربی مدارس میں انگریزی پڑھانے کی جو روایت شروع کی وہ ان سے پہلے آرہ کے اہل حدیث مدرسے میں جاری تھی شبلی کے بیان کے مطابق کانپور کے ایک مدرسے میں انگریزی اور جدید فلسفہ بھی ایک حد تک پڑھایا جاتا تھا اس کے بعد ندوہ میں انگریزی پڑھائی گئی اور ندوہ کے بعد بے شمار مدارس میں انگریزی کی تعلیم عام ہوئی اور شاہ عبدالعلیم قادری کے قائم کردہ مدرسہ المرکز اسلامی'' نے انگریزی تدریس میں کمال پیدا کر کے انگریزی زبان میں علوم اسلامی کے ماہرین و مبلغین کی ایک فوج تیار کر دی لیکن انگریزی سیکھنے کے باوجود مدارس عربیہ جدید علم کلام پیدا کرنے سے قاصر رہے؟ کیوں کہ جدید علم الکلام کے لیے صرف زبان نہیں مغربی فلسفے سے واقفیت بھی لازمی تھی۔ جدید علم کلام کی ضرورت اس کے لئے بنیادی وسائل کی ضرورت جدید علم کلام کی راہ میں حائل دشواریوں کے جائزے پر مشتمل ایک اہم تحقیقی جائزہ۔[۸۰] اس غلط سلط بلکہ باطل نقطہ نظر کا جائزہ کہ اقبال کی شاعری شبلی کی تقریباً تمام کتابیں اور مولانا مودودی کی بیشتر تصانیف، سید قطب کی چند کتب جدید علم کلام کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہیں لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ متکلم کے لئے لازم ہے کہ وہ جس تہذیب یا مذہب کے خلاف قلم اٹھا رہا ہے اور اس تہذیب و مذہب سے آنے والے خلاف اسلام دلائل کا دفاع کر رہا ہے اس تہذیب تاریخ ثقافت اور فلسفے سے بھی آگاہ ہو اور علوم اسلامی پر بھی عبور رکھتا ہو جیسا عبور غزالیؒ اور ابن تیمیہؒ کو یونانی فلسفے پر حاصل تھا تاکہ مغربی فلسفے کا تہافہ لکھا جا سکے اور جدید علم کلام کی بنیاد ڈالی جا سکے لیکن اقبال کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ علوم اسلامی سے سرسری واقفیت رکھتے ہیں اور جاہلیت جدیدہ یعنی مغربی فلسفے سے ان کی واقفیت بہت گہری نہیں ہے۔ مولانا مودودی مغربی فلسفے پر ایسا عبور نہیں رکھتے اور ائمہ فلاسفہ مغرب کے اساسی کام سے اس طرح واقف نہیں جس طرح یونانی فلسفے کے مضمرات سے غزالیؒ اور امام ابن تیمیہؒ واقف تھے یہ الگ بات ہے کہ وہ مغرب کو اپنے وجدان اور روحانیت کے باعث بہت عمدہ طریقے سے سمجھتے ہیں۔ یہی حال شبلی اور سید قطب کا ہے دونوں مغربی فلسفے سے واقف نہیں جدید علم کلام کی ہند اور عالم اسلام میں سوسالہ تاریخ کا پہلا جائزہ۔[۸۱] امام جوینیؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ، قاضی ابن رشدؒ سے لے کر شبلیؒ تک سب اختتام عمر پر فلسفیانہ اور کلامی مباحث میں پناہ ڈھونڈنے کے بجائے ایمان کے نقلی منہاج میں خاتمہ ایمان کی دعائیں کرتے اور نقلی منہاج علم کے تتبع میں اپنے آخری لمحات زندگی بسر کرتے ہیں بڑے بڑے فلاسفہ و مفکرین بزرگوں کے دامن سے وابستگی میں اپنے علم کو ہیچ سمجھتے ہیں مثلاً امام رازیؒ نے شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے ہاتھ پر بیعت کی ڈاکٹر ظفر حسن علی گڑھ یونیورسٹی آخر عمر میں پیر جماعت علی شاہ سے بیعت ہو گئے رینے گینوں جیسا فلسفی مصر کے شیخ احمد علوی کے ہاتھ پر بیعت کر کے گوشہ نشین ہو گیا جبکہ علمی طور پر شیخ علوی کی رینے کے سامنے بہ ظاہر کوئی حیثیت نظر نہیں آتی لیکن نقلی علوم میں شیخ کو ایسی برتری حاصل تھی کہ رینے گینوں کا فلسفہ کلام ادیان عالم کا تقابلی مطالعہ اور عقلیات حضرت شیخ کی نگاہ محبت کے سامنے گنگ ہو کر رہ گئے۔ شبلی نعمانی جیسے متکلم اور عقلی نے آخر

عمر میں حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ کی صحبت میں سلوک کی منازل طے کیں حمید الدین فراہی قیام الہ آباد ۱۹۱۰ میں حضرت رشید گنگوہی کے فیض یافتہ مولانا وارث حسنؒ سے بیعت ہو چکے تھے بعد میں شبلی بھی وارث صاحب سے روحانی استفادہ کرتے تھے یہ سلسلہ انتقال تک جاری رہا [۸۳۰] عبدالماجدؒ دریا آبادی اور عبدالباری ندوی جیسے فلاسفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے سلیمانؒ ندوی جیسا علمی جن بارگاہ تھانوی میں سپر انداز ہو گیا علامہ اقبال جیسے مومن شاعر مفکر مغرب سے فلسفہ پڑھنے کے بعد واپس لوٹے تو بزرگوں علماء مجذوب اور مجذوبہ کے دروازوں پر سلوک کی دولت تلاش کرتے رہے۔ اختتام زندگی پر ذات رسالت مآب کے عشق میں ڈوب کر آنسوؤں کی مالائیں پروتے رہے جب بھی ان کے سامنے رسول اللہ کا ذکر ہوتا تو ہچکیوں سے رونے لگتے سرہانے رکھا ہوا قرآن پاک آنسوؤں کے نشانات محفوظ کر لیتا وہ زندگی کے آخری ۲۵ سالوں میں مثنوی مولانا روم اور قرآن کریم کے سوا کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور فلسفہ کی کتابوں سے بہت پہلے ترک تعلق کر چکے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ شام زندگی نقل کو عقل پر ترجیح دینے لگتی ہے؟ زندگی کا آفتاب جب لب بام آجاتا ہے تو عقلیت کے بام و در کیوں شکست و ریخت کا شکار ہو جاتے ہیں اکابرین امت کے آخری لمحات کی روشنی میں ایک اہم جائزہ؟

[۸۲] اجتہاد خواہش نفس اور شہوات نفس کے تحفظ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اجتہاد کا مقصد مقاصد شریعت، اور حکمت شریعت کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے ہر طرح کے حالات میں اسلامی طرز زندگی، طرز فکر پر عمل کو ممکن بنانا ہے نہ کہ اسلامی طرزِ فکر اور طرزِ زندگی کو کفار کے مقاصد کے ساتھ ہم رنگ کرنا مقاصد شریعت اور حکمت شریعت کا دریا اس آیت کے کوزے میں بند ہے کہ ''ہم نے انسانوں اور جنوں کو اپنے رب کی بندگی کے سوا کسی اور مقصد کے لئے پیدا نہیں کیا'' کامیاب وہ ہے جو آخرت میں کامیاب قرار پائے لہٰذا اجتہاد کا مقصد بندگی رب کو ہر طرح کے حالات، حوادث، موانع، مشکلات میں اس طرح ممکن بنانا ہے کہ انسان ''فوز عظیم''، ''البِر'' یعنی آخرت کی کامیابی کے لئے بھرپور تیاری کر سکے اور ہر طرح کے حالات میں بندگی رب کا فریضہ ادا کر سکے اجتہاد کا مقصد کفر کی یلغار میں بھی بندگی رب کو ممکن بنانا ہے نہ کہ کفر پر عمل کی اسلامی تاویلیں تلاش کرنا اجتہاد زمانے کے بدلتے ہوئے کافرانہ، فاسقانہ، منافقانہ، اور دنیادارانہ تقاضوں کے مطابق دین کو ڈھالنے کا نام نہیں بلکہ اسلامی طرزِ فکر کی علمیت کو برقرار رکھتے ہوئے اسلامی طرزِ زندگی پر عمل کو ہر طرح کے حالات اور زمانے میں دین پر اس کے الفاظ اور روح کے مطابق عامل ہونے کے عمل کو ممکن بنانے کا نام ہے۔ اجتہاد ماخذات دین قرآن سنت اجماع قیاس کی روشنی میں ہوتا ہے اجتہاد کا مطلب ماخذات کی تعمیر و تشکیل نو نہیں اجتہاد ماخذات میں نہیں ہو سکتا ماخذات کی بنیاد پر اجتہاد ہو سکتا ہے۔ اجتہاد خواہش نفس کو رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال دینے اور مرضی الٰہی کے تابع رکھنے کے لئے فکری جہد مسلسل اور کوشش پیہم کا نام ہے۔ اجتہاد زمانے کے دھارے کے ساتھ چلنے کا نام نہیں زمانے کے دھارے کو دین کے مطابق چلانے کا نام ہے۔ اجتہاد زمانے کے مطابق ڈھلنے کا نام نہیں زمانے کو اپنی صہبا اور اپنے ساغر کے مطابق ڈھالنے کا نام ہے یہ زمانے کے سیل رواں کو روکنے بدلنے اور اسے مرضی مولا کے راستے پر ڈالنے کا نام ہے دین میں کمی الحاد ہے دین میں اضافہ بدعت ہے دین میں تبدیلی جدت ہے اور ہر طرح کے حالات مساعد مشکلات تقاضوں کے باوصف رضائے الٰہی کو ممکن بنانے کے طریقے سلیقے قرینے ڈھونڈنے کے عمل کا نام اجتہاد ہے ہر وہ اجتہاد جو زمانے کے مطابق دین کو بدلنے، حب دنیا، حرص دنیا، لذت دنیا تعیّشات دنیا کو دینی رنگ دے کر ممکن بنانے اور شرعی حیلے تلاش کرنے کے کئے کیا جائے وہ اجتہاد نہیں الحاد اور فساد ہے جس کے خلاف علمی جہاد فرض ہے اجتہاد آگے دیکھنے اور صرف آگے دیکھتے ہوئے سرپٹ دوڑتے چلے جانے کا نام نہیں مجتہد وہ ہے جو بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے اپنے ماضی سے پیوستہ رہ کر تاریخ سے جڑ کر اپنی تہذیب میں اتر کر مستقبل میں اسلام کو درپیش خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام کے وجود کو اس کے الفاظ اور روح کے ساتھ قابل عمل بنانے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ وہ ہر اجتہاد کے وقت مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتا ہے اور پیچھے چلتا جاتا ہے حتی کہ وہ عہد صحابہ میں پہنچ جاتا ہے اور خیر القرون سے واصل ہو جاتا ہے اس وصل وابستگی اور الحاق کے نتیجے میں وہ اجتہاد برآمد ہوتا ہے جو امت کے لئے خیر کُل اور صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔ اجتہاد اور ماخذات دین کی مثال ایک تناور درخت سی ہے درخت کی جڑیں زمین کے اندر دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور گہرائی تک

پیوست ہیں یہ تنا دین کے ماخذات ہیں اس تنے سے ٹہنیاں، شاخیں، پتے، پھول، پتیاں پھوٹ رہی ہیں ان شاخوں ٹہنیوں اور پھول پتیوں کو تراشنے انھیں کاٹنے، چھاٹنے، مختلف روپ دینے اور درست کرتے رہنے کا نام اجتہاد ہے لیکن اگر اجتہاد کا یہ عمل درخت کے تنے اور اس کی جڑوں کے ساتھ شروع کر دیا جائے تو درخت ہی باقی نہ رہے گا عصر حاضر میں اجتہاد کا صور پھونکنے والے منظور احمد، ڈاکٹر خالد مسعود، جاوید غامدی اصلاً دین کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں مصروف ہیں اور اسے اجتہاد کا نام دیتے ہیں گزشتہ سو برس میں اجتہاد کے نام پر کئے گئے الحاد اور فساد کا پہلا علمی و تحقیقی جائزہ جو افغانی، سر سید، چراغ علی، عبدہٗ سے لے کر احمد دین امرتسری، علامہ اقبال، وحید الدین خان، فضل الرحمان، اسرار عالم، غلام احمد پرویز، احنیف ندوی، ڈاکٹر خالد مسعود [اسلامی نظریاتی کونسل] امین احسن اصلاحی جاوید غامدی، راشد شاذ، رینے گینوں اسلم جیراج پوری اور یوسف قرضاوی کے غلط سلط افکار کا احاطہ کرتا ہے۔ [۸۳] سورہ ہود میں ارشاد ہوا کہ اے پیغمبرؐ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ان چیزوں میں سے کسی چیز کو [بیان کرنے سے] چھوڑ دیں جو آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہیں اور اس بات پر دل تنگ ہوں کہ وہ کہیں گے ''اس شخص پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا'' یا یہ کہ ''اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا'' آپ تو محض خبردار کرنے والے ہیں آگے ہر چیز کا حوالہ دار اللہ ہے۔ [ھود:۱۲] انبیاء کرام کا اصل امتیاز ان کی اخلاقی برتری ہوتی ہے انہیں مالی طور پر آسودہ نہیں کیا جاتا اور ان کے مدمقابل سب سے پہلا اعتراض یہی کرتے ہیں کہ نبوت مال و دولت والے کو کیوں عطا نہیں کی گئی انبیاء پر ایمان بھی عموماً معاشرے کے کچلے ہوئے، پسے ہوئے نیک سیرت، نیک فطرت لوگ ایمان لاتے ہیں لہٰذا انبیاء پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ان پر قوم کے اراذل ایمان لاتے ہیں لہٰذا ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھیں یہ تو ہمارے جوڑ کے نہیں اسلامی تحریکیں اور اسلامی جماعتیں اس منہاج میں سوچنے کی صلاحیت سے کیوں محروم ہو رہی ہیں کہ مال دولت تفاخر کی چیز نہیں اصل فخر تو عمل ہے کیا وجہ ہے کہ دینی تحاریک میں مخلص اور اہل علم پر کئی درجہ ترجیح امراء کو دی جاتی ہے اور فیصلوں میں ان کا حصہ علماء سے بڑھ کر ہوتا ہے؟ ایک اہم تجزیہ [۸۴] سورہ ہود میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ ایمان لائے نیک عمل کئے اور اپنے رب ہی کے ہو کر رہے [واختبوا الی ربھِم] تو یقیناً وہ جنتی لوگ ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے [ہود:۲۳] کیا وجہ ہے کہ عہد حاضر کے اہل ایمان نیک عمل تو کرتے ہیں لیکن اپنے رب کے ہو کر نہیں رہتے اپنی وفاداری کے کئی مراکز بنا کر ایمان و عمل کے متوازی راستوں پر ساتھ ساتھ چلتے ہیں رب کے ہو کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مختلف وادیوں میں بھٹکنے کے بجائے ہر ایک سے کٹ کر اپنے رب کی طرف پوری دل جمعی اور کامل یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو جائیں کیا ہماری اسلامی انقلابی تحریکوں کی ناکامی کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ ہماری محبت رب خالص نہیں ہے؟ یا محبت رب اور حب دنیا یکساں درجے میں ہیں؟ [۸۵] سورہ ہود میں حضرت نوحؑ اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میری قوم کے لوگو اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو پھر اس کی طرف پلٹو وہ تم پر خوب خوب اپنا ابر کرم برسائے گا اور تمہاری موجودہ قوت میں اضافہ پر اضافہ فرمائے گا اَوَّ یزد کم قوۃ الیٰ قوتکم مجرم بن کر [بندگی سے] منہ نہ پھیرو [ہود:۵۲] اس آیت کے ذریعہ قانون الٰہی یہ بیان ہوا کہ بندہ جب اپنے رب سے توبہ و استغفار کرتا ہے تو اس پر باران رحمت کا نزول ہوتا ہے جو رزق و فضل میں اضافے کی علامت ہے جب امت یا قوم اجتماعی توبہ کرتی ہے تو اس کی طاقت قوت میں اضافے پر اضافہ ہوتا ہے یہ قوت محض سیاسی، محض حاکمانہ، محض عسکری ہی نہیں ہوتی ہر لحاظ سے کامل و جامع ہوتی ہے دین و دنیا کا احاطہ کرتی ہے انفرادی اور اجتماعی توبہ ہی قوت شان و شوکت میں اضافے کا اصل، واحد اور کافی سبب ہے۔ یہی مضمون سورہ نوح آیت ۱۰ تا ۱۲ میں بیان ہوا ہے جب حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ اور معافی مانگو وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑے گا اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں اضافہ عطا کرے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ دنیا کا فضل، مال باغ دولت بھی گناہوں سے گریز اور توبہ کے نتیجے میں ملتی ہے قوت کا مرکز پاکیزہ صالح اور ایمان سے لبریز زندگی ہے وہ لوگ جو قوت دنیا کے اسباب انتخابات، پروپیگنڈے، سیاسی مہم جوئی، نظام کفر کے وفاداروں سے سیاسی اتحاد، عارضی

فوائد، منافقت کی سیاست، کفر و اسلام یا منافقت کی آمیزش، جلسے جلوس مذاکرے مظاہرے، سیمینار، ہڑتال، ہنگامے، توڑ پھوڑ، منفی انداز قیادت، نفرت کی سیاست، اقتدار کی رسہ کشی میں شرکت، غیر مذہبی اور غیر اخلاقی غلیظ سیاسی زندگی جو کام چلاؤ وقت گزارو اور شور مچاؤ کے تین اصولوں پر چلتی ہے میں ڈھونڈتے ہیں خصوصاً سیاسی مذہبی جماعتیں انھیں اللہ کے حضور توبہ و استغفار کے لئے ہاتھ پھیلا دینے چاہئیں جب تک یہ ہاتھ نہیں پھیلیں گے ان مذہبی جماعتوں کو کبھی قوت و شوکت حاصل نہ ہوگی جو استغفار میں بخیل ہے اسے نہ دین ملے گا نہ دنیا عطا ہوگی یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ جو پابندی سے استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر فکر سے کشادگی اور تنگی سے راستہ بنا دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ قرآن حکیم نے تمام قوموں کے زوال کو ایک لفظ ''ذنوبہم'' میں بیان کیا ہے کسی قوم کے عروج کی وجہ گناہوں سے توبہ اور زوال کی وجہ گناہگار زندگی پر فخر و استکبار ہے ہماری اسلامی تحریکیں عروج و زوال کے اس قرآنی منہاج سے کیوں اعراض کرتی ہیں اہم جائزہ۔ [۸۶] جدیدیت اور روایت سے کیا مراد ہے؟ اس پر تفصیلی گفتگو 'ساحل' کے شماروں میں مسلسل آرہی ہے۔ تاریخی طور پر یہ امت گزشتہ پندرہ صدیوں سے جدیدیت و روایت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور ہمیشہ یہ امت اس کشمکش میں سرخرو ہو کر نکلی، نئی کشمکش مغرب کے ساتھ درپیش ہے۔ قرن اول میں جدیدیت نے مذہبی و سیاسی فرقوں کی صورت میں ظہور کیا لیکن عہد حاضر میں جدیدیت ایک عالمگیر تہذیب، ثقافت و اقدار کا دعویٰ کرتی ہے۔ اس کی بنیاد عقل پرستی پر ہے اور عقل کی بنیاد پر آفاقی اقدار تعمیر نہیں کی جاسکتیں کیوں کہ عقل ایک خاص تاریخ تہذیب ثقافت زمان اور مکان میں محصور ہوتی ہے اور اپنی تاریخ سے اوپر نہیں اٹھ سکتی لہٰذا عقلیت کی بنیاد پر عالمگیریت کا دعویٰ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے۔ عالمِ اسلام پر جدیدیت اب ایک نئے رنگ سے حملہ آور ہے اور مسلمہ مکاتب فکر کے جدیدیت سے متاثر علماء کے ذریعے ظہور کر رہی ہے۔ جدیدیت کا خاص وصف سلف کے راستے سے انحراف اجتہاد اور تلفیق دین کے نام پر دین کے کُل سے انحراف، جزئیات پر فتوے لگا کر کفر کا اسلامی جواز مہیا کر کے اپنے مطلوبہ اہداف کا حصول، مغرب کو حق تسلیم کرنا، اشاروں کنایوں میں سلف کی تحقیر، دینی اقدار و مدارس و علماء کے بارے میں تحقیر آمیز انداز اور ان کے راستے کا انکار مفروضے اور دلیل کی اس بنیاد پر کہ علماء کی باتیں ٹھیک ہیں لیکن حالات بدل گئے ہیں پرانا علم کارآمد نہیں ہے نیا زمانہ ہے نیا انسان ہے لہٰذا نئے اسالیب اور طریقے میں گفتگو ضروری ہے۔ لہٰذا اجتہاد کے نام پر فساد اور الحاد کی مذہبی تعبیریں عموماً یہ رویہ ان جدیدیت پسند راسخ العقیدہ علماء کا ہوتا ہے جو انگریزی سیکھ لیتے ہیں دنیا کے کئی ممالک میں گھوم پھر کر سائنس سے حد درجہ متاثر ہو جاتے ہیں اور اسلام سے ٹریفک کا نظام ثابت کرنے لگتے ہیں مغرب کی مادیت ان کی روحانیت کو سلب کر لیتی ہے وہاں سے آتے ہی ان کا طرز زندگی بھی بدل جاتا ہے فرش پر بیٹھنا ہاتھ سے کھانا انھیں بدتہذیبی محسوس ہوتا ہے یہ علماء سادگی، درویشی، قناعت ترک کر کے پر تعیش طرز زندگی عالی شان کوٹھیوں، لمبی چمکتی ہوئی گاڑیوں، میں دین کی شان و شوکت ڈھونڈتے ہیں ایسے جدیدیت پسند علماء کا مفصل تذکرہ جو اسلامی تاریخ و تہذیب علمیت میں نہایت خاموشی کے ساتھ نقب لگانے کی کوشش کر رہے ہیں بہ ظاہر یہ علماء قدیم کا رنگ لئے ہوئے ہیں لیکن اصلاً جدیدیت میں جکڑے ہوئے ہیں ان کی تعداد نہایت قلیل بلکہ آٹے میں نمک کے برابر ہے لیکن ان کا طریقہ واردات نہایت خطرناک ہے۔ اور یہ نمک سب سے زیادہ خطرناک۔ کیونکہ یہ بزعم خود قیادت سنبھال لیتے ہیں اپنے مال و دولت اور دنیاوی مناصب کی بنیاد پر خود کو امامت کے منصب پر فائز کر لیتے ہیں ان دنیا دار علماء کی روحانیت سے عاری مادیت میں ڈوبی ہوئی زندگی دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ تمام علماء انہی کی طرح دنیا دار اور طالب لذات ہیں۔ [۸۷] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ دنیا کو دارالاسلام اور دارالحرب میں تقسیم کرنے کی فقہی کاوش دین کے غلط فہم پر مبنی تھی دنیا مسلمان کے لئے نہ دارالامن ہے نہ دارالمامون نہ دارالاسلام یہ محض دارالدعوت ہے اور اس اصطلاح کے بانی حضرت مولانا وحیدالدین خان ہیں حالانکہ اصلاً یہ اصطلاح احمد سعید اکبرآبادی نے برہان میں ۱۹۵۰ء کے سلسلہ مضامین میں استعمال کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کو نفسیاتی سہارا دینے کی کوشش کی تھی اس اصطلاح کا سرقہ کر کے وحیدالدین خان نے اس اصطلاح کا موجد خود کو قرار دے دیا وحیدالدین خاں کا استدلال یہ ہے کہ جب ہم دنیا کو دارالحرب کے خانے

میں رکھتے ہیں تو قتال لازمی ہو جاتا ہے اور مسلمان کئی صدیوں سے اس غلط فقہی اصطلاح کے باعث جدال وقتال میں مصروف ہیں جو دین کو مطلوب نہیں وحید الدین خان یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اگر ہر دارالحرب پر حملہ واجب ہے اور ہر حربی سے قتال فرض ہے تو مسلمانوں نے افریقہ حبشہ پر کیوں حملہ نہیں کیا؟ اسلام میں معاہدعفو ودرگزر اور ،مولفۃ القلوب کا وجود کس لئے ہے سلطان صلاح الدین جیسا سپہ سالار بیت المقدس کے دروازے پر پہنچ گیا جہاں عیسائیوں نے مسلمانوں کا اتنا خون بہایا تھا کہ اس کے گھوڑے کی ٹانگیں خون میں ڈوب گئی تھیں اور اس خون میں اس کی بہن کا خون بھی شامل تھا لیکن اس کے باوجود سلطان صلاح الدین کی آنکھوں میں انتقام کا خون نہیں اترا جب عیسائی حکمراں نے معذرت کی اور یقین دلایا کہ وہ قاتلوں کو سزا دے گا تو سلطان واپس چلا گیا سلطان نے بیت المقدس کو حربیوں سے پاک کیوں نہ کیا۔ سلطان نے طاقت وقوت کے باوجود فاطمیوں کی سرکوبی کیوں نہیں کی اور عالم اسلام کی حفاظت کے لئے فاطمیوں کے ساتھ مل کر اسلامی سرحدوں کی حفاظت کیوں کی ۔ وحید الدین خان یہ نہیں بتاتے کہ کیا دارالحرب صرف دارالاسلام کی موجودگی میں ہوتا ہے یا اگر اسلام کو کوئی دیار میسر نہ ہو تب بھی دنیا دارالحرب ہوسکتی ہے جب رسول اللہ شعب ابی طالب میں تھے تو کیا دنیا دارالحرب نہیں تھی اگر دارالحرب دارالاسلام کی اطاعت قبول کرے تو کیا اس کے خلاف جہاد پھر بھی فرض ہوتا ہے؟ فقہ کی اصطلاح دارالاسلام کا حامل ملک اس وقت روئے زمین پر موجود نہیں کیونکہ دارالاسلام ایک قومی وطنی جغرافیائی فقہی ریاست نہیں ہوتا وہ مسلمانوں کی عالمی ریاست ہوتا ہے اور دنیا میں اس وقت ایسی کوئی ریاست موجود نہیں حتی کہ ایران جیسی انقلابی ریاست بھی دارالاسلام نہیں کیونکہ یہ عالمگیر آفاقی ریاست نہیں قومی ریاست ہے جس کا سربراہ دنیا کا کوئی بھی اہل ترین شیعہ عالم نہیں ہوسکتا اس کی سربراہی کے لئے کسی عام فرد عالم یا مجتہد شیعہ کا ایرانی قومیت کا حامل ہونا لازمی ہے۔ ایرانی انقلاب بھی ایک قومی وطنی انقلاب بن گیا کہ وہاں کی سپریم کونسل کا سربراہ صرف ایرانی آیت اللہ یا مجتہد ہوسکتا ہے غیر ایرانی نہیں جب بھی قومی ریاست وجود میں آتی ہے تو قومیت مقدم ہو جاتی ہے اور دین موخر ہو جاتا ہے دنیا کی تمام قومی اسلامی ریاستوں کو برطانوی، فرانسیسی، استعمار نے آزادی اس لئے دی کہ وہ دارالاسلام کے دعوے سے دستبردار ہو جائیں یہ آزادی کی قیمت تھی لہٰذا وحید الدین خان کے مباحث عالمی سیاسی صورت حال اور قومی سرحدوں کے معاملات سے ان کی عدم واقفیت کے شاخسانے ہیں۔ ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے پر دارالاسلام کے ختم ہو جانے کا مطلب یہی ہے کہ دارالحرب کی سرحدیں وسیع سے وسیع تر ہو رہی ہیں لیکن دنیا میں کہیں دارالاسلام وجود میں نہیں آ رہا۔ وحید الدین خان کی سرقہ شدہ اصطلاح دارالدعوۃ محض فریب نظر ہے اس میں کیا شبہ اور ابہام ہے کہ دارالحرب بھی دارالدعوۃ ہر حال میں رہتا ہے کیونکہ مسلمان کا بنیادی کام ہر انسان تک دعوت دین پہنچانا ہے کیا مکہ دارالدعوۃ نہیں تھا دارالحرب کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب دارالحرب میں مقیم لوگوں تک دعوت دین کا ابلاغ ممنوع ہو گیا ہے دارالحرب کے باشندوں کو ہر حال میں ہدایت کا پیغام پہنچانا مسلمان ریاست اور ہر مسلمان سپاہی و سپہ سالار کی ذمہ داری ہے اور ریاست اس ذمہ داری سے کبھی بری الذمہ نہیں ہوسکتی دعوت اور جہاد ساتھ ساتھ چلتے ہیں جہاد کا اصل مقصد لوگوں کی گردنیں کاٹنا، زمین پر تسلط قائم کرنا، سروں کی فصل اتارنا اور طاقت کے مظاہرے کرنا نہیں جہاد اپنی نہاد میں ایک خالص روحانی عبادت ہے جس کا وضو بھی لہو کے چھینٹوں سے ہوتا ہے وہ عبادت جو لہو سے عبارت ہے وہ روحانیت کی معراج ہے لہٰذا دنیا میں مسلمانوں نے جہاں بھی فی الواقع جہاد کیا وہاں کثرت سے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جہاد کا مقصد دنیا کے تمام لوگوں کو اللہ کی وسیع وعریض جنت کی طرف دعوت دینا اور جنتی ہونے کا اہل بننے کے لئے مواقع مہیا کرنا اور اس راہ میں حائل تمام موانع کو دور کرنا ہے اس کے سوا جہاد کا کوئی دوسرا مقصد نہیں لہٰذا جہاد کا کام دعوت کو وسعت دینا اور دعوت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے طالب ہدایت کو ہدایت مہیا کرنا اور جو ہدایت کی طلب سے غافل ہوں ان میں ہدایت کی رغبت پیدا کرنا ہے میدان جہاد میں مسلمان کا کردار اس کی تلوار سے زیادہ دعوت کا کام کرتا ہے اس لئے اگر جہاد کے میدان میں کوئی سلام کرے تو تلوار روک لی جاتی ہے کوئی دعوت دین سمجھنے کی خواہش ظاہر کرے تو اسے امان دے کر دعوت دین دی جاتی ہے اور اسے اس کے مسکن تک بحفاظت پہنچایا جاتا ہے اگر کوئی کافر کلمہ پڑھ لے تو اسے اس

مفروضے کی بنیاد پر قتل نہیں کیا جا سکتا کہ شاید جان کے خوف نے اسے قبول اسلام پر راضی کیا ہو۔ اگر جنگ کے دوران کوئی عورت بھی کسی کافر کو امان دے دے تو یہ امان قبول کی جاتی ہے اگر دوران جنگ مسلمان فوج ذمیوں کی حفاظت نہیں کر سکتی تو جزیہ واپس کر دیا جاتا ہے۔ مسلمان کا کام دنیا پر قبضے وسائل کو تحویل میں لینا اور اپنی عظمت وشوکت کا ڈنکا بجانا نہیں بلکہ مسلمان ریاست کی اصل ذمہ داری لوگوں کو اپنے رب کی وسیع وعریض جنت میں داخل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہے اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں جب کہا گیا کہ لوگ کثرت سے دین قبول کر رہے ہیں جزیہ کے محاصل ختم ہو جائیں گے تو آپ نے فرمایا کہ ہمارا دین[محاصل ٹیکس] وصول کرنے نہیں آیا لوگوں کو دین میں داخل کرنے کے لئے آیا ہے۔ لہٰذا دعوت کو جہاد سے الگ کرنا اسے خاص دارالامن سے مربوط کرنا اور اسے دارالحرب سے منقطع کرنا وحیدالدین خان کی مغربیت سے مرعوبیت کے مظاہر ہیں۔ مسلمانوں کا اصل زوال یہ ہے کہ بنوامیہ کے بعد خلافت اسلامیہ کی ارضی توسیع تو ہوتی رہی رقبہ بڑھتا رہا تسخیر ارض کا کام نہایت تندہی سے انجام دیا گیا لاکھوں مربع میل زمین زیر نگیں ہوئی لیکن تسخیر قلوب انسانی کا کام ختم ہو گیا لوگ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے زمین کا دائرہ بڑے سے بڑے ہوا لیکن قبول اسلام کا دائرہ کم سے کم ہوتا چلا گیا بلکہ ختم ہو کر رہ گیا ہندوستان واندلس میں اسلامی سلطنت رہی لیکن مقامی آبادی مسلمان نہ ہو سکی لہٰذا اندلس میں مسلمان مٹ گئے اور ہندوستان میں مسلمان اپنے تحفظ اور طاقت کے لئے ہمیشہ بیرونی دنیا سے مدد طلب کرتے رہے اور بیرونی فاتحین کے منتظر رہے اشتیاق حسین قریشی کے الفاظ میں گویا ایک بدو خیمے میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کی نظریں عرب پر ہیں وحیدالدین خان کے اس غلط سلط استدلال کا بھی جائزہ کہ مسلمانوں کی فقہ حاکمانہ رہی کیوں کہ یہ اس وقت تیار ہوئی جب مسلمان دنیا پر حاکم تھے اس میں غلبہ تسلط اور حاکمیت کی باتیں ہیں جواب نہیں چل سکتیں کیونکہ اس فقہ میں عالم مغلوبیت سے متعلق احکامات نہیں ہیں اس لئے مسلمان اندھیرے میں ہیں ان کی فقہ انہیں غلامی کے دور میں روشنی دینے سے قاصر ہے یہ فقہ نہیں بتاتی کہ غلامی میں مسلمان کیا کریں یہ صرف غلبے کی بات کرتی ہے مغلوبیت کی نہیں وحیدالدین خان نے تکلف سے کام لیا وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو استخلاف فی الارض کے سلسلے میں بہت ہدایات دی گئی ہیں۔ کہ غلبہ اور تمکن کی صورت میں وہ کس طرح برتاؤ کریں کس خیر کو قائم کریں کس چیز کو تباہ کریں اس سلسلے میں تمام ہدایات تفصیل سے دی گئی ہیں لیکن قرآن کی کسی آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر مسلمان محکوم مغلوب اور غلام ہو جائیں تو انھیں کیا کرنا چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حاکمانہ دور میں نازل ہوا مسلمان دنیا کے حاکم بن رہے تھے بننے والے تھے اللہ کا وعدہ تھا اس لئے اس میں صرف حاکمیت کی باتیں بتائی گئیں اللہ تعالیٰ سے نعوذ باللہ بھول ہوگئی کہ اس قرآن میں مغلوبیت کے دور کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دیا گیا قرآن نے اور اس کے خالق اللہ نے خواہ مخواہ یہ فرض کر لیا کہ مسلمانوں پر کبھی دور زوال نہ آئے گا وہ الحاد کا شکار نہ ہوں گے لہٰذا قرآن حاکمانہ عہد، حاکمانہ دور اور خلافت اسلامی کے زمانے کے لئے تو کارآمد ہے لیکن آج کل کے دور کے لئے بے کار ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عروج وزوال کا قانون صرف مسلمانوں کو بتایا ہے یہ نہیں بتایا کہ غیر مسلم کو عروج کیسے ملے گا اور غیر مسلموں پر زوال کیسے آئے گا گویا قرآن نے فرض کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو کبھی زوال نہ ہوگا[نعوذ باللہ]۔ حاکمانہ فقہ کے اعتراض کے ساتھ وحیدالدین خان مسلمانوں کی عسکری جدوجہد جہادی تحریکوں کے وجوب کی وجوہات واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حاکمانہ فقہ اور حاکمانہ قرآن کے باعث مسلمان ہمیشہ حالت حرب میں رہتے ہیں اور دشمن پر غالب ہونے کی دھن اس پر تسلط کا چسکہ ان پر غالب رہتا ہے۔ وحیدالدین کو اسی فقہ اور اسی قرآن میں یہ نظر نہیں آتا کہ دفاعی جہاد اور اقدامی جہاد کے لئے قرآن نے کیا شرائط پیش کی ہیں وجوب جہاد کے لئے فقہاء نے کیا کیا احکامات مرتب کیے ہیں لہٰذا جہاد کی شرائط وجوب خود اس جدوجہد کی حدود اس کا زمان ومکاں اس کا موقع ومحل اس کے امکان وقوع و وجوب کی حدود متعین کرنے کے لئے کافی ہیں لہٰذا فقہ اسلامی کو حاکمانہ فقہ کہنا غلط ہے یہ حقیقت پسندانہ فقہ ہے جو ان لوگوں کے لئے مرتب کی گئی ہے جو دنیا میں لوگوں کے دلوں پر حاکمیت کے لئے بھیجے گئے ہیں جو دلوں کو تسخیر کرنے کے کام پر مامور کئے گئے ہیں کہ جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ ایک مسلمان غلام نہیں رہ سکتا غلامی ذلت کی آخری شکل ہے مسلمان اپنے آپ کو

F:\Shah\March April 2008\Points

غلام پائے تو وہ اس غلامی سے نکلنے کے لئے اپنے آپ کو اپنے رب کی غلامی میں دے دے جب تک وہ اللہ کی غلامی اختیار نہ کرے گا بندوں کی غلامی کی ذلت میں مبتلا رہے گا۔ مسلمان کا زوال اس کی تباہی و بربادی کا سبب اس کی فقہ، سنت قرآن تاریخ، سائنس ٹکنالوجی کا عدم حصول نہیں اس کی بدعملی ہے یہ بدعملی غلامی کی بدترین شکل ہے جس طرح کفار ومشرکین اگر معاہد و ذمی بننے کے بجائے محارب بنیں گے اللہ کی غلامی اختیار کرنے کے بجائے اللہ کے غلاموں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کریں گے تو سزا کے طور پر اللہ کے غلاموں کی غلامی میں دے دیے جائیں اسی طرح جو مسلمان اللہ کا غلام بننے سے انکار کردے اسے لازماً کفار کا غلام بننا پڑے گا خواہ اس کے پاس سائنس وٹیکنالوجی بھی آجائے جیسے ملیشیا اور ترکی اور مصر۔ وحیدالدین خان کے احمقانہ متکلمانہ دلائل کا جائزہ[۸۸] اس نقطہ نظر کا ناقدانہ جائزہ کہ علامہ اقبالؒ نے خطبات کے ذریعے اسلام کو پروٹسٹنٹ ازم [Protestanization] میں تبدیل کرنے کی نہایت گہری شعوری کوشش کی تا کہ اسلام کو عیسائیت کی طرح ایک ذاتی [personal]، نجی [private] مذہب بنا دیا جائے۔ اور پروٹسٹنٹ ازم کی طرح اسلام میں ہر شخص کو مذہبی تعبیر اور اجتہاد کا حق دے دیا جائے اس مقصد کے لئے اقبال نے نہایت باریک بینی سے اسلام کو سنت اور اجماع کے حصار سے نکال کر آزاد کرنے کی کوشش کی خطبات کے پہلے خطبے میں اسلامی مابعدالطبعیات اور علمیت کو یکسر بدل دیا گیا دین کو اخذ کرنے کے لئے متفقہ مشترکہ مسلمہ چار ماخذات کے بجائے وجدان کو کلیدی اہمیت دے کر دین کو نقل اور تقلید سے معریٰ کیا گیا دین کا ماخذ نفس انسانی، وجدان، احساس، تصور اور وقوف سری کو قرار دے کر دین کو پروٹسٹنٹ ازم کی طرح خالص نجی معاملہ بنا ڈالا علامہ اقبال نے اپنی دانست میں اسلام کو بحیثیت نجی مذہب [private religion] کے بچا لیا مگر فکری طور پر اسے بطور عالمگیر مذہب [Universal Religion] کے تباہ کر دیا کیا یہ تنقیدی نقطۂ نظر درست ہے اس نقطہ نظر کا جائزہ۔[۸۹] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ علامہ اقبالؒ نے امام غزالیؒ کے فلسفے کا براہِ راست مطالعہ نہیں کیا تھا ان کا مطالعہ تیسرے درجے کے انگریزی ماخذات اور دوسرے درجے کے مستشرقین کی کتابوں سے اخذ کردہ تھا لہٰذا غلط در غلط مغالطّوں پر مشتمل تھا اقبال نے غزالیؒ کے ماخذ علم کو تشکیک میں تلاش کیا اور شک کو علم کی بنیاد قرار دے دیا اقبال کی ڈیکارٹ کی تشکیک سے واقفیت بھی برائے نام تھی اگر وہ اس سے واقف ہوتے تو غزالیؒ کو کبھی ڈیکارٹ کا پیش رو قرار نہیں دیتے امام غزالیؒ پر یہ بہت بڑی تہمت ہے کہ ان کا علم تشکیک کا حاصل تھا ڈیکارٹ کے یہاں علم کی بنیاد نقل نہیں عقل ہے جبکہ غزالی کے یہاں قرآن سنت اجماع قیاس بنیادو ماخذات علم ہیں ڈیکارٹ نفس عقل اور ذہن انسانی کے سوا ہر چیز کو شک کے قابل سمجھتا ہے وہ نفس انسانی سے حاصل کردہ علم کو Self evedent قرار دیتا ہے جو آپ اپنا ثبوت بھی ہے اور یقین بھی اور یہی علم حقیقی علم True Knowledge ہے۔ ڈیکارٹ کو اثبات ذات ونفس کے ذریعے حق علم خیر خدا اور اخلاقیات ملے امام غزالیؒ کو نفی ذات کے نتیجے میں یہ سب حقائق اور جملہ علوم حاصل ہوئے ڈیکارٹ صرف وجود ذات پر عین الیقین اور حق الیقین رکھتا تھا کہ اس میں شک کا شائبہ ہی نہیں اس کے سوا وہ ہر شے میں شک کرتا ہے I think therefore I am لہٰذا یہ کہنا کہ ڈیکارٹ کے فکر کے پیش رو امام غزالیؒ تھے۔ دونوں کے فلسفے سے کامل ناواقفیت کا شاخسانہ ہے اقبال نے دونوں فلسفیوں کے افکار، ماخذات کا براہِ راست مطالعہ کرنے کے بجائے ترجمہ شدہ معلومات سے دونوں فلاسفہ کے اصول ومبادی پڑھ کر اپنے خیالات گھڑ لئے مغرب سے متاثر ہو کر مغرب کو حق و خیر سمجھ کر مغرب کے فلاسفہ حکماء کے کفر کو اسلامی تاریخ تہذیب علمیت فلسفہ افکار شخصیات میں تلاش کرنا انیسویں صدی کے جدیدیت پسند مگر مخلص مسلم مفکرین اور علماء کا دل پسند مشغلہ تھا شبلی اور اقبال اسی مرض میں مبتلا تھے مغرب کے کفر کو اسلامی حکماء کے یہاں ڈھونڈ کر نکالنا اور اس کفر کا اسلامی حیلہ بیان کرنا دور زوال میں مسلمانوں کا دل پسند مشغلہ تھا کوئی ملک اس مشغلے سے محروم نہ تھا کیا یہ نقطہ نظر درست ہے ایک اہم تجزیہ۔[۹۰] امریکہ نے لاطینی امریکہ میں گزشتہ کئی برسوں سے مظالم کی انتہا کیوں کی ہوئی ہے؟ پنامہ، ارجنٹینا، کولمبیا، کوسٹاریکا، کیوبا، وینزویلا میں امریکہ جمہوریت کی مخالفت کیوں کر رہا ہے اور وہاں آمریت کیوں مسلط کر دیتا ہے امریکہ کسی ایسی جمہوریت کو پسند نہیں کرتا جو لبرل ازم کے لئے رکاوٹ بنے اسی لئے وہ اسلامی، سوشلسٹ، ایرانی وینزویلا کی جمہوریتوں کو جمہوریت نہیں مانتا انھیں غیر لبرل ڈیموکریسی قرار دیتا ہے جو مغرب کے تصور

خیر کامل آزادی کی راہ میں چند رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں ان کو کچلنا ضروری ہے صدر بش کے خصوصی معاون ومشیر علمی نیوز ویک کے مدیر فرید زکریا نے اپنی کتاب The future of democracy میں غیر لبرل ڈیموکریسی پر ایک باب لکھ کر اعداد وشمار کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ وہ جمہوریت جو لبرل ازم کو فروغ دینے کے بجائے کسی خاص مقتدرہ [اتھارٹی] کے قیام کا سبب بنتی ہے وہ جمہوریت نہیں جمہوریت کا مطلب نفس کی اطاعت واتباع کے سوا ہر قسم کی اطاعت اتباع سے گریز ہے دوسرے معنوں میں ہر قسم کی اتھارٹی کا خاتمہ جدیدیت نے دنیا میں موجود تمام اتھارٹی کو ختم کر کے ایک بحران پیدا کر دیا ہے وینز ویلا کے صدر کو بیانوے فی صد عوام کی حمایت حاصل ہے لہٰذا امریکہ کو یہ خطرہ ہے کہ وہاں سوشلسٹ انقلاب آجائے گا لہٰذا اقدامی حکمت عملی کے تحت وہاں مقبول حکمرانوں کا تختہ الٹ کر جبراً آمریت مسلط کی جاتی ہے جو امریکہ کے لئے فائدہ مند ہے۔ وینز ویلا میں شاویز و نے مارکس ازم کے مرے ہوئے فلسفے کو زندہ کر کے ایک سوشلسٹ جمہوریہ قائم کر دی تو اسلام کے فلسفہ حیات سے ایک انقلابی ریاست کیوں قائم نہیں ہوسکتی۔ ہنگری، پولینڈ، چیکوسلواکیہ میں بائیں بازو والے کیوں کم زور ہوگئے؟ بائیں بازو کی سیاست اور امریکہ کی سیاست میں کیا فرق ہے؟ کیا نظریاتی طور پر بائیں بازو والے اور امریکی ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں یا دونوں میں جوہری طور پر بنیادی فرق ہے؟ ایک اہم جائزہ۔ [۹۱] فرانسیسی و برطانوی استعمار نے برعظیم پاک و ہند اور دیگر مما لک کو پچاس برس پہلے آزادی عطا کر دی لیکن الجیریا، سوڈان اور بہت سے مما لک کو آزادی کے حصول کے لئے طویل جنگیں لڑنا پڑیں بہت سے مما لک میں جمہوری جدوجہد سے ہی آزادی کی دلہن مل گئی کہ وہاں استعمار کو اپنے فکری غلام رہنما مل گئے جو عوام کے ہیرو بھی تھے لہٰذا استعماری تسلسل میں کسی رکاوٹ کو نہ پا کر ان ملکوں کو فوری آزادی دے دی گئی تا کہ انگریزوں کے غلام اس غلام قوم کے ہیرو آزادی حاصل کرنے والوں پر مسلط ہو جائیں بھارت میں نہرو جیسا کالا انگریز موجود تھا جس نے اپنے بارے میں خود کہا تھا کہ "The last English man to rule India" کالے انگریزوں اور کالے فرانسیسیوں کی موجودگی میں استعمار کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنا جسمانی وجود ان خطوں میں برقرار رکھے لہٰذا استعمار نے اپنے روحانی جانشینوں کو اقتدار محفوظ طریقے سے سپرد کر کے جدیدیت اور مغربیت کو محفوظ مقامی ہاتھوں سے نو آبادیات پر ہمیشہ کے لئے مسلط کر دیا اسی حکمت عملی کے تحت کچھ مما لک کو آزادی کے لئے منتخب کیا گیا اور کچھ مما لک کو آزادی کے قابل نہ سمجھا گیا ایک اہم جائزہ۔ [۲۹] اردو، عربی، فارسی میں ''کشکول''، ''امالی''، ''محاضرات'' اور ''علم المناظرہ'' کی تاریخ کا پہلا محققانہ جائزہ۔ اور اس ضمن میں جامع کتابیات کی تیاری مناظرہ کی روایت عالم اسلام میں کہاں کہاں رہی اور عہد بہ عہد اس میں کس قسم کا ارتقاء، تغیر اور تبدل ہوا؟ اسلامی فرقوں اور تمام اسلامی گمراہ فرقوں کے غیر مسلموں سے اور خود اسلامی فرقوں و مکاتب فکر سے مناظروں کی تاریخ کا پہلا مفصل تذکرہ۔ برعظیم پاک و ہند میں فرق اسلامی کے مناظروں اور ہندو عیسائیوں آریہ سماجیوں سے مسلمہ مکاتب فکر سمیت پرویزیوں، قادیانیوں، چکڑالوی، معتزلی اور اہل قرآن کے مناظروں کا جائزہ، منکرین حدیث اور اہلِ قرآن کے مختلف فرقوں کے مابین اختلافات اور ان کے درمیان ہونے والے مناظروں کا پہلا مفصل جائزہ۔ [۹۳] دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر کے ذیلی یا اندرونی مکاتب فکر اور ان سے وابستہ علماء کے مابین مختلف اختلافات پر ہونے والے مناظرے یا سنجیدہ مکالموں کا پہلا مفصل جائزہ مثلاً مسئلہ حیات النبی کے سلسلے میں دیوبند کے دو گروہوں کے مناظرے، مولانا طاہر پنج پیری اور شیخ القرآن مولانا غلام کے توحیدی افکار سے مسلمہ دیوبندی علماء کے اختلافات، بریلوی عالم علامہ غلام سعیدی اور مفتی رفیق حسینی، مولانا شرف قادری وغیرہ کی مراسلت وگفتگو اور غلام سعیدی کا رجوع مولانا طاہر القادری، اور ڈاکٹر پروفیسر مقصود احمد سربراہ روحانی جماعت کے بارے میں بریلوی علماء کا نقطۂ نظر اور اس پر ہونے والے مباحثوں کا ایک اہم جائزہ۔ [۹۴] مولانا قاسمؒ نانوتوی، ڈاکٹر وزیر علیؒ، علامہ خالد محمود، لال محمد اخترؒ، دوست محمد قریشی، پیر مہر علیؒ شاہ گولڑہ شریف، علامہ فیض الحسنؒ احرار والے بریلوی، کے چیدہ چیدہ مناظروں کی روداد اور ایک نئے علم کلام کے طلوع وغروب کے تاریخی آثار کا پہلا مفصل تذکرہ۔ [۹۵] علامہ اقبال نے خطبات میں Mystic experience واردات باطن اور دیگر تجربات اور واردات واحوال

F:\Shah\March April 2008\Points

انبیاء experience of the prophet میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا اور دونوں تجربات کو یکساں نوعیت کا قرار دیا ہے [ص ۱۰۱، انگریزی خطبات، ۱۹۸۹ اقبال اکادمی اردو ترجمہ ص ۱۹۴ ترجمہ نذیر نیازی......۱۹۸۳ بزم اقبال لاہور] اس لحاظ سے اقبال غیر معمولی اور غیر طبعی صوفیانہ واردات کو ویسا ہی فطری اور طبعی سمجھنے پر اصرار کرتے ہوئے اس کے تنقیدی و تحقیقی مطالعے پر زور دیتے ہیں۔ [خطبات انگریزی، ص ۱۰۱ اردو ص ۱۹۶] دوسرے معنوں میں اقبال نبوت کے دعوؤں، بیانات کو بھی تنقید و تحقیق سے ماوراء نہیں سمجھتے یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ اقبال جیسا فلسفی دین اسلام کو صوفیانہ وارادت پر محمول کر کے مقام نبوت کلام نبوت اور پیغام نبوت کو تنقید و اعتراض کی کسوٹی پر جانچنے کی اجازت دے کر کفر کا دروازہ کھولتا ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام کا درجہ گرا کر انہیں صوفی کے درجے تک لے آتا ہے جبکہ صوفی کا الہام نہ خود صوفی کے لیے حجت ہے نہ واجب التعمیل اور نہ ہی دوسروں کے لئے خود صوفی کے لئے یہ الہام صرف اس صورت میں حجت اور واجب التعمیل ہے جب یہ الہام نقل یعنی قرآن وسنت کے منافی نہ ہو صوفی کا تجربہ، کشف واردات ایک ذاتی تجربہ، اور موضوعی معاملہ [subjective matter] ہے جبکہ وحی کلام نبوی ہے اور معروضی [objective] ہے موضوعیت کو معروضیت کے برابر لانے کا مطلب یہ ہے کہ موضوع ہی معروض ہے اور معروض ہی موضوع دوسرے معنوں میں فی الاصل حقیقت کچھ نہیں ہے۔ اقبال نے شریعت محمدیہ اور وحی کو انسانی تجربات کی طرح کا ایک تجربہ بیان کر کے اس کے ردو قبول کا اختیار عقل استقرائی کو سونپ دیا لہذا وحی ماوراء الطبعی جہت سے کٹ کر عقل کے رحم و کرم پر رہ گئی۔ اقبال عقل تجربے عالم فطرت اور عالم تاریخ کو انسان کا سر چشمہ علوم قرار دیتے ہیں اور ان علوم کو ختم نبوت کی طرح تصور خاتمیت کے مختلف پہلو قرار دیتے ہیں All are different aspects of the same idea of finality [ص ۱۰۱ انگریزی ص ۱۹۴ اردو] علامہ اقبال اور جدیدیت پسند مفکرین قرآن میں تجربے مشاہدے اور عقل جزئی یا خرد انسانی کے بار بار تذکرے کو قرآنی آیات کے سیاق وسباق سے کاٹ کر اس کی کلیت سے جدا کر کے مجرد انداز میں لے کر ان ذرائع کو آلات یا ذریعے یا وسائل علم کے بجائے ماخذات علم کے طور پر لیتے ہیں یہ یونانی طرز فکر ہے جو اپنی نئی شکل میں جدیدیت سے لے کر مابعد جدیدیت تک عقلیت کی برتری اور عظمت کے دعوؤں کے ساتھ ظہور کرتا ہے ان جدیدیت پسندوں کا خیال ہے کہ خیر وشر، حق باطل، گناہ ثواب، حقیقت مطلقہ، وحی الٰہی کے اہداف و مقاصد تک رسائی کے لئے محض وحی الٰہی اور سنت محبوب الٰہی واحد ذرائع نہیں ہیں بلکہ انسان اپنے تجربے فطرت تاریخ مشاہدات اور عقل استدلالی کی ترقی اور عقل استقرائی کے ذریعے اس قابل ہو گیا ہے کہ وحی کی مدد کے بغیر بھی حقیقت مطلقہ کی ماہیت کو سمجھ سکتا ہے۔ تجربہ اور عقل استدلالی وہ جائز راستے ہیں جو معرفت رب کی جانب انسانی سفر کو محفوظ طریقے سے ممکن بناتے ہیں اور انسان صرف شریعت، طریقت، نبوت، وحی کا محتاج نہیں رہتا اپنے نفس کے کمالات کے ذریعے وہ مقامات نبوت طے کر سکتا ہے روشنی کا ذریعہ خارج میں نہیں وہ صرف آسمانوں سے القاء نہیں ہوتی وہ نفس انسانی سے بھی اسی طرح پھوٹ سکتی ہے جس طرح قلب پیغمبر سے اس کے فوارے نکلتے ہیں ''زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حصول علم کے مشروع فکر کے حصول کے محدود ذرائع ہیں'' اتنے زبردست دعوؤں کے بعد آخر میں ان ذرائع کو محدود کہہ کر اپنے طغیان کا ازالہ کیا گیا ہے اس تمام مباحثے، مناقشے کا منطقی نتیجہ، شیخ عبدہٗ، سرسید، چراغ علی اور غامدی سمیت تمام جدیدیت پسند یہ نکالتے ہیں کہ عالم طبعی یا مظاہر طبعی اور تاریخ پر توجہ دلانے سے قرآن کا مقصود انسان کے شعور مذہبی کو بیدار و چوکس کرنا اور یہ بتانا ہے کہ قرآن سائنسی اور روحانی دونوں علوم کا ماخذ ہے۔ اسی طرح عالم طبیعی یا قرآن کے الفاظ میں عالم تکوینی ہر دو علوم کا ماخذ قرآن ہے پرانے ادیان میں بھی ان دونوں ماخذات کو یہی حیثیت دی گئی تھی لیکن اس استدلال کی سانس اس وقت اکھڑنے لگتی ہے جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ پھر لاکھوں انبیاء میں سے ایک بھی سائنس داں، موجد، اور عالم طبعیات کا ماہر نہیں ہوا کسی نے کوئی سائنسی کتاب نہیں لکھی البتہ انبیاء نے انسان تیار کئے معاشرے بدل دیے اور تہذیبوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا سائنس پر انحصار کرنے والی تمام تہذیبیں سائنس کے دور عروج میں دور زوال کا شکار ہو گئیں یونان، چین اندلس، مصر، ہندوستان، موئنجو دڑو اس کی مثالیں ہیں کیا وجہ ہے کہ سائنس ان تہذیبوں کو نہیں بچا سکی خود اندلس جسے مشرق اور اسلام میں جدید سائنس کا نخلستان سمجھا جاتا ہے ایسا تباہ

ہوا کہ ایک مسلمان بھی باقی نہ بچا سائنس اس اندلس کا تحفظ نہ کرسکی دنیا کی تمام تہذیبیں جدید اصطلاح میں اپنے دور عروج یعنی سائنسی عروج میں ہی تباہی کا شکار ہوگئیں اس نقطہ نظر کا مفصل محاکمہ۔[۹۶] مولانا محمد علیؒ مونگیری ردنصاریٰ میں ''تحفہ محمدیہ'' نامی رسالہ نکالتے تھے۔اس رسالے نے جدید علم کلام کے فروغ وارتقاء کے سلسلے میں کیا کردار ادا کیا۔اس رسالے کا مکمل اشاریہ اور خدمات کا پہلا جائزہ۔[۹۷] مولانا عبداللہ ناظم دینیات محمڈن کالج علی گڑھ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے داماد تھے۔مولانا عبداللہ کی خدمات دینی وعلمی کا پہلا جائزہ۔مولانا نے دیوبند اور علی گڑھ کے مابین رابطے کے لیے کیا خدمات انجام دیں اور آخرش کس نتیجے پر پہنچے؟ [۱۰۹] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ ''۱۸۹۳ء کے آخر میں ندوۃ العلماء کی آواز اٹھی اور اس زور سے اٹھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان میں اسلام کی حکومت قائم ہوجائے گی مولانا شبلی اس صدا پر لبیک کہنے والوں میں سب سے آگے تھے'' کیا سلیمان ندویؒ کا یہ بیان خطابت کا شاہکار تو نہیں؟ کیا ہندوستان کے مولویوں نے مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد کبھی بھولے سے بھی ریاست وسیاست کا خواب دیکھا ہے؟ علماء کرام کے یہاں سے سیاست حکومت ریاست نظام حکومت اختیار واقتدار کے مباحث ہی رخصت ہوگئے وہ اسے شجر ممنوعہ سمجھ کر ان مباحث میں دخل اندازی ہی نہیں کرتے جن علماء کو سیاسی مباحث کا ریاست کا حکومت کا ذوق تھا وہ مغربی سیاست کی نذر ہوگئے جیسے ابو الکلام آزادؒ ابوالاعلی مودودیؒ۔کیا وجہ ہے کہ ہمارے علماء کرام دوسو سال سے ریاست وسیاست کے مباحث پر چپ ہیں ان میں کوئی الماوردیؒ، غزالیؒ، ابن تیمیہؒ ابن خلدونؒ پیدا نہیں ہورہا جو تہذیب تمدن تاریخ سیاست ریاست کو موضوع علم بنائے؟ افسوس یہ ہے کہ نہ صرف اس پائے کے لوگ پیدا نہیں ہورہے بلکہ ان متقدمین کے علمی کام کو پڑھنے سمجھنے اور اس کی روشنی میں امت کو زندگی عطا کرنے والے لوگ اور علماء بھی تیزی سے ناپید ہوتے جارہے ہیں؟ اس نقطۂ نظر کا محاکمہ اور علماء کرام پر الزام تراشی کا پہلا موثر دفاع۔[۱۱۰] ۱۹۱۲ میں جنوبی ایشیاء کے موجودہ ہندوستانی خطے میں ہندو ۹ کروڑ مسلمان ۵ کروڑ اور پارسی ایک لاکھ تھے لیکن تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق ہندو ایک ارب مسلمان صرف چالیس کروڑ اور پارسی صرف چند ہزار رہ گئے ہیں۔کیا ہندوؤں کی شرح آبادی میں غیر معمولی اضافہ دکھایا گیا ہے اور مسلمانوں کی آبادی میں بہت معمولی اضافہ دکھایا گیا ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے؟ کیا واقعتاً مسلمانوں کی شرح افزائش و پیدائش ہندوؤں کے مقابلے میں کم ہے؟ کیا یہ اعداد وشمار درست ہیں؟ مسلم ہندو آبادی کے تناسب کا پہلا بصیرت افروز تحقیقی جائزہ۔ بھارتی اداروں کے فراہم کردہ اعداد شمار کی روشنی میں۔ ہندوستان کی مردم شماری کے سلسلے میں دھوکہ دہی کے افسانے بے نقاب۔ [۹۸] ہندو قوم پرستی اور سماجی نسل پرستی کے فروغ اور ارتقاء کی خاطر دونوں قوموں کے نوجوانوں نے انیسوی صدی میں ایثار وقربانی کی لازوال روایات قائم کیں اعلیٰ خاندانوں کے ہندو اور آریا سماجیوں کے بچوں نے اپنے دھرم اور مت کے تحفظ کی جدوجہد کے راستے میں، سعی وکوشش، حوصلہ مندی قوت عمل، سرگرمی، جوش اور ایثار نفس کی خاطر گروکل کی سخت ترین زندگی کو اختیار کیا جہاں ۱۹۱۲ میں ایثار کے جذبے سے سرشار تین سو بچے تعلیم پارہے تھے ان بچوں نے اپنی زندگی قوم کے ہاتھ فروخت کردی اور باوجود دولت مندی کے یہ بچے زمین پر سوتے اور کمل اوڑھتے تھے۔پونا میں سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی قائم تھی جہاں ۱۹۱۰ء میں ۲۹ لوگ بی اے سیاسیات کی تعلیم پارہے تھے جو پانچ برس کی تعلیم کے بعد تمام ہندوستان کی خدمت کا عزم کرچکے تھے اور ان کی کل زندگی کی قیمت صرف ۳۰ روپیہ ماہوار طے کی گئی تھی۔ہندو قوم پرستی کی خاطر فرگوسن کالج کے ۱۹ پروفیسروں نے جن میں سے کوئی بی اے سے کم تعلیم یافتہ نہیں تھا، صرف ۷۵ روپیہ ماہوار پر اپنی تمام عمر فروخت کردی تھی اس زمانے کے اخباروں میں یہ خبریں شائع ہوئی تھیں کہ آریہ کالج اور ہندو کالج میں متعدد ہندو پروفیسر ہیں جو بغیر کسی معاوضہ کے کام کرتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی قومی درسگاہوں نے آج تک ایثار نفس کی ایک مثال بھی نہیں پیدا کی خصوصاً علی گڑھ، جامعہ عثمانیہ، دارالعلوم دکن، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج وغیرہ سے اس نوعیت کے لوگ نہیں نکل سکے شبلی نے اس موقع پر لکھا تھا کہ ہمارا قومی تربیت یافتہ گریجویٹ قومی کام میں نرخ بازار سے ایک حبہ اپنی قیمت نہیں کم کرتا، کیوں، صرف اس لئے کہ ہمارا پولیٹیکل احساس بالکل مرگیا ہے۔کیا امتیں سیاسی احساس کے ذریعے غیرت اور حمیت ملی حاصل کرتی ہیں کیا دینی احساس سیاسی

حسیت سے کم تر شے ہے۔ ہندو قوم پرستی کی تاریخ ایثار کا جائزہ۔[۹۹] ''دنیا میں صرف آئیڈیل [مطمع نظر] ایک چیز ہے جو انسان کے جذبات واحساسات کو برانگیختہ کرسکتی ہے ہمارا آئیڈیل کیا ہے؟ ہم نے کس چیز کو تاکا ہے؟ ہمارا کیا منتہائے خیال ہے؟ بی اے اور نوکریاں کیا اس آئیڈیل سے قوم میں کسی قسم کے پرزور جذبات پیدا ہوسکتے ہیں؟ کیا اتنی سی بات کے لیے زحمتیں برداشت کی جاسکتی ہیں؟ کیا یہ مقصد کوئی بڑا ولولہ دل میں پیدا کرسکتا ہے؟ کیا اس ذوق میں فرشِ خاک پھولوں کی سیج بن سکتا ہے۔ اس پست مقصد سے سخت نقصان یہ ہوا کہ تمام قوم کی قوم میں پست حوصلگی جبن اور بزدلی چھا گئی، ہمارے پولیٹیکل لغت نے جائز آزادی کا نام بغاوت رکھ دیا ہے، ایک پارسی یا ہندو کانگریس میں جاتا ہے انتظام حکومت پر نکتہ چینیاں کرتا ہے، اور پھر پارلیمنٹ اور وایسرائے کی کونسل کا ممبر باقی رہتا ہے، لیکن مسلمان ایجوکیشنل کانفرنس میں آتے گھبراتے ہیں اور سرسید سے فتویٰ پوچھتے ہیں، یہاں تک کہ مرحوم کو علی گڑھ گزٹ میں مراسلہ چھاپنا پڑتا ہے کہ ''تعلیمی کانفرنس میں شریک ہونا ممنوع نہیں''۔ ہم کو معلوم ہے کہ بہت سے معزز لوگوں نے مسلم لیگ کی ممبری کے لیے یہ شرط پیش کی کہ صاحب کلکٹر بہادر سے اجازت دلوائی جائے جب ہم اس اختلاف حالت کا سبب پوچھتے ہیں تو ہمارے لیڈر یہ نازک فرق ہم کو سمجھاتے ہیں کہ ہندو مچھر ہیں اس لئے گورنمنٹ کو ان کی بھبھناہٹ کی پرواہ نہیں لیکن مسلمان شیر نیستاں ہیں ان کے ہمہمہ سے جنگل دہل جاتا ہے''۔ مسلمانوں کی حالت ۱۹۰۹ء میں کیا تھی شبلی کی اس تحریر سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے مسلمانوں کی اس اس پست ہمتی کا سبب کیا تھا؟ ان کا نظریہ ان کی تاریخ یا ان کے وہ رہنما جو سرسید کی شکل یں مسلمانوں کو غلامی پر آمادہ کررہے تھے اور مجاہدین واکابرین امت کو گالیاں دے رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی جامعہ ملیہ دہلی، جامعہ عثمانیہ اور دیگر انگریزی مدارس سے فارغ ہونے والے مسلمان ہندوؤں جیسی جرات اور ایثار کیوں نہ کرسکے؟ علی گڑھ یونیورسٹی جس کے لیے مسلمانوں نے لاکھوں روپے چندہ دیا اور شبلی نعمانی نے ندوۃ العلماء کی طرف سے کئی ہزار روپے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے خواب کو پورا کرنے کے لئے ندوہ کی غربت کے باوجود چندہ دیا اس کی خاک سے ایسے گوہر نایاب کیوں نہ پیدا ہوسکے جو ہندووں اور آریہ سماجیوں، پونا کالج، فرگوسن کالج، گروکل کی ہندو درسگاہوں اور تربیت گاہوں نے پیدا کردیے۔ ایک اہم جائزہ۔[۱۰۰] حمید الدین فراہیؒ نے شبلی کے انتقال کے تیسرے روز ''مجلس اخوان الصفا'' کی بنیاد ڈالی مسعود علی ندوی سلیمان ندوی اور شبلی متکلم کو اس کا رکن بنایا گیا تا کہ شبلی کے ادھورے کام مکمل کئے جاسکیں۔ شبلی جیسے محقق کی یاد کے لیے مجلس اخوان الصفاء جیسی تنظیم کا نام کیا حکیمانہ اقدام تھا کیا فراہیؒ اور شبلی اخوان الصفاء سے بے حد متاثر تھے جو عالم اسلام میں علوم عقلیہ کے سب سے بڑے موید اور جدیدیت کے بانی بھی تھے جدیدیت ہمارے علماء میں کس کس طرح کب کب اور کیسے کیسے نفوذ کرتی رہی ہے اس سوال کا ناقدانہ جائزہ۔[۱۰۱] مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مقابلے پر مولانا محمد علی جوہر وغیرہ کی تحریک پر نیشنل مسلم یونیورسٹی قائم کی گئی تو اس کا ترجمہ مولانا آزادؒ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کردیا جس سے اس جامعہ کی بہ ظاہر روح ہی بدل گئی اور اس کی قوم پرستی ترجمہ سے ظاہر نہ ہوسکی بلکہ چھپ گئی۔ جامعہ مصر کی نئی عربی زبان میں اس زمانے میں یونیورسٹی کو کہتے تھے گویا یونیورسٹی کا لفظی ترجمہ لیکن اصلاً جامع عربی میں مسجد اعظم کو کہتے ہیں اور شروع میں مسجدیں ہی درس گاہیں تھیں اس لئے جامع کے ساتھ جامعہ لفظ خاص نسبت رکھتا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ درس گاہیں مسجد سے الگ ہونے لگیں۔ اور علوم عقلیہ کو علوم نقلیہ کی قید سے آزاد کردیا گیا اور دنیا دین کے تابع نہ رہی تو مسلمان بھی دنیا میں حاکم نہ رہ سکے ان کا غلبہ مسجد کی برکت سے تھا علوم عقلیہ کی برکت سے نہیں جب مسجد کی برکت نہ رہی تو دنیا کی زمین مسلمانوں کے لئے تنگ ہونے لگی ان تاریخی حوادث وواقعات کا پہلا خاکہ جب مدرسے کو مسجد سے الگ کرنے کے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا گیا۔[۱۰۲] سرسید مولوی چراغ علی کرامت جونپوری جو انگریزوں سے قریبی روابط رکھتے تھے یورپ کی نئی سائنس وقوانین فطرت کے نئے اسرار وانکشافات سے پیدا ہونے والے شبہات کا ادھورا جواب دینے کے لئے اٹھے ان کا ادھورا علمی وجود اس عربی محاورے کا مصداق تھا ما لا یُدرک کلُہ لا یترکُ کلہُ کہ اگر پورا نہ مل سکے تو ادھورا ہی سہی۔ ان نیم علماء بلکہ نیم جہلاء نے اپنے نفس کے مطابق اس فرض کو نبھانا چاہا مگر نبھا نہ سکے اور رفیع الشان غلطیاں کیں وجہ یہ کہ وہ اپنے زمانے کی طبعی تحقیقات اور ان کے قیاسی نتائج کو قطعی

اور یقینی مان کر مسائل شرعیہ کو ان کے مطابق بدلنے لگے وجہ یہ تھی کہ مغربی فلسفے سے واقف نہ تھے اور مغرب سے بے حد مرعوب یہ وہی فساد عظیم تھا جس میں فلسفہ یونان کا مقابلہ کرنے کا ادعا کرنے والے تیسری چوتھی صدی میں باطینہ کے علماء اور مصنفین مبتلا ہو چکے تھے ان کا موقف بھی یہی تھا کہ علماء وفلاسفہ جو کچھ کہتے ہیں وہی انبیاء و رسل علیہم السلام کہتے ہیں اس لئے دونوں میں ایسی تطبیق دی جائے کہ انبیاء کا کلام کسی نہ کسی تاویل سے حکماء فلاسفہ کے خیال کے مطابق ہو جائے لیکن متکلمین اہل سنت نے دوسرا راستہ اختیار کیا کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ فرمایا اس کو قطعی و یقینی مان کر حکماء وفلاسفہ کے ان مسائل کی جو قطعاً مخالف دین تھے دلائل سے غلطی ثابت کرنا اور جو کسی قدر تصحیح سے صحیح ہو سکتے تھے اس کی تاویل کرنا اور جو تمام تر مطابق تھے یا کم از کم مخالف نہ تھے یا انبیاء علیہم السلام نے ان سے یقیناً یا اثباتاً بحث نہیں کی تھی ان کی توثیق کرنا۔ جدیدیت پسندوں کے عقلی فکری ذہنی اور قلبی بحران کا تاریخ کی روشنی میں نیا جائزہ۔[۱۰۳] سلیمان ندوی کے خیال میں امام غزالیؒ وغیرہ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے یونانی تراجم کو براہ راست درس میں داخل نہیں کیا بلکہ ان علوم کو پڑھ کر انھوں نے خود یا دوسرے مسلمانوں نے ان علوم پر اپنی اسلامی طرز پر جو کتابیں لکھیں ان کو علماء کے درس میں رکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ان علوم کو خود مسلمان بنایا پھر ان کو مسلمانوں میں رواج دیا مولانا شبلی کے سامنے بھی یہی چیز تھی مگر افسوس کہ اس پر عمل اب تک اس لئے نہ ہو سکا کہ ان علوم مغرب کو علماء اب تک حاصل نہ کر سکے اور ان پر ان کی تصنیفات کا زمانہ تو بہت دور ہے اصل نکتہ یہی ہے کہ پہلے ان جدید علوم کو مسلمان بنانا چاہیے پھر ان کو مسلمانوں میں رواج دینا چاہیے ورنہ بغیر اس کے وہی باطنیت اس زمانہ میں بھی پھیلے گی جو امام غزالیؒ سے پہلے پھیلی تھی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ مختلف تحریکوں اور تصنیفوں کے ضمن میں وہ پھیل رہی ہے۔[۲۲] سید سلیمان ندوی کے افکار کی روشنی میں مختلف اسلامی تحریکوں اور تصانیف کے ذریعے پھیلنے والی باطنیت کا پہلا علمی و قلمی محاکمہ۔[۱۰۴] عربی میں محاضرات کی بعض تصنیف کردہ کتب کشکول کہلاتی ہیں جن میں تمام علوم وفنون کے متعلق نادر اور نایاب لطیف نکتے جمع کر دیے جاتے ہیں عربی فارسی اردو کے کشکول کا اشاریہ اور انتخاب کشکول پہلی مرتبہ۔[۱۰۵] سررشتہ علوم وفنون حیدر آباد دکن کے پہلے ناظم شیعہ عالم مولانا محمد مرتضی مقرر ہوئے جو خود کو فلسفی کہتے تھے اور معقولات کا بڑا دعوی رکھتے تھے۔ ایک وسیع النظر شیعی عالم تھے علم کلام میں ''معراج العقول'' نامی عربی میں مبسوط کتاب کے مصنف تھے جو ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی مولانا ابوالکلام آزادؒ نے الہلال میں اس کتاب پر مداحانہ تبصرہ کیا تھا اس کتاب کے مباحث کا خلاصہ اور جائزہ۔[۱۰۶] عقلیات کی تلاش نے شبلی کو امام غزالی کی درس گاہ تک پہنچایا اور امام غزالی کی تلاش ان کو مولانا روم کے آستانے تک لے آئی شبلی نے غزالی کی تالیف شروع کی تو تصوف سے اس قدر بے گانہ تھے کہ غزالی کی زندگی کے اس عظیم باب کا ذکر ان سے مخفی تھا ایک دوست کے توجہ دلانے پر امام غزالی کی صوفیت کا مطالعہ کر کے ایک باب کا الغزالی میں اضافہ کیا اس طرح تصوف سے واقف و متوجہ ہوئے حیدر آباد دکن میں تصوف کا غلغلہ تھا اس کا اثر ہوا مولانا روم تک پہنچے تو تصوف اور کلام کا مرج البحرین انھیں مل گیا۔ مثنوی معنوی نہ صرف علم کلام کا بہترین مجموعہ ہے بلکہ تصوف کا بھی الغزالی کا مصنف غزالی کی طرح عجیب انجام سے دوچار ہوا غزالی کا آغاز مناظرہ اور مباحثہ سے ہوا اور انجام باطنی عظمت و تجمل یعنی معرفت و تصوف پر یہی واقعہ غزالی کے سوانح نگار کو پیش آ گیا۔ شبلی غزالی کی طرح جدید فلسفہ مغرب پر جدید مقاصد الفلاسفہ'' اور جدید فلسفہ مغرب پر نقد جدید تہافتہ الفلاسفہ کیوں نہ لکھ سکے شبلی نے جدید علم کلام کا کام ادھورا کیوں چھوڑا؟ مثنوی مولانا روم علم کلام کا بہترین مجموعہ ہے کم و بیش یہی صورت کلام اقبال کے ساتھ بھی ہے جس میں اقبال نے علم کلام کو سمو دیا ہے اسی لئے سلیمان ندوی نے اقبال کے انتقال پر اقبال کا علم کلام مضمون لکھا تو صرف شاعری سے استدلال کیا خطبات اقبال کا سرسری ذکر بھی پسند نہیں کیا۔ جدید علم کلام کے لئے اقبال اور کلام رومی سے کیا مدد مل سکتی ہے شیعہ متکلمین کمیت، سید حمیری، سید رضی اور سید مرتضیؒ کے دواوین میں متعدد مسائل کلامیہ مل جاتے ہیں۔ شیخ سعدی کے یہاں بھی کلامی مباحث تلاش کئے جا سکتے ہیں علم کلام کے فروغ و ارتقاء میں شعراء کا کیا حصہ رہا ہے تحقیق کا اہم موضوع۔ ایک اہم جائزہ۔[۱۰۷] مرحوم سعید الرحمان علوی کے اِس نقطۂ نظر کا ناقدانہ جائزہ کہ اسلامی تاریخ میں قیام خلافت کے دو طریقے قرن اول میں اختیار کئے گئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کر دیا گیا اول الذکر

کوامت کی قلبی آرزو نے نامزد کیا کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر جب بحث جاری تھی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابو بکرؓ ہاتھ لائیے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی پھر تو رکا ہوا بند ٹوٹ گیا اور صحابہ ایک دوسرے پر بیعت میں سبقت لے گئے انھیں وہ منظر یاد آ گیا جب غارِ حرا میں حضرت ابو بکرؓ ثانی اثنین بنے انھیں رسول اللہ کا وہ عمل بھی یاد آ گیا کہ مسجد نبوی میں علالت کے آخری لمحات میں تشریف لائے تو امامت کے لئے حضرت ابو بکرؓ کو ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کرتے ہوئے رسول اللہ کی حدیث پر عمل فرمایا کہ ''میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتے تو عمرؓ ہوتے'' کئی مواقع پر رسول اللہ کا یہ ارشاد کہ ''شیطان عمر سے ڈرتا ہے'' حضرت ابو بکر نے ذات رسالت مابؐ کے ان کلمات کے بعد کسی تصدیق تائید اور مشورے کی ضرورت نہ سمجھی جس شخص کے بارے میں ذات رسالت ماب نے یہ ارشاد فرمایا ہو اس میں تردد تذبذب اور مشورہ کیسا یہ تو نص صریح کا معاملہ تھا۔ اور امت نے آپ دونوں کی اطاعت پر بیعت کر لی حضرت ابو بکرؓ کو امت نے نامزد کیا یہ پہلا طریقہ تھا اور حضرت عمرؓ کو حضرت ابو بکرؓ نے یہ دوسرا طریقہ تھا تیسرا طریقہ حضرت عمرؓ نے اختیار کیا کہ آپ نے براہِ راست خلیفہ کی نامزدگی کے بجائے ارباب حل وعقد پر مشتمل ایک مجلس قائم فرمادی کہ خلیفہ کا انتخاب انہی میں سے ہوگا یہ طریقہ بھی اس لئے اختیار کیا گیا کہ حضرت عبیدہ بن الجراح طاعون سے شہید ہو گئے ورنہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کر لیا تھا اور اس کا اظہار بھی فرمایا تھا کہ میں کسی سے مشورے کے بغیر انھیں خلیفہ نامزد کر دوں گا کیونکہ رسول اللہ نے انھیں ''امین الامت'' کا خطاب دیا ہے لیکن حضرت عبیدہ کی شہادت کے باعث عمرؓ کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے چوتھے طریقے کو اختیار فرمایا اور اپنی زندگی میں اپنے صاحبزادے کو خلیفہ نامزد کر دیا اس نامزدگی سے صرف چار صحابہ کرام نے اتفاق نہیں کیا [حضرت علیؓ سے ایک قول منقول ہے جب آپ سے حضرت حسنؓ کو خلیفہ مقرر کرنے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نہ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں نہ خود انھیں نامزد کرتا ہوں حضرت عمرؓ سے بھی ایک قول موجود ہے جب آپ سے کہا گیا کہ اپنے صاحبزادے کو نامزد فرمادیں تو فرمایا کہ اگر خلافت کوئی انعام تھا تو وہ مجھے مل چکا اور اگر ایک شدید آزمائش ہے تو اس کے لئے عمر کے خاندان سے عمر ہی کافی ہے اس طرح آپ نے اپنے اہل خانہ میں کسی کو نامزد کرنے کی ممانعت فرمادی] یزید پر امت نے بیعت کر لی لہٰذا اجماع امت سے خلافت کا انعقاد ہو گیا۔ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد ان چار اصحاب میں سے دو صحابہ کرام نے بھی بیعت کر لی اور صرف حضرت عبداللہ ابن زبیر اور حضرت حسینؓ نے بیعت نہیں فرمائی آپ دونوں حضرات کرام نے خلافت عصر کے خلاف مشترکہ خروج نہیں کیا بلکہ الگ الگ راستے اختیار فرمائے وہ کیا حکمت و مصلحت پیش نظر تھی کہ ایک مشترکہ معاملے پر مشترکہ حکمت عملی اختیار نہیں کی گئی سوال یہ ہے کہ جب اکثریت کی رائے سے خلافت کا فیصلہ ہو گیا تو کیا دو اصحاب کی ذاتی رائے اس اکثریتی فیصلے کے سامنے کوئی دینی حجت رکھتی ہے؟ اگر دو صحابہ کرام کی ذاتی رائے ائمہ اربعہ کی خروج کے بارے میں آراء سے مختلف ہے اور اس لئے اہمیت کی حامل ہے کہ صحابی کا مرتبہ اور اس کا عمل ائمہ اربعہ کے مقابلے میں بہت اعلیٰ مرتبے کا معاملہ ہے تو اجماع صحابہ کے مقابلے پر اس عہد کے دو صحابہ کرام کی رائے کو کیوں فوقیت دی جائے؟ یہاں اجماع صحابہ کو کیوں نہ اہمیت دی جائے؟ حضرت حسینؓ نے اپنی رائے سے رجوع فرما لیا تھا اور حضرت عبداللہؓ بن زبیر کو مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ جنگ کریں دوسرا چارہ نہ تھا بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث خروج عبداللہ بن زبیر کے بارے میں اس حادثے کی وضاحت کرتی ہے امت نے کثرت رائے سے جس مسئلے پر اتفاق فرمایا ہو کیا دو افراد کے اختلاف سے وہ مسئلہ متنازعہ بن سکتا ہے؟ حضرت حسینؓ نے خروج کی شرائط پوری کرتے ہوئے خروج فرمایا اور جب آپ کوفہ پہنچے اور وہاں حقیقت حال معلوم ہوئی کہ اہل کوفہ خلیفہ عصر کی بیعت کر چکے ہیں تو حضرت حسینؓ خروج سے دستبردار ہو گئے اور آپ نے واضح طور پر فرمایا کہ مجھے واپس جانے دیا جائے یا مجھے دربار خلافت میں پہنچایا جائے تاکہ میں خود گفتگو کروں تاریخ کی تمام کتب میں یہ موقف درج ہے لیکن حضرت حسینؓ کے اس موقف کو تسلیم کئے بغیر آپ پر تلواریں سونت لی گئیں حضرت حسینؓ نے نہایت عزیمت جرات اور استقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اس موقع پر مقابلہ کیا۔ حضرت حسینؓ کو شرعاً اپنے موقف پر قائم رہنے کی اجازت تھی کہ وہ خلیفہ عصر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیں کیونکہ اجماع صحابہ سے یہ بات ثابت تھی کہ

خلیفہ وقت کی بیعت سے انکار قابل تعزیر جرم نہیں اس کی دلیل حضرت سعد بن عبادہؓ کا حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے انکار تھا حضرت سعد بن عبادہؓ اس انکار کے بعد اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور انتقال تک خلوت نشینی کی خود اختیاری زندگی بسر کرتے رہے لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت حسینؓ کی شہادت خروج کے دوران ہوئی تاریخی غلط بیانی ہے حضرت حسینؓ اہل کوفہ کی حقیقت کھلنے کے بعد خروج کے موقف سے رجوع فرما چکے تھے اور واپسی کے لئے آمادہ تھے مگر آپ کو نہ شام جانے دیا گیا نہ واپسی کی اجازت دی گئی بلکہ آپ پر جنگ مسلط کی گئی لیکن آپ نے میدان جنگ میں پامردی سے مقابلہ فرمایا عورتوں بچوں کو ڈھال کے طور پر استعمال نہیں فرمایا، چھپ کر، آڑ میں بیٹھ کر داد شجاعت نہیں دی بلکہ نہایت بہادری کے ساتھ میدان جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھا کر اپنے لہو سے اپنے ایمان کے چراغ روشن رکھے لہٰذا حضرت حسینؓ کے واقعے سے خروج کی دلیل لانا اور اس واقعے کو خروج کی بنیاد ٹھہرانا اور اس دلیل کی بنیاد پر ہر زمانے میں حکمرانوں کے خلاف تلوار سونت لینے کے فلسفے کو اسلامی فلسفہ قرار دینا اسلامی تاریخ سے عدم واقفیت کا شاخسانہ ہے حضرت حسینؓ کے واقعہ شہادت سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ اگر خروج کے لئے مطلوبہ قوت، استعداد، اہلیت اور طاقت موجود نہ ہو خواہ اس کا ادراک، احساس اندازہ میدان خروج میں جا کر بھی ہو جائے تو خروج ملتوی کیا جا سکتا ہے اور خروج کے موقف سے رجوع کرنا ضروری ہے اس کے بجائے اس واقعہ شہادت سے یہ استدلال لانا کہ خواہ خروج کیلئے مطلوبہ استعداد و طاقت نہ ہو تب بھی خروج کر کے شہید ہو جانا عین مطلوب شریعت ہے یہی حسینی راستہ ہے اور ہم حسینی ہیں قافلہ حسینی کی پکار ہیں۔ خروج کی علمیت سے جاہلانہ حد تک عدم واقفیت کا شاخسانہ ہے پھر یہ سوال بھی اہم ہے کہ صرف شہادت حسینؓ کا واقعہ کیوں پیش کیا جاتا ہے تاریخ اسلام میں حضرت حسینؓ کے عہد میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بھی ہیں آپ بھی صحابی ہیں آپ نے بھی خروج کیا اور ناکام رہے تو آپؓ کی ناکامی کو اس رجزیہ لے اور رزمیہ آہنگ سے کیوں پیش نہیں کیا جاتا آخر دونوں واقعات میں جوہری طور پر بہ ظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں خروج عبداللہ بن زبیر سے وہ جذبہ اور ولولہ کیوں حاصل نہیں کرتے جو حضرت حسینؓ کے رجوع خروج کے واقعے سے حاصل کرتے ہیں۔ حضرت حسینؓ کے خروج کے حوالے سے صحاح ستہ میں کوئی روایت نہیں ملتی صرف حضرت عبداللہ ابن عمر کے حوالے سے اہل کوفہ کا ذکر ہے جب ان سے مچھر کے خون کا خوں بہا پوچھا گیا تو جواباً فرمایا کہ انسانوں کو قتل کرتے ہو اور مچھروں کا خون بہا پوچھتے ہو لیکن حضرت عبداللہ ابن عمر کے حوالے سے بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ ''وقالہ' رجلان فی فتنته ابن الزبیر '' حضرت عبداللہ ابن عمر کی گفتگو جو حضرت عبداللہ ابن زبیر کے خروج کے حوالے سے ہے اسے فتنہ قرار دیا جا رہا ہے حدیث کے الفاظ میں ''فتنہ عبداللہ ابن زبیر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے عبداللہ بن عمر سے دو شخصوں نے کہا کہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے آپ حضرت عمر کے صاحبزادے بھی ہیں اور صحابی رسولؐ بھی تو آپ کے میدان میں آنے سے کون سی چیز مانع ہے؟ ابن عمر نے کہا کہ اللہ نے مجھ پر میرے مسلمان بھائی کا خون حرام کیا ہے ایک بولا کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ وقال تلوھم الخ یعنی جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے تم ان سے جنگ کرتے رہو ابن عمر نے جواب دیا کہ ''ہم لوگوں نے جنگ کی اور فتنہ دور ہو گیا اور دین اللہ کے لئے ہو گیا مگر تم لوگ تو یہ چاہتے ہو کہ جنگ کرتے رہو تا کہ فتنہ اور پیدا ہو اور دین غیر اللہ کے لئے ہو جائے'' بخاری کی یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ ابن عمرؓ نے اس معاملے میں اس قدر سخت موقف کیوں اختیار کیا اسی لئے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے خروج کو انقلابی لوگ اپنے استدلال کے لئے پیش نہیں کرتے حضرت حسینؓ کے خروج کے حوالے سے کسی حدیث میں اسے فتنہ نہیں کہا گیا لہٰذا اس واقعے سے اپنی غیر دینی انقلابی عسکری جدوجہد کے جواز ڈھونڈتے ہیں جبکہ واقعہ شہادت حسینؓ سے اس کا جواز ثابت ہی نہیں ہوتا؟ [اس لئے حضرت عبداللہ بن عمر نے خروج حسینؓ پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا کیونکہ حضرت حسینؓ اپنے موقف خروج سے رجوع فرما چکے تھے] کیونکہ جب آپ نے کوفہ پہنچ کر خروج سے رجوع فرما کر خلیفہ وقت سے ملاقات یا واپسی کی خواہش ظاہر کی تو دونوں ارادوں کو جبراً پامال کیا گیا یہ لوگ اس بات کا بھی کوئی جواب نہیں دیتے کہ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ کوئی صحابی رسول کیوں شریک نہ تھا تمام صحابہ کرام دونوں اصحاب کرام کو انتہائی اقدام سے کیوں روکتے رہے؟ صحابہ کا اجماع تھا کہ خروج نہ کیا جائے

یہ اجماع سکوتی بھی تھا اور عملی بھی اور متحرک بھی کیونکہ بہت سے صحابہ نے باقاعدہ گفتگو کے ذریعے حضرت حسینؓ کو خروج سے روکا۔ اگر یہ موقف درست مان لیا جائے کہ [خدانخواسہ خدانخواسہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ] تمام صحابہ کرام ڈر گئے تھے اور عزیمت کے بجائے رخصت اختیار کرلی تھی تو یہ موقف اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کا باعث ہے اور صحابہ کرام کے اجماع کو رد کرنے کی ناپاک جسارت اور صحابہ کرام جیسے اصحاب عزیمت کے خلاف شر پسندوں کا جھوٹا استغاثہ وہ صحابہ کرام جن کی تلواروں نے ایران کو فتح کرلیا کیا وہ اپنے عہد کے خلیفہ سے ڈر سکتے ہیں زندگی اور موت تو ان کا مسئلہ ہی نہیں تھا وہ تو حق کے لئے جیتے اور حق کے لئے مرتے تھے اس لئے یہ کہنا کہ سب صحابہ غلط تھے اور دو صحابی درست تھے ایک غیر عادلانہ موقف ہے جس کی تائید وتصدیق اسلامی تاریخ نہیں کرتی یہ دو صحابہ کرام کا انفرادی اجتہاد تھا خروج عبداللہ بن زبیر کے بارے میں تو شیخ الصحابہ عبداللہ بن عمرؓ کی ہدایت بخاری میں موجود ہے کہ ''مجھے کسی کے بارے میں یہ اطلاع نہیں ملنی چاہیے کہ کوئی عبداللہ بن زبیر کے خروج میں شامل ہے ہم نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی ہے جو خدا اور رسول کے تابع ہے اگر غداری کی تو سب سے نچلے درجہ جہنم میں جائیں گے یزید کی خلافت کے معاملے پر حبر الامہ [امت کے سب سے بڑے عالم] عبداللہ ابن عباسؓ اور شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا کہ امت جب بیعت کرے گی تو ہم بھی کرلیں گے اور دونوں کبار صحابہ کرام نے بیعت فرمائی تھی اور حضرت حسینؓ کا اجتہاد سب سے افضل تھا کیونکہ آپ نے اجتہاد بھی فرمایا اور اس سے رجوع بھی فرمایا اور دنیا کی تمام انقلابی جہادی عسکری تحریکوں کو قیامت تک کے لئے پیغام دے دیا کہ اپنے موقف پر خواہ مخواہ قائم رہنا دین نہیں اس سے رجوع کرنا بھی دین کی ذمہ داری ہے دین انا، غصے، اشتعال، اور جذبہ انتقام کا نام نہیں وہ خدا کی مرضی کے سامنے تسلیم ورضا کا نام ہے خواہ میدان جنگ میں نکلنے کے بعد واپس لوٹنا پڑنے اور تلوار اٹھانے کے بعد تلوار کو میان میں رکھنا پڑے خواہ تلوار کو دو ٹکڑے کر کے پھینک دینا پڑے کیونکہ خروج جہاد نہیں ہے کہ جو شروع ہو جائے تو اس کو ترک نہیں کیا جاسکتا اور میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنے والا جہنم کا مستحق بن جاتا ہے۔ مومن تو اپنے رب کی مرضی کے لئے جیتا اور مرتا ہے۔ اس کی مرضی اس کی خواہش نفس اس کے جذبات دین کے منہاج میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے بندہ مومن اللہ کے دین کے غلبہ اور اس کی رضا کی خاطر قدم اٹھاتا ہے اپنے نفس کی تسکین کے لئے نہیں لہذا ہر اٹھنے والا قدم اگر کسی وقت روک دیا جائے تو یہ بھی رضائے الٰہی کی شکل ہے اپنی انا اور نفس کی قربانی دینا سب سے مشکل کام ہے انسان اور شیطان میں یہی فرق ہے کہ جب انسان خطا کرتا ہے تو وہ مالک کے حضور توبہ کے کلمات اور آنسوؤں کی لڑیاں لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور شیطان سے جب خطاء کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو وہ معذرت اور معافی کو اپنی انا کے خلاف سمجھ کر اپنے رب سے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتا ہے سعید الرحمٰن علوی کی تحقیقات کا ناقدانہ جائزہ۔ [۷۶] اس نقطہ نظر کا ناقدانہ جائزہ کہ عہد حاضر میں دین کے نفاذ کی حکمت عملی کا سب سے بہترین نمونہ جامعہ حفصہ اور لال مسجد ہے لہٰذا دنیا کی ہر مسجد کو لال مسجد اور ہر مدرسہ کو مدرسہ حفصہ بنا دو اسلام کی پندرہ سو سالہ تاریخ اجنبی نامانوس اور خفیہ تاریخ نہیں ہے پوری تاریخ اسلام اس طرح کی لال مساجد اور حفصہ مدارس کے وجود سے کیوں خالی ہے؟ میدان جنگ میدان مسجد میدان مدرسہ اور میدان حرم کیا ایک ہی سطح کے میدان ہیں؟ اگر لال مسجد اور حفصہ مثالی مراکز ہیں تو اسلامی تاریخ ایسے مدارس مساجد کے وجود سے کیوں خالی ہے؟ صحن مسجد اور مسند تدریس اور مدرسے کا احاطہ مجاہدین کی تیاری کے لئے ہے یا انہی مقامات کو میدان جنگ بنانے کے لئے۔ کیا عہد رسالت سے عہد زوال تک کسی نبیؑ پیغمبرؑ صدیق صالح نے جہاد اور خروج کے لئے مسجد و مدرسہ کے حصار میں پناہ لی۔ اسلامی تاریخ میں ۲۳۲ خروج ہوئے یہ تمام خروج ناکام رہے لیکن کسی ایک خروج کے قائد نے مسجد و مدرسہ کی پناہ نہیں لی بلکہ دیوانہ وار میدان جنگ کی طرف گئے مد مقابل کو للکارا اور داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت قبول کیا ان کی حکمت عملی سے اختلاف ہوسکتا ہے لیکن ان کے اخلاص ایمان جوش وجذبے اور جرات سے انکار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ایسے تمام مخلص اللہ کے یہاں بلند ترین درجوں پر فائز ہوں گے کیا وجہ ہے کہ ہماری انقلابی تحریکوں کے قائدین کو یہ حقائق اہم نہیں لگ رہے وہ انتہائی سطحیت سے انقلاب کی آرزو کا خواب کیوں دیکھ رہی ہیں؟ ایک اہم جائزہ۔ [۱۰۸] ''خروج ملتوی کردو'' کے نام سے شائع ہونے والی تحریروں کا ناقدانہ جائزہ

جس میں کہا گیا ہے کہ جامعہ حفصہ جامعہ فریدیہ لال مسجد سے وابستہ لوگ اور ان کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد جو جماعت اسلامی اور جمعیت العلماءئے اسلام کے لوگوں پر مشتمل ہے بار بار یہ سوال اٹھاتی ہے کہ علماء کرام نے لال مسجد تحریک کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ ان کا دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر لال مسجد تحریک کا طریقہ کار غلط تھا تو علماء کرام بتائیں کہ صحیح طریقہ کار کیا ہے ان کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ علماء جس طریقہ کار کو صحیح سمجھتے ہیں اس پر خود عمل کر کے دکھادیں؟ یہ تینوں سوالات اور اعتراضات اسلامی تاریخ، اسلامی علمیت، تعامل اور اجماع سے عدم واقفیت اور تنظیم وفاق المدارس کے مقاصد و اہداف سے لاعلمی کا شاخسانہ اور جہالت کا مرقع ہیں۔ لال مسجد و جامعہ حفصہ کے قائدین نے بنیادی طور پر یہ سوال اٹھایا تھا کہ اگر لال مسجد کا طریقہ کار غلط ہے تو علماء کرام ہمیں بتائیں کہ صحیح طریقہ کار کیا ہے اس سوال کو لے کر معترض نے دو اور سوالات کا اضافہ کیا جو اس سوال کا تسلسل ہیں علماء کرام سے یہ سوال پوچھنے والے اصلاً اسلامی علمیت سے ناواقف ہیں احادیث کی کتاب الفتن حضرت حسینؓ کی شہادت حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا خروج، اسلامی تاریخ میں خروج کے واقعات اور ان تجربات کی روشنی میں ائمہ اربعہ کا اجماع اور خروج کی شرائط وغیرہ کا تعین اسلامی تاریخ تحقیق علمیت کے لئے اجنبی نہیں اگر لال مسجد کے رہنماوں کو یہ نہیں پتہ کہ درست طریقہ کار کیا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ خروج سے متعلق تمام شرعی مباحث سے ناواقف ہیں ایسے ناواقف افراد کو اس قدر بلند و بانگ دعوں کے ساتھ جہادی تحریکیں چلانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ علماء کرام نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد تاتاریوں کی یلغار کے جواب میں اخذ کردہ حکمت عملی اختیار کر لی اور خود کو مدرسہ مسجد خانقاہ اور درس تدریس کی ذمہ داریوں تک محدود کر لیا اور حق یہ ہے کہ اس ذمہ داری کا ایسا حق ادا کیا کہ زمین و آسمان عش عش کر اٹھے اس حکمت عملی سے علماء کرام نے اسلامی علمیت کو محفوظ فرمایا دیا۔ علماء نے ریاست سیاست حکومت اقتدار کے مباحث سے بھی علیحدگی اختیار کر لی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ موجودہ حالات میں علماء کی ان امور میں بغیر تیاری اور مغربی فلسفہ ریاست و سیاست سے عدم واقفیت کے باعث دخل اندازی کسی مثبت پیش رفت کا سبب نہیں بن سکتی لہٰذا یہ کہنا کہ علماء کچھ نہیں کر رہے نہایت جاہلانہ احمقانہ بات ہے اب رہی دوسری بات کہ علماء کیا کر رہے ہیں لیکن انہیں کیا کرنا چاہیے یہ دوسرا مسئلہ ہے علماء نے مسلسل تجربات کے بعد یہ سمجھ لیا کہ وہ مسجد و مدرسے میں محصور ہو کر ہی دین کو بچا سکتے ہیں جدید سیاست سیاسی اداروں سیاسی مقتدرہ کی ہیئت حقیقت اور علمیت سے وہ واقف نہیں ان میں فی الوقت وہ اہلیت و استعداد نہیں کہ اس جدید مغربی سیاسی ڈھانچے کا محاکمہ کر سکیں یا اس کے متوازی کوئی ڈھانچہ کھڑا کر دیں۔ لہٰذا علماء نے عہد جدید کے سیاسی کفر، اور کافرانہ نظام حکومت ریاست سلطنت سے علیحدگی اختیار فرمالی اور خود کو امور دنیا سے عارضی طور پر ایک خاص حکمت عملی کے تحت الگ کر لیا علماء کرام کا یہ طریقہ کار مسند احمد کی اس حدیث کے مطابق ہے جس میں ظالم حکمرانوں کے ساتھ مل کر حکومت بنانے کی مخالفت کی گئی ہے حدیث کا ترجمہ ہے آخر زمانہ میں ظالم اولی الامر، فاسق وزراء، خائن قاضی، اور جھوٹے فقہا ہوں گے تم میں سے جو بھی ایسا دور دیکھے وہ نہ ان کا محصل بنے نہ نقیب اور نہ سپاہی اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ جو حکمرانوں کی فوج کا سپاہی نہ بنے وہ لازماً صوفی محمد، غازی عبدالرشید اور مولانا اکرام اعوان صاحب کی تحریک خروج کا سپاہی بن جائے ورنہ یہ بتائے کہ دوسرا طریقہ کیا ہو لال مسجد تحریک کے علماء اور حامیوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ صحاح ستہ میں فتنے کے وقت دوسرا طریقہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ کیا ہو؟ تلوار توڑنے کا حکم کسے دیا گیا گھر میں رہنے کی ہدایت کسے کی گئی چلنے والے پر بیٹھنے والے کو فضیلت کیوں دی گئی کاش لال مسجد کے علماء احادیث کا گہرائی سے مطالعہ کرتے تو علماء کی اکثریت سے اس قسم کے غیر علمی سوالات نہ کرتے ابوداؤد کی حدیث ہے حضرت ابوذرؓ سے رسول اللہ نے فرمایا کہ قوم کے فتنے کی صورت میں اس میں شرکت نہ کرو بس اپنے گھر میں بند رہنا انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر کے اندر اگر کوئی گھس آئے تو فرمایا کہ اگر تمہیں یہ خطرہ ہو جائے کہ اب تلوار کی چمک تم پر غالب آ کر رہے گی تو اپنا کپڑا اپنے منہ پر ڈال لینا تا کہ اس کا اپنا اور تمہارا دونوں کا گناہ اسی کے ذمے ہو حضرت عثمانؓ نے فتنے کے وقت اس حدیث پر عمل فرمایا اپنی جان دے دی مگر مدینۃ النبی کو مسلمانوں کے لہو سے لالہ زار بننے کی اجازت نہیں دی اس طرح حضرت عثمان نے حضرت آدمؑ کے بیٹے کے اسوہ پر عمل فرمایا جس نے اپنے بھائی کی جانب سے قتل کے

ارادے پر یہی کہا تھا کہ تم اپنے ہاتھ میرے خون سے رنگ لو میرے ہاتھ تمہاری طرف نہیں اٹھیں گے حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام نے فتنہ گروں کے خلاف جنگ کی اجازت مانگی لیکن آپ نے منع فرما دیا اور اپنے لئے شہید مظلوم کا خطاب پسند فرمایا۔ ترمذی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ''جب لوگوں میں اختلاف پڑ جائے تو تم لکڑی کی تلوار بنالینا سیفا من خشب ۔ میں نے لکڑی کی تلوار بنالی ہے اگر آپ فرمائیں تو میں اس کو لے کر آپ کے ساتھ نکلوں یہ سن کر حضرت علیؓ نے انھیں چھوڑ دیا ابو داؤد ترمذی کی حدیث ہے کہ قرب قیامت کے وقت ایسے فتنے ہوں گے کہ انسان صبح کو مومن اور شام کو کافر یا شام کو مومن اور صبح کو کافر ہوگا......اس وقت اپنی کمانوں کو توڑ ڈالو اور چلے کو کاٹ ڈالو اور اپنی تلواروں کو پتھروں پر دے مارو اگر یہ فتنہ کسی کے پاس گھس آئے تو وہ آدم کے دو فرزندوں میں سے بہتر کی مانند ہو جائے لال مسجد کی تحریک اٹھانے والے صرف چہرے بدلنا چاہتے ہیں انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ چہرے بدلنے سے نظام نہیں بدلے گا وہ عہد حاضر کے حکومتی اور اقتداری تانے بانے سانچے ڈھانچے سے ناواقف ہیں وہ قوت طاقت اقتدار کے اصل مرکز سے ناواقف ہیں خروج یا جہاد کس کے خلاف کیا جائے کسی شخص کے خلاف یا نظام کے خلاف کیا چہرہ بدلنے سے نظام بدل جائے گا؟ ظاہر ہے نظام کے خلاف خروج بھی ہوگا جہاد بھی ہوگا تو جہاد و خروج کس نظام کے خلاف ہوگا اور کیسے ہوگا کب ہوگا؟ جب تک خروج اور جہاد کی علمیت کا علم نہ ہو میدان جہاد میں نکلنا شریعت کو مطلوب نہیں جب تک شہادت کا ہدف معلوم نہ ہو میدان جنگ کا اور دشمن کا تعین نہ ہو اس کی مکمل تیاری نہ ہو نہ جہاد کی اجازت ہے نہ خروج کی ہر وہ جہاد یا خروج جو قرآن و سنت کے طے شدہ طریقہ کار اور اجماع امت کے برعکس ہے وہ تحریف دین ہے اور فتنے کا سبب بن سکتا ہے امت کو انتشار میں مبتلا کرسکتا ہے اگر کسی جہاد یا خروج کے نتیجے میں امت متحد یا متفق طاقت ور، یکسو ہونے کے بجائے منتشر ہو بکھر جائے اور آپس میں دست و گریباں ہو جائے تو وہ جہاد اور خروج شریعت کی نظر میں نہ محمود ہے نہ مطلوب نہ مقصود اس نقطہ نظر کا پہلا جائزہ۔ [۱۰۹] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ ہمارے دانشور اور سطحی مصنفین ابھی تک یونانی منطق کے صغریٰ کبریٰ اور جال سے باہر نہیں نکلے وہ ابھی تک عقل استخراجی اور منطق استخراجی سے اوپر نہیں اٹھ سکے لہٰذا جب بھی کوئی شخص ان جہلاء کے سامنے جمہوریت کی مخالفت کرتا ہے تو وہ منطق کے ذریعے اس اختلاف کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جمہوریت کی مخالفت کرنے والا لازماً دہشت گرد اور آمریت پسند جنونی ہے کیونکہ جمہوریت کے سوا کوئی دوسرا نظام حکومت تو ممکن ہی نہیں اگر کوئی شخص پرویز مشرف کی مخالفت نہ کرے تو یہ جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ خاموش رہنے والا لازماً پرویز مشرف کا حامی ہے اس لئے مخالفت نہیں کر رہا جمہوری طرزِ سیاست اور جمہوری عمل کے نتیجے میں عوام اور خواص کا ایک خاص ذہنی سانچہ بن گیا ہے لہٰذا وہ تمام معاملات کو صرف حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں سیکولر تعلیمی اداروں نے اس طرزِ خیال کو عام کرنے میں خاص کردار ادا کیا ہے اور اس کردار کی آخری انتہا پارلیمنٹ ہے جہاں حزب اعتدال کا وجود نہیں ہوتا تعلیمی اداروں میں جب بھی مباحثے ہوتے ہیں تو یہ دو ایوانی مباحثے ہوتے ہیں ایک کی قیادت قائد ایوان کرتا ہے دوسرے کی قائد حزب اختلاف تیسرا ایوان قائد حزب اعتدال اس سے غائب ہوتا ہے یہی حال پارلیمنٹ کا ہے وہاں قائد حزب اختلاف اور قائد حزب اقتدار کے سوا تیسرا ایوان نہیں ہوتا لہٰذا لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ وہ یا تو ادھر بیٹھیں یا ادھر بیٹھیں اس کے سوا ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی یہ طریقہ اپنی دانست میں انتہا پسندی کے رویوں کو مہمیز دینے کے لئے خاص حکمت عملی کے تحت اختیار کیا گیا ہے [واضح رہے کہ پارلیمنٹ میں قائد حزب اختلاف کو باقاعدہ سرکاری مراعات دی جاتی ہیں لہٰذا اب یہ عہدہ بھی مفادات کے حصول کا اچھا ذریعہ ہے] اس رویے کے نتیجے میں عام آدمی سے لے کر بڑے بڑے دانشور تک ہر مسئلے اور معاملے کے صرف دو ہی پہلو دیکھتے ہیں ایک تاریک پہلو دوسرا تاریک ترین اور ہر ہنگامے کو حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے حوالے سے جانچتے ہیں اور اس کی روشنی میں بڑی سہولت سے فتوے دیتے رہتے ہیں اس طرزِ عمل کے نتیجے میں معاشرہ اعتدال توازن خوف خدا حق اور عدل سے عاری ہو گیا ہے جو حزب اقتدار میں ہے اسے حکومت کے عیوب نظر نہیں آتے جو حزب اختلاف میں ہے اسے حکومت کے ہر کام میں سو عیب نظر آتے ہیں مواخات اخوت برادری محبت جمہوری نظام میں پنپ ہی نہیں سکتے یہ تو اقتدار کی جنگ ہے جو حریص و حاسد فرقوں اور فریقوں،

F:\Shah\March April 2008\Points

گروہوں کے درمیان اگلے انتخابات تک انتخاب جیتنے کے لئے جاری وساری رہتی ہے اس طرزِ زندگی اور طرزِ فکر نے اسلامی معاشروں کی اخلاقیات کوتہس نہس کردیا ہے اس لئے ہماری سیکولر جماعتوں اور دینی جماعتوں کی سیاسیات اخلاقیات اعتدال توازن سے عاری ہوگئی ہے۔ کیا یہ نقطۂ نظر درست ہے یا دوسری انتہا ہے ایک اہم جائزہ۔[۱۱۰] علی گڑھ، جامعہ ملیہ، آکسفورڈ، کیمبرج، ہارورڈ، سوربون، ہائڈل برگ، اسٹین فورڈ اور کراچی یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں سے اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ وہ تعلیم کیوں حاصل کرتے ہیں تو ان مختلف براعظموں کی جامعات کے روشن خیال ذہین فطین طالبان مشترکہ طور پر ایک ہی جھوٹ بولیں گے کہ ہم علم حاصل کرنے کے لیے جامعہ میں داخلہ لیتے ہیں ہم تاریخ کے ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جب دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے تمام طالب علم رنگ ونسل مذہب زبان کی تفریق کے بغیر مشترکہ طور پر یہ جھوٹ دھڑلے سے بول رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک اچھی نوکری کے لئے ان جامعات میں داخلہ لیتا ہے اس لئے بھاری فیسیں بھی ادا کرتا ہے اگر تمام اخبارات میں یہ اشتہار شائع کرادیا جائے کہ دنیا کی کسی جامعہ سے ڈگری لینے والے کوسرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں نوکری نہیں ملے گی تو یہ تمام جامعات ویران اجاڑ سنسان ہوجائیں گی اور ایک طالب علم بھی ان کا رخ نہ کرے گا دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ درس گاہوں سے علم رخصت ہوا اور تعلیم آگئی اور یہ تعلیم پیسے سے مشروط ہوکر پیسہ کمانے کا ذریعہ بن گئی یہ جان ڈیوی کے تعلیمی نظریات کا کمال ہے لیکن دنیا کی اکیس تہذیبوں کے نظام تعلیم میں کوئی طالب علم مال کمانے کے لیے داخلہ نہیں لیتا تھا لیکن سب روزگار سے لگ جاتے تھے ہم دنیا کی تاریخ کے ذلیل ترین دور میں جی رہے ہیں جب ہر طالب علم اسکول کالج سے لے کر یونیورسٹی تک صرف اس لئے داخلہ لیتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پیسے کما سکے لہٰذا اس شعبہ میں داخلہ لیتا ہے جہاں سے زیادہ پیسہ مل سکے اس لئے اب فلسفے، لٹریچر، لسانیات کے شعبے اجاڑ اور ویران پڑے ہیں۔ عالم اسلام میں جدید تعلیم کے نتائج کا پہلا جائزہ۔[۱۱۱] شبلی نے اپنے انتقال سے چھ ماہ پہلے اہل حدیث مولوی سید عبدالسلام کے استفسار کے جواب میں اپنے عقائد وافکار کے سلسلے میں ایک وضاحتی تحریر لکھی اس میں صاف طور پر بیان کیا کہ وہ صفات الٰہی کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اپنی کتاب الکلام میں بھی شبلی نے لکھا ہے کہ اسلام کا ایک بڑا فرقہ معتزلہ مادہ کو قدیم جانتا ہے[الکلام ص ۵۴] شبلی کے یہ دو بیانات واضح کرتے ہیں کہ وہ اصلاً حنفی نہیں معتزلی تھے لیکن سید عبدالسلام کے نام مراسلے میں شبلی نے خود کو حنفی المسلک قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ معتزلہ نہ صفات الٰہی کو مانتے ہیں نہ ذات الٰہی کے سوا کسی چیز کو قدیم سمجھتے ہیں۔ اصلاً یہ عقیدہ ماتریدیہ کا ہے اور شبلی حنفی اشعری نہیں بلکہ حنفی ماتریدی تھی اشاعرہ تو صفات فعلی کو حادث کہتے ہیں کیا شبلی معتزلہ اور ماتریدیہ کے عقائد سے آگاہ نہ تھے یا ان سے سہو قلم ہوا ایک اہم جائزہ[۱۱۲] مولانا عبدالحلیم شرر فقہاً اہل حدیث اور عقیدۃً اشعری تھے شرر سید نذیر حسینؒ محدث دہلوی کے شاگرد تھے اور جب دونوں اکٹھے ہوتے تو اشعریت پر تند وتیز گفتگو ہوتی اس ضد میں شرر نے امام ابوالحسن اشعریؒ کی سوانح عمری لکھنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن یہ خواب پورا نہ ہوسکا شرر اشعری کیوں بن گئے تھے ایک اہم جائزہ۔[۱۱۲] مہدی افادی کے نام شبلی نے ایک خط میں لکھا تھا کہ علماء کو جس سطح پر لانا چاہتا ہوں اس کے لئے زینے درکار ہیں الغزالی پہلا زینہ ہے دوسرا تاریخ علم کلام پھر اصلی سطح یعنی علم کلام جدید ہے جو زیر تصنیف ہے غزالی میں اگر کُھل کھیلتا تو علماء برسوں بلکہ قرنوں کے لئے ہاتھ سے نکل جاتے اور مجھ کو ان سے کٹ کر الگ ہوجانا منظور نہیں لیکن اس قدر احتیاط کے باوجود علماء شبلی کے ہاتھ سے نکل گئے اس کی بنیادی وجہ جسے شبلی نے خود محسوس کیا زاہدانہ زندگی سے گریز تھا خود کہتے تھے کہ سلف میں بھی بہت سے علماء اور ائمہ گزرے ہیں جن کے بہت سے خیالات اور نظری عقائد جمہور علماء سے مختلف تھے مثلاً وہ قدری تھے یا مرجئ پھر بھی وہ مقبول تھے اور لوگ ان کی قدر کرتے تھے۔ اس کی وجہ بتاتے ہوئے شبلی کہتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ ان بزرگوں کے یہ نظری خیالات ان کے زہد وعبادت واتقاء کے ساتھ تھے اس لئے وہ مقبول تھے اور یہاں یہ کیفیت نہیں[۴۱] شبلی کی علماء میں عدم مقبولیت کا اصل سبب یہی تھا اور تمام جدیدیت پسند مفکرین بشمول سرسید، چراغ علی، احمد دین امرتسری، جعفر شاہ پھلواری، غلام احمد پرویز، سے لے کر جاوید احمد غامدی تک تدین تقوی زہد وعبادت کی زندگی سے گریز کی وجوہات کیا ہیں؟ ان میں سے بیشتر مفکرین نے کبھی فجر کی نماز باجماعت ادا نہیں کی

کبھی تہجد کے لیے نہیں اٹھے آخر کیوں جبکہ قدیم عقلیت و جدیدیت پسند اور منکرین حدیث خوارج و معتزلہ کے علماء نہایت عابد زاہد متقی پرہیزگار اور جید لوگ تھے جدید عقلیئن اور معتزلی ان صفات سے خالی اور عاری کیوں ہیں؟ عہد حاضر کی جدیدیت اس قدر اباحیت پسند کیوں ہے کیا اس کا سبب یہ تو نہیں کہ قدیم فرقے یونانی فلسفے سے متاثر تھے اور جدید مغربی فلسفہ الحاد کفر زندقہ اور بے دینی کے سوا کچھ نہیں سکھاتا جبکہ یونانی فلسفہ اخلاقیات اور خیر کے تصورات ایک خاص مابعد الطبعیات کے تناظر میں رکھتا تھا۔ لہٰذا یونانی فلسفہ ایک اخلاقی وجود کے اقرار پر قائم تھا جس کا اثر معتزلہ میں نظر آتا ہے لیکن جدیدیت تو انکار مذہب سے عبارت ہے لہٰذا اس سے متاثر لوگوں میں دینی شعائر سے عدم دلچسپی اس مغربی فلسفے کا خاص اثر ہے تاریخ و تحقیق کی روشنی میں اہم تجزیہ۔ [۱۱۳] اس نقطہ نظر کا جائزہ کہ قرآن شریف پر نقطے حجاج نے لگائے اور کسی نے یہ نہ کہا کہ حجاج پر قوم کو بھروسہ نہیں بلکہ وہی منقط قرآن آج تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے موجودہ عمارت کعبہ بھی حجاج کی ہے بلاغت کا پورا فن معتزلی علماء جاحظ، عبدالقاہر جرجانی، سکاکی کا بنایا ہوا ہے کسی نے نہیں کہا کہ ان پر امت کو اعتماد نہیں تفسیر کشاف تمام محدثین پڑھتے ہیں حالانکہ اعتزال بھرا ہوا ہے کیا وجہ ہے کہ عہد حاضر کے علماء اب ایسی کتابوں سے ڈرتے ہیں جو خواہ کتنی اچھی ہوں لیکن کسی غلط مُسلم مصنف یا غلط عقیدہ رکھنے والے مسلم مفکر کے قلم سے ہوں کیا اسکی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ اب علم کم ہو گیا ہے یا خود پر بھروسہ نہیں رہا یا اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد قدیم کے معتزلی اور حجاج اپنی عقلیت و آمریت کے باوجود دین سے محبت رکھتے تھے یا یہ کہ جب امت میں نیک و بد کی تمیز ہوتی ہے تو وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتی جب علم نہیں رہتا تو خوف حسد اور شک غالب آجاتے ہیں یا قدیم معتزلی۔ دین کے نصوص پر کسی نہ کسی درجے میں اعلیٰ ترین ایمان رکھتے تھے وہ اپنے تصور دین کے مطابق دین سے بے حد محبت رکھتے تھے لیکن عہد جدید کے معتزلی دین کی اہمیت کے منکر ہیں اور مغرب کی سائنس و ٹکنالوجی کے اسیر لہٰذا یہ اصلاً دنیا پرست اور طالب دنیا ہیں عہد جدید کے پرویز، پھلواری، فضل الرحمان اور غامدی دین سے محبت ہی نہیں رکھتے اور ان کا اخلاقی وجود خود اپنے لئے غیر اخلاقی ہوتا ہے اس نقطہ نظر کا تاریخی واقعات کی روشنی میں مفصل جائزہ اور علماء کرام کا دفاع۔ [۱۱۴] شبلیؒ نے وفات سے چار ماہ پہلے امام ابن تیمیہؒ کی سوانح لکھنے کو فرض اولین قرار دیا اور کہا کہ مجھے رازیؒ و غزالیؒ ابن تیمیہؒ کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں کیا واقعتاً غزالیؒ ابن تیمیہؒ کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں شبلیؒ کا یہ دعویٰ کیا تہافہ اور الرد المنطقیئن کے تقابلی مطالعے کا ثمر تھا۔ اس تبدیلی کی کیا وجوہات تھیں اسی زمانے میں روحانی جستجو کی خلش انہیں بعض صوفیاء کے دروازوں پر بھی لے گئی تھی اور فلسفہ و حکمت کا نشہ ان کے سر سے اترنے لگا تھا شبلی میں آنے والی ان تبدیلیوں کا ماخذ و مصدر کیا تھا اپنے موضوع کا مفصل جائزہ۔ [۱۱۵] شبلی نے مسئلہ ارتقاء پر ایک فلسفیانہ مضمون لکھا تو علماء نے سخت اعتراضات کیئے۔ شبلی مسئلہ ارتقاء کی مابعد الطبیعیات اور جزئیات سے واقف نہ تھے لیکن مغرب سے مرعوبیت کے باعث اس کا اثبات ضروری سمجھتے تھے۔ سید سلیمان ندوی نے قرآن مجید اور ارتقاء کے نام سے شبلی پر اعتراضات کا جواب دیا جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ یہ مسئلہ قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے شبلی کی تحقیقات مضامین و تصانیف پر اس زمانے میں مخالفانہ تبصرے ہوتے تھے۔ شبلی کی متعدد کتابوں کا رد لکھا گیا لیکن شبلی نے کسی کا جواب نہیں دیا۔ شبلی کی تمام کتابیں متکلمانہ اسلوب میں لکھی گئیں تھیں۔ لہٰذا جدید علم کلام کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے شبلی پر کیا جانے والا نقد نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اگر لوگوں کے کتب خانے میں یہ نقد محفوظ ہے تو براہ کرم اس کی نقول مہیا کی جائیں تاکہ جدید علم کلام کی تاریخ از سر نو مرتب کر کے اس میں شبلی کے مقام و مرتبے کا تعین کیا جا سکے۔ [۱۱۶] شبلیؒ کو جدید تعلیم یافتہ فرقہ سے اس بات کی شکایت تھی کہ یہ اجتہاد و جدت کے دعوؤں کے باوجود مقلد محض ہے یہی شکوہ انہیں اہل دین سے تھا کہ ''معلوم نہیں مسلمانوں میں کونسی مبارک ساعت میں تقلید کی بنیاد پڑی تھی کہ زمانہ کے سینکڑوں ہزاروں انقلاب کے بعد بھی اس کی بندشیں ابھی تک کمزور نہیں ہوئیں'' ان تمام اعتراضات کے باوجود شبلی نے وفات سے چھ ماہ قبل مئی ۱۹۱۴ کو تحریری اعتراف کیا کہ میرے عقائد وہی ہیں جو حضرات حنفیہ کے عقائد ہیں میں عقائد اسلام اور مسائل فقہہ دونوں میں حنفی ہوں [ص ۸۲۳ حیات شبلی مصنفہ سلیمان ندوی] کیا یہ شبلیؒ کا ارتقاء تھا یا انحطاط و زوال یا صراط مستقیم پر ثابت قدمی و تیز گامی کیا وجہ تھی کہ شبلی جیسے متکلم نے اپنے دور آخر میں مقلد ہونے پر فخر کیا اور تقلید کے راستے پر جان دے دی؟ ایک اہم جائزہ۔ [۱۱۷] ۱۹۰۹ء میں حیدرآباد دکن کا

دارالعلوم مشرقی تعلیم کے امتحانات کے لیے امتحانات کے ذیل میں پنجاب یونیورسٹی سے منسلک وملحق تھا۔شبلی کو شکوہ تھا کہ دارالعلوم پنجاب یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کے بے ہودہ نصاب کی تقلید کیوں کرتا ہے ان کی رائے میں مولوی فاضل اور مولوی عالم کے لیے لاہوری امتحانات نہ دنیا کے کام کے ہیں نہ دین کے جامعہ پنجاب نے بعد میں دارالعلوم کے امتحانات کا سلسلہ موقوف کردیا تھا کہ ہم دوسرے ممالک کے لوگوں کو اپنے امتحانات میں شریک نہیں کرسکتے پنجاب یونیورسٹی کے اس زمانے کے نصاب کا پہلا محاکمہ۔[۱۱۸]شبلی نے حیدر آباد کی مشرقی یونیورسٹی کے زیرعنوان الندوہ میں لکھا تھا کہ ''ہمارے لئے نہ انگریزی مدرسوں کی تعلیم کافی ہے نہ قدیم عربی مدرسوں کی ہمارے درد کا علاج ایک معجون مرکب ہے جس کا ایک جز مشرقی اور دوسرا مغربی ہے[ص۵۱۳] حیدرآباد عثمانیہ یونیورسٹی کا اولین خاکہ شبلی نے تیار کیا تھا نظام دکن علوم مشرقیہ کی یونیورسٹی بنانا چاہتے تھے۔اور اس کے نصاب کی تشکیل اور جامعہ کی صدارت کے لئے شبلی کو طلب کیا گیا تھا انھوں نے انکار کردیا حمید الدین فراہی نے دارالعلوم کی صدر نشینی قبول کرکے مشرقی یونیورسٹی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اور دینیات اور ادبیات کے علاوہ اس درس گاہ میں تمام علوم اردو میں پڑھائے جانے کا خیال پیش کیا ناظم تعلیمات ڈاکٹر الماطیفی کی اعانت سے یہ منصوبہ منظور ہوگیا لیکن اچانک سر راس مسعود ناظم تعلیمات بن گئے جنھوں نے مشرقی یونیورسٹی کے بجائے اسے اردو کی ایک ایسی مغربی یونیورسٹی کا جامہ پہنا دیا جس میں دینیات کی حیثیت ثانوی ہوگئی اور علوم مشرقیہ اس کا ایک صیغہ ہوکر رہ گئے ۱۹۱۷ء میں فراہی دل برداشتہ ہوکر آگے اور عثمانیہ یونیورسٹی موجودہ صورت میں نمودار ہوئی یہ وہ عثمانیہ نہیں ہے جس کے بنانے کا ارادہ کیا گیا تھا[ص۵۱۵] جامعہ عثمانیہ کے بارے میں چند نئے انکشافات [۲۹]علی گڑھ کے ڈاکٹر منصور نے برلن میں ڈاکٹر سخاؤ کی نگرانی میں عربی جغرافیہ نویسوں پر ۱۹۱۵ میں مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۰ء تک وہ برلن میں رہے اور مستشرق ونیسک کے ساتھ مل کر حدیث کی فہرست بنانے کا کام کیا قرآنی آیات کا جرمن ترجمہ جو مولوی صدر الدین احمدی صاحب کے نام سے شائع ہوا اس بارے میں ان کا دعوی تھا کہ یہ ترجمہ ان کا کیا ہوا ہے کیا یہ دعویٰ درست تھا؟شبلی نعمانی ڈاکٹر منصور کے عربی وظیفے کے لئے ان کی سفارش پر آمادہ نہ تھے کیونکہ ان کی عربی استعداد کو وہ نہایت معمولی سمجھتے تھے کیا ڈاکٹر منصور نے اتنی عربی استعداد پیدا کرلی تھی کہ وہ عربی قرآن کا جرمن ترجمہ کرسکتے تھے؟ ایک اہم علمی جائزہ۔[۱۱۹] ندوہ کے بانیوں میں مفتی لطف اللہؒ صاحب علی گڑھی اہم ترین ہستی تھے جن کے شاگردوں کی فہرست میں محمد علی مونگیریؒ، مفتی عبداللہؒ ٹونکی، مولوی احمد حسنؒ کانپوری، مولوی عبدالحق حقانی تفسیر حقانی دہلی مولوی ظہورؒ الاسلام فتح پوری، مولوی وحیدؒ الزماں، مولوی ماجدؒ علی جونپوری، پیر مہر علیؒ شاہ، مولوی حبیب الرحمانؒ شیروانی وغیرہ شامل تھے۔مولوی لطف اللہؒ صاحب نے عمر بھر کسی کی تکفیر نہ کی ان کا سلسلہ عقیدت مولانا شاہ فضل رحمانؒ گنج مرادآبادی سے ملا ہوا تھا مولانا فضل الرحمان شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسحاقؒ محدث دہلوی کے شاگرد تھے اور حضرت شاہ محمد آفاقؒ مجددی سے بیعت تھے ندوہ کا خواب مدرسہ فیض عام کانپور کی چٹائیوں پر بیٹھ کر دیکھا گیا اس مجلس میں جو ۱۸۹۳ میں منعقد ہوئی مولانا لطفؒ اللہ علی گڑھی، حافظ شاہ حسینؒ الہ آبادی اشرفؒ علی تھانوی مولانا خلیلؒ احمد سہارنپوری، مولانا ثناء اللہؒ امرتسری مولانا نورؒ محمد پنجابی مولانا احسنؒ کانپوری، محمد علیؒ مونگیری، شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسن، شاہ سلیمانؒ پھلواری حکیم ظہور الاسلامؒ فتح پور مولانا عبدالغنی، حکیم نورالحسنؒ گنگوہی اور حضرت شاہ فضل الرحمانؒ گنج مرادآبادی کے خلیفہ شاہ حافظ تجمل حسینؒ صاحب دیسنوی بھی شامل تھے ان علماء نے مجلس ندوۃ العلماء تشکیل دی مولانا محمد علی مونگیریؒ لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد بھی تھے اور مولانا شاہ فضل الرحمانؒ کے مرید وخلیفہ تھے پہلا اجلاس شوال ۱۳۱۵ھ کو منعقد ہوا اس اجلاس کا کمال یہ تھا کہ اس میں ہر مکتب فکر کے جید علماء شریک تھے علمائے کے احناف سے ہٹ کر اہل حدیث میں سے مولوی ابراہیم آرویؒ، مولوی محمد حسین بٹالویؒ، شیعہ مجتہد مولوی غلام الحسنینؒ کنتوری بھی شامل تھے اس اعتبار سے ندوہ مجمع البحرین معلوم دیتا تھا اجلاس کے موقع پر اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خانؒ بریلوی نے ایک رسالہ بھی پیش کیا جس میں مفتی عنایتؒ احمد صاحب، مولوی لطفؒ اللہ علی صاحب اور مولویؒ احمد حسنؒ کی بڑے شاندار الفاظ میں مدح وثناء کی تھی[استاذ العلماء ص۴۳۔۴۲ حبیب الرحمٰن شیروانیؒ] اتحاد امت کے اس عظیم آغاز کے باوجود ندوہ شبلیؒ کے باعث علماء میں تنقید کا باعث کیوں بنا ایک اہم تاریخی جائزہ۔[۱۲۰]شبلی

نعمانیؒ نے سرسید کی زندگی میں ان کے کئی قصیدے لکھے لیکن سرسید کی خواہش کے باوجود ان کی سوانح دانستہ نہیں لکھی اور گریز کرتے رہے سرسید نے شبلی سے اپنی تفسیر کا ترجمہ کرانا چاہا تو انھوں نے انکار کر دیا ان کے شاگرد حمید الدین فراہی سے سرسید نے ترجمے کی آرزو کی تو انکار کر دیا گیا لیکن سرسید کی موت پر شبلی نے مرثیہ کیوں نہیں لکھا؟ سید سلیمان ندوی کی رائے یہ ہے کہ مدح لکھنے والے کا دل اب مرثیہ لکھنے کے زمانہ میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اور جھوٹی شاعری اس کی افتادِ طبع نہ تھی [ص ۳۳۲] کیا یہ بیان درست ہے؟ اگر یہ درست ہے تو شبلی نے نواب حسن علی خان کے نام عربی خط میں سرسید کی وفات پر یہ کیوں لکھا کہ ''قومی عمارت کے ستون ہل گئے اور ہماری قوم کا شیرازہ بکھر گیا'' ایک ایسی ہستی کی موت جس نے قوم کا شیرازہ بکھیر دیا ہو وہ مرثیہ کے قابل کیوں نہ سمجھا گیا؟ ایک اہم جائزہ۔

[۱۲۱] ندوہ سے مایوسی کے بعد شبلی نعمانی نے حمید فراہیؒ کے نام خط میں اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ ''ایک کو مرکز بنا کر اس کو دین و دنیا دونوں تعلیم کا مرکز بنایا جائے یہیں خدام دین تیار ہوں مذہبی اعلیٰ تعلیم بھی دلائی جائے گویا ''گروکل'' ہو تم اپنی رائے لکھو [۵۷۵] شبلی نے ندوہ میں خدام الدین کی جماعت کو الگ کر کے ''گروکل'' کے طور چلانے کا فیصلہ کیا تھا۔ شبلی آریہ سماجیوں کے گروکل سے حد درجہ متاثر کیوں تھے ایثار و قربانی کی اعلیٰ ترین نظیریں شبلی کو عہد صحابہ کرام میں کیوں نظر نہیں آ رہی تھیں شبلی جیسے متکلم، فقیہہ کی نظر میں ہندوؤں کا ایک ادارہ اس قدر معتبر و موقر کیوں ہو گیا تھا کہ وہ اس کی طرز پر ایک اسلامی ادارہ بنانا چاہتے تھے ایک اہم تجزیہ: [۱۲۶] مارچ ۱۹۱۰ کے اجلاس ندوہ میں قرآن کے مستند انگریزی ترجمہ کی قرارداد منظور ہوئی۔ یہ ذمہ داری ستر سالہ شیعہ عالم نواب عماد الملک کے سپرد کی گئی جو عربی و انگریزی پر عبور رکھتے تھے اور اس عمر میں روزانہ چار گھنٹے یہ کام انجام دیتے اس ترجمے کی اصلاح و ترتیب کا کام حمید فراہیؒ اور بہاولپور کالج کے پروفیسر مولوی محمد صالح کے سپرد کیا گیا کیا وجہ ہے کہ ۱۹۰۱ میں مسلمان اس قدر وسیع الظرف تھے کہ قرآن کے ترجمے کا کام ایک شیعہ مسلمان کے سپرد کرنے پر کسی کو اعتراض نہ ہوا وسعت کا حال یہ تھا کہ ندوۃ العلماء جیسے مدرسے میں آغا خان کے اعزاز میں استقبالیے منعقد کئے جاتے تھے کیا آج کل ایسا ممکن ہے کیا یہ طرزِ عمل ٹھیک تھا یا غلط تھا ندوہ کے لئے آغا خان اور بوہری فرقے کی عطیہ فیضی کے خاندان کے لوگ عطیات دیتے تھے اور وہ قبول کیے جاتے تھے شبلی نے تو آزاد خیالی کی انتہا کرتے ہوئے نواب بھوپال شاہجہاں بیگم کو ندوہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے مدعو کیا بیگم صاحبہ کے سکریٹری نے اس تجویز کی مخالفت کی لیکن شبلی کو اصرار تھا کہ بیگم صاحبہ کی مالی خدمات کے اعتراف میں ہم انھیں ضرور ندوہ مدعو کریں گے تاکہ وہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھیں لیکن دین کی علمیت اور روحانیت سے واقف بیگم صاحبہ کی دینی حمیت و غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ اسلامی تاریخ، تہذیب، روایت، تعامل امت کو شبلی کے کہنے پر پامال کر کے ایک عورت ہوتے ہوئے ندوہ کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھیں لہٰذا وہ تشریف نہ لائیں شبلی سے زیادہ بیگم صاحبہ کو دین کا فہم حاصل تھا دوسری طرف عطیہ فیضی نے اپنی بہن بیگم صاحبہ نواب جنجیرہ نازلی بیگم سے ندوہ کی کسی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کی درخواست کی تو شبلی نے رد کر دیا۔ شبلی کے دو متضاد رویوں اور سو سال پہلے اس قدر روشن خیالی کا ناقدانہ جائزہ۔ [۱۲۲] نواب عماد الملک کا ترجمہ شدہ قرآن پندرہ پاروں تک مکمل ہو گیا تھا ۱۹۱۴ میں حمید الدین فراہیؒ حیدر آباد پہنچے تو نظر ثانی کا کام تیز ہو گیا۔ چار پاروں کی تصحیح مکمل ہو گئی تھی لیکن نہ وہ مسودہ مل سکا اور نہ وہ سولہ پارے جو شائع ہو گئے تھے دوبارہ مل سکے اس عدم التفات کی تاریخی وجوہات کا پہلا جائزہ انگریزی ترجمہ قرآن کی اس تحریک کے نتیجے میں مولوی محمد علی لاہوری اور پکتھال نے انگریزی میں قرآن کے تراجم کیے اور محمد علی لاہوری کا ترجمہ غالباً پہلا مکمل انگریزی ترجمہ قرآن ہے جو کسی بہ ظاہر مسلمان نام کے اہلِ قلم سے کیا گیا اس سے پہلے کہ تمام انگریزی تراجم غیر مسلموں کے تھے کیا یہ موقف درست ہے؟ تراجم انگریزی قرآن کا پہلا تقابلی جائزہ۔ [۱۲۳] ۱۹۱۲ء میں شبلی نے مجلس علم کلام کی بنیاد ڈالی جس میں علوم نقلیہ اور علوم فلسفہ کے ماہرین کو جمع کرنے کا ارادہ کیا گیا تاکہ فلسفہ جدیدہ کے نئے اعتراضات کی تردید و تنقید کا کام وسیع اور ٹھوس پیمانے پر کیا جا سکے کہ فلسفہ جدیدہ کے کون کون سے مسائل مذہب کے مخالف اور یہ مسائل کہاں تک یقینی ہیں اور ان کی بناء پر مذہب پر جو اعتراضات پڑ سکتے ہیں ان کا جواب کیا ہے؟ اس مجلس میں مولوی مفتی عبداللہ ٹونکی، مولانا شبیر علی حیدر آبادی، سید رشید رضا مصر ڈاکٹر سر محمد اقبال، مولوی حمید فراہیؒ، مولوی

عبدالقادر بی اے بھاگلپوری، کوشامل کیا گیا تھا۔۱۴ مارچ ۱۹۱۲ کے مسلم گزٹ میں اس مجلس کی تجویز مضمون کی صورت میں شائع ہوئی تھی مگر یہ مجلس کام نہ کرسکی تاریخ کے ایک گمشدہ ورق کا تذکرہ پہلی مرتبہ۔[۱۲۴] شبلی نے ۱۶ ستمبر ۱۹۱۴ء کے مکتوب بنام شیروانی میں دارالمصنفین اور دارالتکمیل کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ دارالتکمیل میں ادب اور تفسیر کی تکمیل کے طلبہ کی تیاری کا ارادہ تھا تصنیف وتالیف کے طلباء کے لئے شبلی نے چھوٹے چھوٹے عنوانات اوران کے متعلق ذخیرہ معلومات اور کتابیں طلباء کو مہیا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا طلباء ان عنوانات پر جو کچھ لکھیں گے اس کا عیب و ہنر بتایا جائے گا پھر پمفلٹ رسالے اور پھر تصانیف کرائی جائیں گی یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ایک لائق مصنف ہزاروں آدمیوں کے دل پر حکمرانی کرتا ہے لہٰذا ارباب قلم کی تیاری اہم ترین کام ہے تصنیف وتالیف کی کوئی انجمن کوئی ادارہ کوئی مدرسہ اس وقت موجود نہیں۔ دارالمصنفین میں مصنفین کی تیاری اب کس طرح ہوتی ہے۔ ندوۃ المصنفین اور ادارہ تحقیق وتصنیف پان والی کوٹھی علی گڑھ میں مصنفین کس طرح تیار کیے جاتے ہیں عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں مصنفین کی تیاری کے مختلف مراحل کا مطالعہ ایک اہم تقابلی جائزہ۔[۱۲۵] دارالمصنفین میں شبلی نے قلم کاروں کی مدت تعلیم دوسال رکھی تھی خواہ تکمیل کی یا تصنیف کی یا تکمیل کے طالب علم کو قرآن مجموعہ تفسیر، حدیث اور علم کلام مع فلسفہ کی تکمیل لازمی تھی درجہ تصنیف میں انشاء پردازی کا فی الجملہ مذاق عربی صرف ونحو سے واقفیت اور ادب میں معمولی استعداد لازمی تھی شرکت کے خواہش مندوں سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ ان کا مقصد زندگی کیا ہے وضع ولباس وفرائض میں علماء کی وضع کے پابند رہ سکتے ہیں یا نہیں مسعود ندوی کے نام شبلی نے [غالبًا اپنے اور مولانا ابوالکلامؒ کے تلخ تجربات کی روشنی میں] واضح طور پر لکھا تھا کہ داخلہ لینے والے طلباء کے لئے گو یہ جزئی بات ہے لیکن میں شیروانی اور بوٹ تک کو ناپسند کرتا ہوں۔ قصّ لحیہ [یعنی داڑھی کو چھوٹا کرنا] تو سخت ناگوار ہے میں صرف تعلیم نہیں تربیت بھی چاہتا ہوں ایسے لوگ درکار ہیں جن کی سیرت وصورت دونوں عالمانہ ہوں علماء کا ہمیشہ قاضی ابویوسف کے زمانے سے ایک خاص لباس رہا ہے طلبہ بھی اسی کے قریب قریب استعمال کرتے تھے [۷۹۲] کیا وجہ ہے کہ دبستان شبلی کے وارث جاوید غامدی شبلی کے ان تمام نشانات راہ کو مٹانے کے درپے ہیں؟ ایک اہم جائزہ۔[۱۲۶] مولوی عبدالشکور لکھنوی مدیر النجم نے الہلال میں مطبوعہ سیرت النبی کے مقدمے پر اپنے رسالے میں سخت نقد لکھا تھا شبلی نے سیرت النبی کے جلد اول کے صفحہ ۵ پر بڑے حاشیے میں جو لکھا ہے وہ اسی جواب کا حصہ ہے جو مولوی صاحب کے اعتراضات کے رد میں شبلی نے لکھا تھا لیکن کسی اور نام سے شائع کیا گیا تھا۔ مولوی عبدالشکور لکھنوی کے اعتراضات اور شبلی کے جواب کا پہلا تقابلی جائزہ[۳۷] جدید علم کلام کے سلسلے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خان آگرہ، مولانا رحم علی منگلوری، مولانا عنایت رسول چریاکوٹی، مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری، کرامت علی جونپوری، سرسید، شبلی نعمانی، مولوی چراغ علی، امیر علی، خدابخش مولانا لطف علی گڑھی کی خدمات کا پہلا مفصل جائزہ۔[۱۲۷] قفال کی کتاب محاسن الشریعہ شبلی کے علم کلام کی تشکیل میں اہم کردار رکھتی ہے شبلی نے قفال کے قلمی نسخے کا مطالعہ بمبئی کی جامعہ مسجد کے مرکزی کتب خانے میں اپنے قیام بمبئی کے دوران کیا تھا۔ قفال بہت بڑے متکلم تھے۔ عقلی طرز پر قرآن مجید کی تفسیر کی تھی تفسیر کبیر میں جا بجا ان کے اقوال مذکور ہیں علم کلام کے بانیوں میں سے تھے۔ شبلی نے قسطنطنیہ میں قدیم علمی جواہرات کی دکانیں دیکھیں لیکن وہاں کتب خانوں میں علماء معمولی درجے کی کتابیں معانی، ایساغوجی، شرح وقایہ، جلالین کے سوا کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے شبلی نے پورے عالم اسلامی میں ترکی جیسا نادر و نایاب خزانہ کتب اسلامی کہیں نہ دیکھا شبلی کے مشاہدات سو برس قبل کے ہیں کیا آج سو برس کے بعد عالم اسلام کی حالت پہلے سے بہتر ہے یا بدتر کیا قدیم علمی جواہرات مخطوطات، کا مرکز اب بھی ترکی ہے یا بیروت یا مصر یا ہند کیا علماء اب ترکی اور عالم عرب کے علماء معمولی کتابوں کے بجائے متنوع کتابیں پڑھنے لگے ہیں عالم اسلام میں مدارس عربیہ کے کتب خانوں اور خاص دینی کتب خانوں کا کیا حال ہے ایک اہم جائزہ۔[۱۲۸] حالی کے خیال میں جاحظ کی البیان والتبین نثر کا حماسہ ہے شبلی کہتے تھے میں دریا ہوں اور حالی کنواں ہیں میرا علم دریا کی طرح وسیع ہے اور حالی کے پاس معلومات اگرچہ کم ہیں لیکن وہ گہرے ہیں وہ سمجھتے تھے کہ حالی کو کمال اجتہاد حاصل ہے حیات سعدی کو بے حد پسند کرتے تھے۔ کیا شبلی کا یہ نقطۂ نظر درست ہے جبکہ حالی کٹر جدیدیت پسند تھے اور حالی کے

یہاں مغرب کے حوالے سے نہ گہرائی ہے نہ اجتہادی بصیرت بلکہ حالی مغرب سے سرے سے واقف ہی نہیں تھے مسدس حالی تو مکمل طور پر مغرب کا جذباتی منہاج مہیا کرتا ہے ایک اہم جائزہ۔[۱۲۹]شبلی صبح کو بہت سویرے اٹھتے تھے اور سویرے ہی وضو کر کے نماز پڑھتے تھے۔علمی مشغولیات و مصروفیات کے باعث باجماعت نماز کا اہتمام نہ کرتے تھے علی گڑھ جا کر شبلی کے مذہبی خیالات میں بہت کچھ وسعت اور آزادی پیدا ہوگئی تھی لیکن اس کے باوجود وہاں باجماعت نماز کا اہتمام شبلی نے شعار بنالیا تھا''یہ بھی سچ ہے کہ جس شدت کے ساتھ وہ پہلے فرائض مذہبی کے پابند تھے علی گڑھ میں وہ اہتمام وتشدد باقی نہیں رہا بلکہ حیدرآباد تک یہی حال رہا۔اور یہ متکلمین کی ہر قسم کی کتابوں کے مطالعے کا نتیجہ تھا اور کچھ ماحول کا اثر بھی لیکن اس حال میں بھی حنفیت کا غلو اپنی جگہ قائم رہا''یہ سید سلیمان ندوی کی شہادت ہے اور انہی کے الفاظ ہیں۔کیا وجہ ہے کہ جدیدیت پسندوں کی صحبت اور ماحول شبلی جیسے متکلم جید عالم،فقیہہ،ناقد کو بھی آزاد رو بنا دیتی ہے۔ایک جائزہ۔[۱۳۰]شبلی کو شکوہ تھا کہ میری عجیب قسمت ہے میں تو پکا حنفی ہوں اور جو مجھ سے پڑھتا ہے وہ اہل حدیث ہو جاتا ہے۔حمید الدین فراہیؒ کا بھی یہی حال ہوا اور سلیمانؒ ندوی کا بھی یہی حال ہے فراہیؒ اپنے چچا مولوی سلیم صاحب کے اثر سے عامل بالحدیث تھے ایک زمانے میں اہل حدیث ہو گئے تھے پھر رجوع کر لیا پھر حضرت گنگوہی کے فیض یافتہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔سلیمان ندویؒ میلان خاطر کے باعث کبھی کبھی رفع یدین کرتے تھے لیکن وہ آخر تک حنفی رہے شبلی کے دو اہم شاگردوں کے معمولات کا جائزہ۔[۱۳۱]شبلی عقائد وخیالات کے لحاظ سے عقلیت پسند تھے یعنی وہ احکام مذہبی کو لازماً مصالح وحکم پر مبنی سمجھتے تھے اسی لئے احکام الٰہی کی مصلحتوں اور حکمتوں کی تلاش میں رہتے تھے اور اشاعرہ کے اس خیال سے کہ''احکام الٰہی کا منشاء محض مشیت الٰہی ہے اور وہ کسی مصلحت و حکمت پر مبنی نہیں سخت مخالف تھے لیکن معجزات اور خرق عادات کے قائل تھے پہلے پہل بہت کم معجزات کے قائل تھے وہ معجزات جن کے حق میں قرآن کے الفاظ ثبوت میں قطعی الدلالۃ ہوں یہ نقطہ نظر شبلی نے قفال ابو مسلم اصفہانی اور ابوبکر اصم کی پیروی میں اختیار کیا تھا لیکن تالیف سیرت کے وقت احادیث صحیحہ میں بیان کردہ تمام معجزات کے قائل ہو گئے تھے ایک زمانے میں ملائکہ کا اطلاق بعض ملکات نبوی اور ملکات بشری پر کرتے تھے لیکن سیرت کی تالیف کے زمانے میں جبریل امین اور دوسرے فرشتوں کے شخصی وجود کے قائل ہو گئے تھے ایک زمانے میں حشر نشر،جنت و دوزخ،اور واقعات بعد الموت کو فقط روحانی سمجھتے تھے مگر سیرت النبی کی تالیف کے زمانے میں مطالعہ احادیث کے بعد ان کے ذہن وعقل کی دنیا ہی بدل گئی تھی اس انقلاب کا سبب تصانیف علامہ ابن تیمیہ تھیں[۸۲]شبلی کے دینی ارتقاء کا جائزہ شبلی کے شاگرد سید سلیمان ندوی کے بیانات کی روشنی میں اس بات کا جائزہ کہ احادیث سے دوری اور علم حدیث سے عدم دلچسپی عقلیت کو کیوں فروغ دیتی ہے کیا حدیثوں کے ذریعے دماغ کی ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں اور قلب کی دنیا منور اور معطر ہو جاتی ہے علم حدیث کی برکت سے کن کن متکلمین اور عقلیئن کی دماغی دنیا بدل گئی اور قلبی دنیا منور ہوگئی ایک اہم جائزہ۔[۱۳۲]وفات سے چھ ماہ پہلے ۹ مئی ۱۹۱۴ء کی ایک تحریر میں شبلی نے واضح طور پر لکھا کہ میرے عقائد وہی ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں میں عقیدۃً اور فقہاً دونوں لحاظ سے اہل سنت و جماعت سے ہوں باقی میرے عقائد وہی ہیں جو حضرات حنفیہ کے عقائد ہیں میں عقائد اسلام اور مسائل فقہیہ دونوں میں حنفی ہوں[۸۲۳]سلیمان ندوی نے لکھا ہے''اتنا درست ہے کہ فلسفہ وحکمت کا نشہ ان کے سر سے اتر چکا تھا اور وہ یہ کہنے لگے تھے

دودل بودن دریں رہ سخت ترعیب است سالک را | خجلہستم ز کفر خود کہ دارد بوے ایمان ہم
فلسفی سر حقیقت نتو انست کشود | گشت را نہ دگر آں راز کہ افشاء می کرد

گویا دبستان شبلی کے بانی شبلی نعمانی عقائد وفقہ میں حنفی مقلد تھے لیکن ان کی جانشینی کا دعویٰ کرنے والے جاوید غامدی نہ شبلی کی تقلید کرتے ہیں نہ فراہیؒ کی نہ اصلاحی وہ اپنے نفس کے بے قید سوار کے پیرو ہیں۔اس کے باوجود غامدی صاحب کا یہ ادعا کہ وہ دبستان شبلی کے واحد وارث ہیں کن علمی بنیادوں پر انحصار کرتا ہے ایک اہم جائزہ۔[۱۳۳]سرشتہ علوم وفنون حیدرآباد دکن کے پہلے ناظم شیعہ عالم مولانا محمد مرتضی مقرر ہوئے جو خود کو فلسفی کہتے تھے اور معقولات کا بڑا دعوی رکھتے تھے۔ایک وسیع النظر شیعی عالم تھے علم کلام میں''معراج العقول''

نامی عربی میں مبسوط کتاب کے مصنف تھے جو ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی مولانا ابوالکلام آزادؒ نے الہلال میں اس کتاب پر مداحانہ تبصرہ کیا تھا۔اس کتاب کے مباحث کا خلاصہ اور جائزہ۔[۱۳۴] ندوۃ العلماء کی تحریک ۱۸۹۳ میں اٹھی لہٰذا ۱۸۹۳ کا ذکر کرتے ہوئے سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں یہی زمانہ تھا جب سر سید کے مشورے سے مولانا شبلیؒ نے خلافت پر ایک مسلسل مضمون لکھنا چاہا جس میں ترکوں کی خلافت کی مذہبی حیثیت سے انکار کیا تھا یہ مضمون علی گڑھ میگزین میں چھپا مگر چونکہ یہ آورد تھا آمد نہ تھا اس لئے وہ ناتمام ہی رہا۔۱۹۲۰ء میں جب میں رکن وفد خلافت کی حیثیت سے لندن گیا تھا تو پروفیسر آرنلڈ اکثر اس مضمون کو یاد دلاتے میں کہتا تھا کہ مولانا نے لکھا نہیں لکھوایا گیا تھا بہرحال انگریزوں کی یہ بدگمانی بڑھتی ہی رہی[ص ۲۸۱، حیات شبلی] یہی واقعہ سید سلیمان نے حیات شبلی کے ص ۶۳۱ پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے سر سید کی وفات کے بعد ۱۸۹۸ء میں یونان وروم کی جنگ کے موقع پر جب مسلمانوں میں بڑا جوش وخروش تھا انھوں نے علی گڑھ کالج میگزین میں خلافت پر تین چار صفحوں کا ایک مضمون لکھ کر یہ بتانا چاہا کہ تاریخِ اسلام میں اب تک کسی غیر قریشی نے خلافت کا دعوٰی نہیں کیا ہے اس لئے ترکوں کا دعوٰی خلافت بھی تسلیم کے قابل نہیں لیکن چونکہ یہ مضمون آورد تھا آمد نہ تھا اس لئے ایک نمبر کے بعد اس کے دوسرے نمبر کا چھپنا بلکہ شاید سپرد قلم ہونا بھی نصیب نہ ہوا اور اسی طرح ناتمام رہا ۱۹۲۰ء میں جب لندن میں وفد خلافت کے رکن کی حیثیت سے تھا تو پروفیسر آرنلڈ میرے پاس تشریف لاتے اور مولانا کے اس مضمون کا حوالہ دے کر ترکوں کے دعوے خلافت کو بے بنیاد ثابت کرنا چاہتے تھے میں کہتا کہ یہ مضمون مولانا نے لکھا نہیں ان سے لکھوایا گیا ہے اور اس کی ناتمامی خود اس کی دلیل ہے''۔سید سلیمان ندویؒ کے دو متضاد موقف ثابت کرتے ہیں کہ یہ مضمون شبلی نے اپنے ایماء پر لکھا اس کا سر سید سے کوئی تعلق نہیں تھا سید صاحب کے دونوں بیانات کی تاریخیں بالکل مختلف ہیں یہ مضمون سر سید کے انتقال کے بعد لکھا گیا تھا کس نے لکھوایا اس کا نام مخفی ہے۔سید سلیمان ندویؒ نے شبلی کے دفاع میں دو مختلف متضاد متصادم اور کم زور موقف کیوں اختیار کئے؟ اہم جائزہ[۱۳۵] الندوہ میں مولانا شبلیؒ نے رجب ۱۹۰۸ء میں ایک مضمون لکھا کہ ''مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیونکر رہنا چاہیے اور اس میں ثابت کیا کہ مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ قومی شعار رہا ہے کہ وہ جس قوم کی حکومت میں رہیں اس کے وفادار ہو کر رہیں[مقالات شبلی جلد اول] سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں یہ مضمون لکھ کر گویا مولانا نے گورنمنٹ کے اس کے چھ ہزار سالانہ امداد کی قیمت ادا کی جو اس نے دارالعلوم کو دینا منظور کی تھی[ص ۶۳۲، ۶۳۱] شبلی اپنے موقف پر ۱۹۱۴ء میں اپنی وفات تک قائم تھے کہ انگریزوں کی اطاعت وفرماں برداری مسلمانوں پر فرض ہے اس کی تفصیل مکاتیب شبلی میں ماجد دریابادی کے قلم سے درج ذیل ہے:

''مولانا نے یہ پورا واقعہ ۵رفروری ۱۹۱۴ء کے ایک خط میں لکھ کر مجھ کو بھیجا، میری نظموں کی ضبطی کا یہاں بہت برا اثر ہوا، لفٹننٹ گورنر صاحب سے ایک پارٹی میں سامنا ہو گیا پہلے تو کہا ''مزاج مقدس'' پھر شکایت آمیز بلکہ طعن آمیز فقرے کہے ابھی تک میں ان سے مل نہ سکا، جاسوسوں نے ان کو سب نظمیں پہنچائیں اور معنی سمجھائے، چیف سیکریٹری صاحب بھی مجھ سے شاکی تھے، میں نے کہا یہ اتفاقیہ خلافِ معمول بات ہوئی ورنہ میں نے تو ہمیشہ بے تعصبی پھیلانے کی کوشش کی ہے۔''اس واقعہ کی مزید تفصیل مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی کے ایک بیان سے معلوم ہوتی ہے جو انھوں نے مکاتیب شبلی میں مولانا کے ایک رقعہ کی تشریح میں حاشیہ کے طور پر لکھا ہے۔

تحریر بالا شب کو ملی میں اسی وقت گیا، مولانا بہت دیر تک تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے، ماحصل یہ تھا کہ گورنمنٹ آج کل مجھ سے بدظن ہے، خصوصاً معاملۂ کانپور کے متعلق میری نظموں سے، حاذق الملک حکیم اجمل خاں مجھے آج مسٹر برن چیف سکریٹری کے پاس لے گئے تھے، وہ بہت کبیدہ تھے، حالانکہ اس سے پیشتر نہایت اخلاق وتپاک سے ملتے تھے، تم ان کے نام ایک مفصل چھٹی <u>اس مضمون کی میری طرف سے لکھ دو کہ میں مدۃ العمر کبھی انگریزی گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں میری ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ مشرق ومغرب کے درمیان یگانگت بڑھے، اور ایک دوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدت دراز سے چلی آتی ہیں، دور ہوں چنانچہ اس پر میری تصانیف شاہد ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ۱۹۰۸ء میں میں نے الندوہ میں ایک مستقل مضمون کے ذریعے سے یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت ووفاداری مذہباً</u>

فرض ہے اور اسی سال ندوہ کے سالانہ جلسہ میں وفاداری کا ایک رزولیوشن بھی پاس کرایا۔ پھر معاملہ عبدالکریم میں مجھے محض اس جرم پر کہ میں نے اپنے ضمیر کے مطابق ایک باغیانہ مضمون کی اشاعت بند کی، اخبارات میں گالیاں سننا پڑیں، رہا واقعۂ کان پور کے متعلق نظمیں تو وہ ایک ہنگامی جوش کا نتیجہ تھیں جس میں سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔'' [ص ۶۳۴، حیات شبلی] خط کے اسی سلسلہ میں مولوی ماجد صاحب کو شبلی نے یہ دوسرا رقعہ لکھا جو مکاتیب میں شامل ہے۔ ''جس خط کے لیے میں نے شب کو کہا ہے وہ آدمی کے ہاتھ نہ بھیجئے گا یہ بھی مناسب موقع پر بڑھا دیجیے گا کہ ''میں نے اپنے کانشنس کے مطابق معاملہ میں پانچ ارکان کو ساتھ لے کر جو کیا باوجود اس کے کہ بعد کو پبلک کے شور وغل کی وجہ سے سب نے اخبارات کے ذریعے سے اپنی برأت ظاہر کی، اور یہ لکھا کہ ہم نے فلاں شخص کی وجہ سے مجبور ہو کر ایسا کیا، لیکن صرف میں اپنی رائے پر اپنے فرض کے مطابق قائم رہا''۔ [عبدالماجد ۱۲، حیات شبلی، ص ۶۳۴] دوسرے لفظوں میں جہاد کے حق میں مولوی عبدالکریم کے مضمون کے خلاف شبلیؒ کا ردعمل ان کا مذہبی فریضہ تھا تا کہ انگریزوں کی خوشنودی حاصل رہے۔ کیا وجہ ہے کہ مسئلہ جہاد پر شبلی اس قدر خوف زدہ تھے؟ کیا وجہ ہے کہ شبلی نعمانی ۱۸۹۳ء سے ۱۹۱۴ء تک یعنی اپنے انتقال سے پہلے تک انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے؟ جہاد پر لکھی جانے والی تحریروں سے لاتعلقی ظاہر کر رہے تھے جبکہ جہاد پر ایمان و یقین کے بغیر ایمان ہی باقی نہیں رہتا شبلی۔ انگریزوں سے اپنی وفاداری کی داستان ۱۸۹۸ء کے مضمون اور ۱۹۰۸ء کے قصیدے سے پیش کر رہے تھے کیا یہ حکمت عملی تھی تا کہ ندوہ کو انگریز کی دستبرد سے بچا لیا جائے یا فی الواقع شبلی جدیدیت کے باعث انگریزوں کے دل سے حامی تھے جس طرح سرسید اور کرامت علی جونپوری۔ شبلی نعمانی کی حیات اور خدمات کے تناظر میں شبلی کی اس حکمت عملی کا پہلا مثبت ناقدانہ جائزہ

[۱۳۶] شبلی نے تاریخ اسلام وفقہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کہ مسلمان جس قوم کی حکومت میں ہوں اس کے اصلی وفادار ہوں ''محکومیت مسلمان کی شرعی حیثیت'' پر شبلی نعمانی کے مضمون مقالات شبلی جلد اول میں چھپ گئے ہیں۔ لیکن سید سلیمان ندوی کے مطابق افسوس ہے کہ مولانا نے اس دوسرے مضمون ''مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیونکر رہنا چاہیئے' میں ردِ مختار کے جس فقرہ پر اپنے نظریہ کی بنیاد رکھی ہے اس کے صحیح پڑھنے میں ان سے سہو ہوا ہے ویفتر علینا اتباعھم میں انھوں نے اِتباع'' (پیچھا کرنا) کو اِتّباع (پیچھے ہونا یا تابع ہونا) پڑھا ہے اور یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''اگر غیر مذہب والے ہمارے مال پر قبضہ کر لیں اور اس کو اپنے گھر میں جمع کریں تو وہ اس کے مالک ہوں گے اور ہم پر ان کی اطاعت فرض ہے لیکن یہ تمام تر غلط ہے صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''اگر غیر مسلم حملہ کر کے مسلمانوں کے مال و دولت پر قبضہ کر لیں اور اسکو اپنے ملک یعنی دارالحرب میں لیکر چلے جائیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے اور وہ مال مسلمانوں کی ملکیت میں باقی نہیں رہے گا۔ لیکن جب کفار دارالحرب سے آ کر دارالاسلام پر حملہ کر کے مسلمانوں کے مال و دولت پر اس طرح قبضہ کر لیں تو مسلمانوں پر ان حملہ آوروں کا پیچھا کرنا اس وقت تک فرض ہے جب تک وہ دارالاسلام کے حدود میں ہوں، البتہ جب وہ دارالاسلام کے حدود سے نکل جائیں اور مال لے کر دارالحرب میں داخل ہو جائیں تو پھر ان کا پیچھا کرنا مسلمانوں پر فرض نہ رہے گا''۔ [دیکھیے شامی حاشیہ ردالمختار علی الدّر المختار ج ۳ صفحہ ۳۷۷ مصر، حیات شبلی ۲۳۱-۶۳۲] شبلی نے مسلمانوں کی محکومیت کے لئے جو حوالہ دیا ہے اس کا کوئی تعلق شبلی کے موقف سے نہیں بنتا اس حوالے کے متن کا تعلق دفاع، تعاقب اور جہاد سے ہے نہ کہ غیر مسلموں کی فرماں برداری اور اطاعت سے سوال یہ ہے کہ شبلی کی عربی کیا اس قدر کم زور تھی کہ وہ ردِ مختار کی عبارت کا درست مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے یہ کیسے ممکن ہے کہ شبلی کے شاگرد سلیمان ندوی اس عربی عبارت کا درست مطلب سمجھنے پر قادر ہوں اور استاد شبلی عربی عبارت کا درست مفہوم اخذ کرنے سے معذور ہوں۔ واضح رہے کہ اس سے بڑی اور بھیانک غلطی شبلی نے حدود کی عالمگیریت اور ابدیت کے حوالہ سے شاہ ولی اللہ کے موقف میں شاہ صاحب کی عبارت کے ترجمے میں قطع و برید و تحریف کے ذریعے پیدا کر کے اپنے موقف کو الکلام میں دجل سے ثابت کیا اور حجۃ البالغہ کے اسی محرف حوالے کو علامہ اقبال نے خطبات اقبال کے اجتہاد والے خطبے میں ترجمہ کر کے شاہ ولی اللہ سے منسوب کر دیا تھا۔ ساحل

اپریل ۲۰۰۶ء اور سہیل عمر کی کتاب ''خطبات اقبال نئے تناظر'' میں شبلی کی اس جسارت پر بہترین نقد کیا گیا ہے ان دو حوالوں کی روشنی میں اس بات کا جائزہ کہ جدیدیت پسند اپنے خودساختہ افکار کا عکس دوسروں کے ہاں کیسے دیکھتے ہیں اور اپنے موقف کے حق میں اسلامی ماخذات سے دلائل کو تحریف کر کے کس طرح اخذ کرتے ہیں اس حکمت عملی کا پہلا جائزہ

[۱۳۷] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ کیا جزیہ اسلامی سلطنتوں میں غیر مذہب پر ٹیکس کا نام تھا، یعنی کوئی غیر مسلم رعایا اس مذہبی ٹیکس کے ادا کیے بغیر کسی اسلامی سلطنت میں اپنی جان و مال کو محفوظ نہیں رکھ سکتی تھی، [اور اس میں شک نہیں کہ بعض فقہا نے یہی لکھا ہے] کہ جزیہ غیر مسلم کو قتل نہ کیے جانے کا معاوضہ ہے جس کو وہ ادا کرتا ہے، لیکن یہ مسلک ان مسلمان قوموں کا نہ تھا جن کو ہندوستان کی فرمانروائی نصیب ہوئی۔ شبلی کی اس تحقیق کا جائزہ کہ جزیہ قتل کا نہیں بلکہ نصرت کا معاوضہ ہے یعنی اسلامی ملکوں میں ان غیر مسلموں سے جو فوج میں بھرتی نہیں ہوتے تھے، اس لیے یہ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا کہ وہ ان کی فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کا معاوضہ تھا تاکہ مسلمان سپاہی بیرونی حملہ آوروں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کریں، اسی لیے جب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غیر مسلموں نے فوجی خدمت ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے اور مسلمانوں نے ان کی اس خدمت کو قبول کیا ہے تو وہ اس ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیے گئے ہیں۔ سلیمان ندویؒ کے خیال میں شبلی کا تمام تر استدلال کتبِ فتوح و تاریخ سے تھا، اس لیے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو اس کے ماننے میں اب بھی تامل ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فقہائے اسلام رحمہم اللہ گو اس بارہ میں مختلف ہیں کہ جزیہ بقاء علی الکفر یعنی غیر مسلم ہونے کا معاوضہ ہے (ہدایہ) قتل کا بدل ہے یا قتال کا [فتاوی سراجی و فتح القدیر] یا اس بات کا کہ ان کو اسلامی ملک میں سکونت کی اجازت دی گئی ہے۔ [مبسوط ص ۷۸، ج ۱۰] تاہم وہ ائمہ جن کی نظر جزیہ کے ساتھ اہلِ ذمہ کے شرائط مصالحت اور اس کے مصارف پر ہے انھوں نے صاف تصریح کر دی ہے کہ یہ فوجی خدمت سے استثناء کا معاوضہ ہے۔ [۱۳۸] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ عالم اسلام کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جدیدیت اور جدید کاری [Modrenism & Moderenity] کی حقیقت و ماہیت اور حیثیت کو جاننے پہچاننے اور اس کا موثر اور مسکت مقابلہ کرنے والی مذہبی قوت کا کوئی نمونہ ہماری مجموعی اسلامی فکر ابھی تک تیار نہیں کر سکی سید قطبؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید سلیمان ندویؒ، عبدالماجد درآبادیؒ، میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ مغربیت، جدیدیت اور جدید کاری کا علمی محاکمہ کر سکتے تھے لیکن ان حضرات نے اس جانب کوئی توجہ نہیں دی جدیدیت کو صحیح طریقے سے نہ جاننے کا نقصان اسلامی معاشروں میں ایمانیت کے عمومی فقدان کی صورت میں سامنے آیا جدیدیت کی یلغار سے آنکھیں بند کر لی گئیں اور اس کا جواب ماضی کی فتوحات کے سحر میں کھو جانے کو سمجھا گیا جس کے باعث مسلم معاشرے ماضی کی فتح کے مریض بن کر زندگی بسر کرنے لگے وہ فتح جو ان کے پُرکھوں نے اپنے لہو سے حاصل کی تھی صرف اس کی سرشاری سے عہد حاضر میں فتح کے چراغ جلانا ممکن نہ تھا عالم اسلام میں ایمان سے پیدا ہونے والا شعور بتدریج کم ہو گیا اور حالات اور ردعمل سے پیدا ہونے والا شعور غالب ہو گیا جس کے نتیجے میں ہم ردعمل کی نفسیات کے اسیر ہو کر رہ گئے ہمارے ہر عمل کی بنیاد مغرب کا کوئی عمل ہوتا ہے حتیٰ کہ ہمارے جدیدیت پسند مفکرین اسلام کو مغرب کے سانچے میں اس وقت ڈھالتے ہیں جب مغرب سے اسلام پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے جدیدیت نے انکار، سرکشی، طغیانی اور شر پسندی کے نئے افق ایجاد کئے چند صدیوں پہلے تک اسلامی معاشروں میں خدا پیغمبر اور وحی الٰہی کا انکار معاشروں میں ''سفہا'' کا موقف یعنی بے وقوفی تھا لیکن عہد جدید میں ان امور کا انکار اپنی شکل میں عقل و دانش کی ایک نئی جہت ہے اور نہایت خطرناک ابوجہل میں انکار کی اتنی طاقت نہ تھی جتنی طاقت دور جدید کے سائنس فلسفے اور منطق نے عہد جدید کے انسان میں پیدا کر دی ہے۔ فلسفیانہ اور عاقلانہ سطح پر انکار کی طاقت کا یہ خطرہ مسلمانوں کو کبھی درپیش نہ ہوا تھا معتزلہ اور اخوان الصفاء کا انکار اپنے اندر اسلامی مابعد الطبعیات کے بہت سے پہلوؤں کا مخفی اقرار بھی رکھتا تھا۔ لیکن عہد جدید کا انکار تو مابعد الطبیعیاتی سوالات کا

انکار آخرت کا انکار اور موت کا انکار ہے مذہبی تحریکوں اور جماعتوں کی موجودہ حکمت عملی اس شخص کی حکمت عملی ہے جو تیز بارش میں چھتری لے کر کھڑا ہو جائے لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کب تک چھتری کے ذریعے بھیگنے سے محروم رہ سکیں گے انقلابی تحریکوں کی حکمت عملی اس شکاری کی حکمت عملی ہے جس نے ہرن کو نشانے پر رکھا اور تیر پھینک دیا اور مشاہدہ کئے بغیر یقین کر لیا کہ ہرن کا خاتمہ ہو گیا ہے ریت میں سر چھپانے سے صحراء کا طوفان چند لمحوں کے لیے اوجھل ہو سکتا ہے لیکن ہمیشہ کے لیے ٹل نہیں سکتا مذہبی جماعتوں کی موجودہ حکمت عملی ماڈرن ازم اور ماڈرنٹی کی رفتار تیز تو کر سکتی ہے لیکن اسے روک نہیں سکتی مذہبی فکر کو اصولی بامعنی اور عالمگیر صلاحیت کا حامل ہونا چاہیے اسلام کی اصل روح اس کی عالمگیریت ہے جو اسے زماں و مکاں سے ماوراء کر دیتی ہے اور ہر نیا زماں اور ہر نیا مکاں اس کے مابعد الطبیعیاتی فکر کی تازگی کو محسوس کر کے آج کے تاریک مادہ پرست دور میں بھی تازہ دم قوت حاصل کر سکتا ہے المیہ یہ ہے کہ اسلام کی مابعد الطبعیات اس کا پیغام توحید رسالت و آخرت جو دنیا کا طاقت ور ترین پیغام ہے پوری طاقت اور عمل کی صداقت کے ساتھ اہل عالم کے سامنے پیش نہیں کیا جا رہا اسلام کو پندرہ سو برس گزر چکے ہیں لیکن مابعد الطبیعیاتی سطح پر آج تک دنیا کا کوئی مذہب اسلام سے علمی مبارزت کی ہمت نہیں کر سکا اور کوئی مذہب اسلام کی علمیت سے بہتر علمیت پیش کرنے سے قاصر رہا ماضی میں اہل اسلام نے سچائی روحانیت اور وحدانیت کا طاقت ترین تصور عام کیا تھا۔ افسوس کہ مسلمان اہل عالم کے سامنے اپنا پیغام اپنے روحانی وجود کی لطافت کے ساتھ پیش کرنے سے قاصر ہیں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ محض قانون ہے یا چھلکا اور اس چھلکے کے ساتھ وہ روحانی ہستی بھی موجود نہیں جو اس پیغام کا عملی نمونہ ہو اسی لئے دین کا صرف قانونی اور ثانوی تصور کبھی عالمگیر تصور کے طور پر قبولیت حاصل نہیں کر سکتا دین کی زندہ روح سے لازماً ایک ایسا تفکر ولولہ اور انقلاب جنم لیتا ہے جو زماں و مکاں سے ماورا ہو اور ہر زمانے کے لیے کتاب زندہ اور کلام تازہ کا نمونہ ہو صرف قانونی قوت سے مسائل حل نہیں ہو سکتے اس کے لیے کردار اور فکر کی قوت ضروری ہے یعنی دین کا دفاع اور تبلٰغ و تعلیم دین جس کے نتیجے میں ہم دین کے لیے پیش قدمی کے قابل ہو سکیں عہد جدید کے مسائل اور سوالات کو ہم صرف فقہی سطح یا قانون تحکم کے بل پر حل نہیں کر سکتے صبح کے وقت سورج دیکھنے کی خواہش لے کر اگر ہم مغرب کی طرف اپنا رخ کر لیں تو سورج کبھی نظر نہیں آئے گا مسلمانوں اور ان کی تحریکوں کو اپنا رخ درست کرنا ہوگا جدیدیت سے واقفیت کے بغیر اسلامی تحریکیں جدیدیت کے الحاد کا شکار ہو رہی ہیں۔ اور ان کو اس کا اندازہ بھی نہیں ہے یہ سب سے خطرناک صورت حال ہے کہ ایک اسلامی تحریک الحاد سے ناواقف ہو کر نادانستگی میں اسے عین روح اسلام قرار دے لے جس طرح علامہ اقبال نے خطبات میں مغرب کی جاہلیت جہالت اور ضلالت کو اسلام کی توسیع شدہ شکل قرار دیا مغرب سے مرعوبیت کی یہ انتہا آج تک برقرار ہے اور مختلف انداز سے وقتاً فوقتاً مختلف تحریکوں میں ظہور کرتی رہتی ہے ان حالات میں بہترین راستہ یہی ہے کہ دین کو اس کی اصل روح کے ساتھ زندہ کیا جائے اور عہد رسالت کی طرف رجوع کو سب سے اہمیت دی جائے اور دین کو خانوں میں بانٹنے کے بجائے اس کے جزو کو اہمیت دینے کے بجائے کل دین کو اپنی پوری کلیت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ جس میں ایمان بھی ہو ایقان بھی فکر بھی ہو اور ذکر بھی جذبہ بھی ہو اور عمل بھی روحانیت بھی ہو اور تفکر بھی قانون بھی ہو اور تدبر بھی اسلاف کی روحانیت اور تفقہہ فی الدین بھی جو قیصر و کسریٰ کو تہس نہس کر دے اس میں جلال بھی ہو اور جمال بھی دین محض نری عقلیت، صرف جمالیات، صرف سیاسیات، صرف جہاد، صرف دعوت، صرف اعتکاف صرف قانون تک محدود نہ ہو بلکہ اپنی کلیت کے ساتھ جلوہ گر ہو اس کے ساتھ ساتھ جدید علم کلام کی ضرورت ہے تاکہ عہد جدید کے بطن سے ابھرنے والے احمقانہ سوالات کا جواب ایسے دینی پیرائے میں دیا جائے جو عہد جدید کے انسان کے کھوکھلے پن کو واضح کر دے اور دین کی عظمت ایمانیات اور روحانیت کو اس سطح سے بیان کرے کہ عہد رسالت مآب عصر حاضر میں زندہ و تابندہ ہو کر لوگوں کو چلتا پھرتا نظر آئے۔ [۱۳۹] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ عالم اسلام میں اہلسنت کی اکثر اسلامی انقلابی تحریکوں کی قیادت

علماء کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ جدید تعلیم یافتہ گروہوں کے ہاتھ میں ہے۔ جو بلا شک وشبہ یہ گروہ دین کے فدائی وشیدائی تو ہیں لیکن علوم اسلامی سے ناواقف ہیں یہ قیادت مغرب کے اسالیب اداروں، طرز زندگی سے نہایت مرعوب ہے اس لیے ان تحریکوں میں جدیدیت کے نفوذ کے ذریعے گمراہی کے امکانات بہت زیادہ ہیں ان تحریکوں کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ان کی قیادت علوم دینیہ کے ماہر علماء پر مشتمل ہو اور مغربی فلسفے سے بھی واقفیت رکھتی ہو۔ اس کے برعکس تمام شیعہ تحریکوں کی قیادت عموماً علماء کے ہاتھ میں ہے جس کے باعث ان تحریکوں کی علمیت اور مابعد الطبیعیات محفوظ ہاتھوں میں ہے اور یہ تحریکیں شیعہ مابعد الطبیعیات کے دائرے سے باہر قدم نہیں نکالتیں اور جدیدیت سے استفادہ کے باوجود جدیدیت سے ایک فاصلے پر رہتی ہیں حالانکہ دونوں مذہبی دھارے جدیدیت کے فلسفیانہ مباحث سے واقف نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود دونوں پر جدیدیت کے اثرات بالکل مختلف ہیں جس کی واحد وجہ علماء کا رسوخ ہے۔ اسلامی تحریکوں کی قیادت میں علماء کے رسوخ اور موجودگی کا تقابلی جائزہ۔ [۱۴۰] ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری کے اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ جماعت اسلامی کے کل وقتی اراکین علوم دینیہ حاصل کر کے ان علوم میں اس حد تک رسوخ حاصل کر لیں کہ خود فتاویٰ دینے لگیں اس کے ساتھ ساتھ یہ اراکین کسی نہ کسی سلسلے میں بیعت ہو جائیں اور مسند ارشاد سنبھال کر عوام کی روحانی پیاس بجھائیں اور ان کی تعمیر تطہیر و تشکیل کریں اور لوگوں سے بیعت لیں یہ اراکین مساجد کی سطح پر امامت کا منصب بھی سنبھال لیں جماعت اسلامی کے دفاتر مساجد کے احاطے میں منتقل کر دیے جائیں اور مسجد کو مرکز ومحور بنا کر اسے اقتدار کا متبادل مرکز بنا دیا جائے یہ اراکین مغربی فلسفے کا بھی مطالعہ کریں اور اس علم کی روشنی سے عوام کو مستفید کریں کیا ڈاکٹر انصاری کی یہ تجاویز قابل عمل ہیں کیا جماعت اسلامی کے نظام وفکر وفلسفہ میں اس طریقہ کار کی کوئی علمی دلیل مل سکتی ہے۔ آیا عملاً ممکن ہے کہ جماعت اسلامی کا کل وقتی کارکن اپنے تمام کام ترک کر کے یہ بھاری ذمہ داریاں اٹھا سکے کیا ہر شخص امام غزالیؒ کے مرتبے پر پہنچ سکتا ہے کیا ہر کارکن علمی وتحقیقی ذوق کا حامل ہے کہ یہ ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہو سکے کیا مساجد میں دفاتر جماعت اسلامی کی منتقلی عملاً ممکن ہے کیا مساجد کی امامت پر جماعت اسلامی کے اراکین فائز ہو سکتے ہیں کیا یہ حکمت عملی ایک نئی کشمکش کا عنوان نہ بن جائے گی کیا ایسی تجاویز قابل عمل ہو سکتی ہیں اور مثبت برگ وبار لا سکتی ہیں؟ [۱۴۱] اس نقطۂ نظر کا جائزہ کہ ملیشیا میں دار ارقم تحریک نے لاکھوں لوگوں کو حلال روزگار فراہم کیا لبنان میں حزب اللہ نے اسی طرز پر حلال کاروبار کا تجربہ کیا ہندوستان میں جماعت اسلامی نے بلا سود قرضوں کا وسیع نظام قائم کیا لبنان، ملیشیا اور ہندوستان کے تجربات کی روشنی میں اسلامی تحریکیں ہر ملک میں متوازی نظم معیشت نظام حکومت اور طاقت کے مراکز قائم کر سکتی ہیں جہاں متوازی نظام معیشت، نظام افتاء اور نظام قضاء قائم کر کے نہی عن المنکر کا حکیمانہ طریقہ کار حکومت کے علی الرغم ریاستی سطح پر برپا کیا جا سکتا ہے لوگوں پر جبر اور طاقت کے ذریعے کوئی نظام مسلط کرنے کے بجائے اسلامی احکامات کی روحانیت کو اس طریقے سے زندہ کیا جائے جس طرح صحابہ، صدیقین صلحاء اتقیاء صوفیاء اور علماء، فقہا اور متکلمین نے تاریخ کے ہر دور میں اس نظام اور روحانیت کو برپا کر کے دکھایا سی ڈی کی دکان پر سی ڈی خریدنے اور بیچنے والے کو مارنے پیٹنے اور ان کی سی ڈی جلانے کے بجائے خرید وفروخت کرنے والوں کے دل میں ایمان کی وہ شمع روشن کی جائے جو ان کے دل سے ظلمت کے اندھیرے دور کر دے اور انھیں ظلمات سے نور کی طرف لے آئے حجام کے ہاتھ سے استرے چھیننے اور داڑھی منڈانے والوں سے درشت رویہ اختیار کرنے کے بجائے ان دونوں کے دل میں الکتاب اور عشق رسالت مآب کی وہ شمع روشن کی جائے کہ وہ ہاتھ سنت نبوی کو مٹانے سے انکار کر دے اور وہ فرد سنت کو اپنی زندگی کا سب سے محبوب کام سمجھ لے۔ یہ کام صبر وحوصلے تحمل اور بردباری سے زیادہ اعلیٰ ترین کردار تقویٰ کی اعلیٰ ترین دولت اور قلب ونظر کی پاکیزگی اور روحانیت کے بغیر ممکن نہیں فرد اور معاشرے کی باطنی اصلاح کے بغیر دین کا تحکمانہ طریقے سے نفاذ پائیدار نہیں ہوتا قلب کی دنیا فتح کئے بغیر اور دلوں میں دین کی تڑپ لگن محبت اور چاہت پیدا کئے بغیر

لوگوں کو قانون اور طاقت کے بل پر دین سے پیوستہ رکھنا ممکن نہیں رہتا دین کے علمبردار اعلیٰ ترین روحانی بلندیوں پر ہوں تو لوگوں کے دل خود بخود ان کے کردار کی عظمت کے آگے جھک جاتے ہیں لیکن قاضی حسین احمد اور مولانا فضل الرحمٰن کی سیاسی قلابازیاں دیکھنے والا نہ ان کی دینی بصیرت سے متاثر ہوتا ہے نہ ان کی دنیاوی صلاحیت سے دوسری طرف متشدد دینی قیادت ہے جو سیاسی قلابازیاں نہیں کھاتی لیکن حکمت دین سے محروم ہے۔ کیا حجام کو مارنے سے لوگ داڑھی مونڈنا اور منڈوانا چھوڑ دیں گے دین فرد کو تبدیل کرتا ہے۔ دین کا اصل مخاطب فرد ہے ہر شخص کو اپنی قبر میں تنہا جانا ہے اور خود جواب دینا ہے فرد کو بدلنے کا مطلب فرد کی بنیاد اور اساس کو بدلنا ہے فرد تبدیل ہو جائے تو معاشرہ ریاست اور حکومت تک تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن اگر فرد تبدیل نہ ہو سکے تو دین ظاہری سطح پر خواہ کتنا طاقت ور کیوں نہ ہو اندرونی طور پر وہ نہایت کم زور ہو جاتا ہے اندلس اس کی بہترین مثال ہے اسلام روحانیت کے غلبہ کا نام ہے جو فرد کی تبدیلی کے بغیر نا ممکن ہے یہ غلبہ فرد سے خاندان، خاندان سے معاشرت معاشرت سے ریاست اور آخر کار ریاست سے حکومت کے ایوان میں داخل ہو کر رہتا ہے۔ اس فطری غلبے، تسلط، تحکم، حاکمیت، تسخیر کو دنیا کی کوئی طاقت کوئی بند نہیں روک سکتا قانونی سطح پر دین کو روحانیت برپا کئے بغیر نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ردعمل میں ایک شخص اپنے کفر پر جم کر اس کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر سکتا ہے اس کی یہ قربانی کفر پر جان دینے والوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر سکتی ہے جو مظلومیت کا روپ دھار کر شعائر دینی کے خلاف مسلمان علاقوں میں ردعمل اور احتجاج کی شمع روشن کر سکتی ہے سوال یہ ہے وہ کون سے اسباب ہیں کہ لوگ دین کی طرف رجوع کرنے کے بجائے دنیا کو ترجیح دے رہے ہیں کیا بے دینی کے اس فروغ میں ہمارے دینی طبقے کا حصہ تو نہیں جو صرف سیاسی نعرہ بازی اور ہنگامہ آرائی پر مبنی دینداری کو اصل دین سمجھتا ہے قلوب کو فتح کئے بغیر قانون اور پروپیگنڈے کے بل پر کوئی پائیدار تبدیلی نہیں آ سکتی پنجاب میں یہ تجربہ ۱۹۲۰ء میں ہو چکا ہے جب عورتوں نے اپنے شوہروں سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے ارتداد کی راہ اختیار کی اور عیسائی ہو گئیں کیونکہ علماء نے دین کے صرف قانونی پہلو پر توجہ دی جو اس کے کل کا ایک جزو ہے انھوں نے دین کے دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کر کے صرف قانون پر دین کو منحصر کیا لہٰذا قانون نا کافی ہو گیا اور یہ الزام علماء کو برداشت کرنا پڑا کہ فقہ اس زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتی اسلامی حکمت عملی یہ ہے کہ ایسی صورت حال کبھی پیدا نہ ہو عورتوں اور مردوں کو شعائر دینی کے ساتھ وابستہ رکھا جائے اور ان کی اغلاط و گناہوں پر سرزنش اس طرح کی جائے کہ ان کے قلب کی آنکھ کھل جائے اصلاح سرزنش سزا جزع وفزع کا مقصد یہ نہیں ہے کہ فرد کے رذائل باطنی کو بیدار و زندہ کیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کی حمیت دینی کو اس قدر غیرت مند کر دیا جائے اور اس کے اخلاق عالیہ و روحانیت کو ایسی مہمیز دی جائے کہ وہ قلب کی پکار سن کر توبہ کے دروازے پر دستک دینے کے قابل ہو سکے۔ اس کو دین کے دائرے سے خارج کرنے کے بجائے حتی الامکان دین کے دائرے میں رکھنے کی کوشش کی جائے عصر حاضر میں خارجیت متشدد تحریکوں میں خاموش قاتل بن کر داخل ہو گئی ہے خارجیت یہی ہے کہ ہر شخص کو دین سے خارج کرنے میں عجلت کی جائے اور گناہ گار کو دین کا دشمن اور شعائر اسلامی کا مخالف ثابت کر کے دائرہ دین سے خارج کر دیا جائے یہ خارجیت جب پیدا ہو جاتی ہے تو اسے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کفار کی صفوں میں نظر آتے ہیں اور ان کا خون خارجیت کے لئے مباح ہو جاتا ہے مصر میں اخوان سے ٹوٹنے والا گروہ التکفیر والہجرہ اسی خارجیت کا نمائندہ گروہ ہے جو ہر مسلمان حکمران کی تکفیر جائز اور اس کے قتل کو واجب سمجھتا ہے خارجیت کا ایک اور مظہر حزب التحریر ہے جو تمام مسلمان جماعتوں اور حکمرانوں کی تکفیر کو جائز قرار دیتی ہے اور بے سروپا دعووں کے ساتھ انقلاب کا صور پھونکتی ہے ان بے چاروں کو مغرب میں اور عہد حاضر کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں خارجیت کی جدید شکلیں رنگ بدل بدل کر تمام مکاتب فکر میں ظہور کرتی ہیں جو صحابہ کی قدح کرنے

[بقیہ سرورق کی پشت پر ملاحظہ کیجیے]